

مَدَوَّةُ الْمُصَنِّفِينَ دِلِّی کَالَمِی دِیْنِی مَکَہِنَا



20 JUL 1950

بُرْکَا

مَرْتَبِی
سَعِیَا حَکِیْمِ سَرَامَدِی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

یہاں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اسلامی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی گئی ہے۔ ہر مفصل فہرست جس سے آپ کو اندازہ کے خطوط کی تفصیل بھی معلوم ہوگی ذرا سے طلب فرمائیے۔

خلافت عباسیہ جلد دوم تاریخ اہل
کا چٹا حصہ قیمت پچیس جلد نمبر
فہم قرآن جدید انڈیشن جس میں بہت سے
اہم آٹھانے کئے گئے ہیں اور صاحب کتاب کو
از سر نو مرتب کیا گیا ہے قیمت پچیس جلد نمبر
غلامان اسلام سنی سے زیادہ غلامان
اسلام کے کلمات و فضائل اور غلامان کا ناموں
کا تفصیلی بیان جدید انڈیشن قیمت پچیس جلد نمبر
اطلاق و فلسفہ اخلاق علم الاطلاق
پہلیک ہسٹو اور محققانہ کتاب جدید انڈیشن جس
میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور رضائیں
کی ترتیب کو زیادہ دلچسپی اور رسل کیا گیا ہے۔
قیمت پچیس جلد نمبر

قصص القرآن جلد اول بمیلادین
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ واریہ کے حالات
وواقعات تک قیمت پچیس جلد نمبر
قصص القرآن جلد دوم حضرت یحییٰ
حضرت یحییٰ کے حالات تک بمیلادین قیمت
پچیس جلد نمبر
قصص القرآن جلد سوم بمیلادین

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید
انڈیشن جلد میں نظر ثانی سے ساتھ فریدی اخلاقی
بھی کیے گئے ہیں قیمت پچیس جلد نمبر
سلسلہ تاریخی ملت و فقر و غنت میں
تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے سلسلہ
نہایت مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند
و صحیح ہیں اور ہر جگہ انداز بیان نکھر رہا اور
نبی عربی صلحہ تاریخی ملت کا حوالہ
جس میں سیرت مسو کائنات کے تمام اہم واقعات
کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور
دلنشین انداز میں کیا گیا ہے قیمت پچیس جلد نمبر
خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا
حصہ) احمد خلیفہ راشدین کے حالات و واقعات
کو دلپذیر بیان قیمت پچیس جلد نمبر
خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا
حصہ) قیمت پچیس جلد نمبر
خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا
چوتھا حصہ) قیمت پچیس جلد نمبر
خلافت عباسیہ جلد اول (تاریخ ملت
کا پانچواں حصہ) قیمت پچیس جلد نمبر

بُرْہَانُ

شمارہ ۱۷

جلد سبست و پنجم

جولائی ۱۹۵۰ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|---------------------------------------|--|----|
| ۱۔ تقررات | ۲۔ سید احمد | ۲ |
| ۲۔ تدوین حدیث | حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی | ۵ |
| ۳۔ خدائی احکام و وحدت | جناب مولوی خلیفہ الدین جٹا آباد العلوم مینہ سائے | ۱۷ |
| ۴۔ حق؟ | مولانا حکیم محمد ابو ذر صاحب مدرسہ سرفریز بہار | ۲۶ |
| ۵۔ وزیر مامون احمد بن یوسف | از قلم: خود شید محمد فضل ایم ۱۷۷۰ء پی۔ بی۔ ٹکا | ۳۴ |
| ۶۔ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات | جناب سید محبوب شاہ صاحب کتب خانہ دیوبند | ۴۷ |
| ۷۔ ادبیات | | |
| "انسان اور درے" | جناب شمس توفیق صاحب | ۶۰ |
| ۸۔ تصدیق | (مس) | ۶۱ |

نَظَرِ

مٹن جی پی پی کہتے ہیں کہ مسلمان عرب و ایران کی طرف دیکھنا چھوڑ دیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ان ملکوں کی طرف بالکل ہی نہ دیکھیں تو کیا آج جبکہ پوری دنیا سمت سمٹ کر ایک خاندان یا ایک قبیلہ بن گئی ہے اور اس بنا پر سائبریا کی پہاڑیوں میں کوئی دھماکہ ہوتا ہے تو واشنگٹن بمک کے لوگ چوکے ہو کر دیکھنے لگتے ہیں کیا کسی قوم کے لئے یہ ممکن بھی ہے۔ اگر وہ زندہ رہنا چاہتی ہے کہ اس پاس کے ملکوں سے آنکھیں بند کر لے اور اندھی بہری بن کے اپنے ملک کی چھاڑ دیں؟ میں بند ہو کر بیٹھ رہے ہوں جو لوگ مسلمانوں کو پریشور دیتے ہیں خود ان کا کیا حال ہے؟ کیا وہ عرب و ایران کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک جنبش قدم پر کڑی نگاہ نہیں رکھتے؟ وہاں عرب لیگ۔ اور معدوعلق اور ایران کی مجلسوں میں جو گفتگویں ہوتی ہیں ان پر ان کے کان نہیں لگے رہتے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ کیا بھارت کی حکومت ان ملکوں سے دوستی کا دم نہیں بھرتی؟ ان ملکوں سے جو صدیوں کے پرانے کچھلی تعلقات ہیں۔ اور جو زیادہ تر مسلمانوں کی وجہ سے ہیں کیا بھارت کی حکومت ان تعلقات کو بڑھانے اور نئی دینے کی جدوجہد نہیں کر رہی ہے؟ اور کیا اس مقصد کے لئے علاوہ سفارتی علاقے کے باقاعدہ کچھل کو نسل قائم نہیں ہے؟ کیا اس پودے کو پرہیز چڑھانے کے لئے حکومت کی طرف سے عربی اور فارسی میں رسالے شائع نہیں کئے جاتے،

اور پھر عرب اور ایران پر ہی کیا موقوف ہے؟ کیا آپ امریکہ کو نہیں دیکھتے۔ روس سے آپ نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں؟ فرانس اور انگلینڈ، چین، برما اور انڈونیشیا پر آپ کی نظر نہیں پڑتی ہوئی ہیں؟ گوریا کے جنوبی اور شمالی حصوں پر آپ کی نگاہ نہیں پڑ رہی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان سب کو آپ بھی دیکھتے ہیں۔ مگر اپنی اپنی نظر ہے۔ آپ معلوم نہیں کس نظر سے دیکھتے ہیں لیکن مسلمان حسبِ نظریہ دیکھتے ہیں وہ مین ان کے نظریہ حیات اور آئیڈیالوجی کے مطابق ہے۔

ایک مسلمان اپنے مخصوص نظریہ حیات اور اسلام کی عالمگیر اخوت انسانی کی تعلیم کے ماتحت

دنیا کے ہر انسان کو بلا تفریق رنگ و نسل اور بلا امتیاز مذہب و ملت ایک ہی آدم کی اولاد اور اس بنا پر سب کو اپنا بھائی سمجھنا ہے اس کا ایمان ہے کہ
”بنی آدم اعضاءے یک و کلمہ اند“

جارجز قومیت جو آج دنیا میں بد امنی و بے چینی کا سب سے بڑا سبب ہے اور جس کی تباہ کاریاں آج روز روشن کی طرح ایک ناقابل انکار حقیقت بن چکی ہیں مسلمان کے نظریہ حیات کے بالکل خلاف اور اس کی ضد ہیں۔

انسانی برادری کے اس عام تعلق کے بعد مذہب، وطن اور نسل وغیرہ کے دوسرے درجہ بندی جن پر بین الملکتی یا بین الاقوامی تعلق کی کمی بیشی کا دار و مدار ہوتا ہے پس بھارت کے مسلمانوں کو عرب و ایران کے مسلمانوں کے ساتھ عام انسانی تعلق کے علاوہ ایک یہ تعلق بھی ہے کہ وہ ان کے ہم مذہب ہیں اور انسانی بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے برادر بھائی بھی ہیں۔ اس مذہبی تعلق کی وجہ سے ساری دنیا کے مسلمان ایک ہی وقت میں ایک ساتھ قتل کر خدائے واحد کے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں ایک ہی ہینہ میں سب ایک ساتھ روزہ رکھتے اور ایک ہی موسم میں کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور ان میں آپس میں شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم ہو سکتے ہیں ان کی پیدائش اور موت کے وقت جو رسوم ادا کی جاتی ہیں وہ بھی ایک ہیں یہ سب ایک ہی خدا کو ماننے والے ایک ہی کتاب پر عمل کرتے ہیں

لیکن اس مذہبی تعلق کی وجہ سے اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ بھارت کا باکسی ایسے ملک کا مسلمان جہاں اقتدار اعلیٰ وہاں کی غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں ہو وطن سے غداری کر کے عرب و ایران یا کسی اور اسلامی ملک کے مسلمانوں کے ساتھ ساز باز کر سکتا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پر اسلامی تعلیمات پر اس سے بڑھ کر کوئی الزام اور بالکل غلطو ہے بنیاد و اتہام نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک وطنی حقوق کی رعایت اور عملہ غیر کے خلاف وطن کی حفاظت کا تعلق ہے اسلامی تعلیمات کے ماتحت ایک مسلمان کا بھی وہی فرض ہے جو اس ملک کے دوسرے غیر مسلم باشندوں کا ہے خواہ اس ملک پر حملہ کرنے والا کوئی غیر مسلم ملک ہو یا مسلم ملک شرط صرف یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی شہری حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہو اور وہ اپنے دینی و مذہبی مسائل و مسائل میں آزاد ہوں ایک سنگے بھائی سے زیادہ اور کون سا رشتہ مغضوب ہو گا جسکے گھر ایک شخص اپنے حقیقی بھائی کے گھر پر زبردستی قبضہ کرنا چاہے تو اسلام ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ محض بھائی ہونے کی

وجہ سے غاصب کو قبضہ کر لیتے دیا جاتے اور اس کی مقاومت نہ کی جائے نہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام اس بجائی کو ظالم اور غاصب قرار دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اس کا مقابلہ کر کے اپنے گمراہی کی خطا کی جائے۔

اسلام جو دینِ فطرت اور مکمل قانونِ عدل و انصاف ہے اس نے مختلف رد وابط و ملائقی کی وجہ سے ایک فرد کے دوسرے فرد پر یا ایک قوم کے دوسری قوم پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں اسلام ان میں سے ہر حق کی ایک ایک تفصیل تعیین کرتا ہے اس کے واجبات و فرائض کی تشریح و توضیح کرتا ہے اور ہر حق کا جواز و حد و قیاس و مقام متعین کر کے ایک حق کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ دوسرے حق پر دست برد کرے اسلامی تعلیمات کی یہی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ایک مسلمان کسی غیر اسلامی ملک میں بھی اعتماد و اور بھروسہ کی زندگی بسر کرے

ممکن ہے وہ لوگ جو خود اپنے اوپر بھی بھروسہ نہیں کر سکتے وہ آج ہماری ان باتوں کو وقتی مصلحت یا بد بھرمی پر مبنی کریں ان لوگوں کو ہم باد و لاشی گئے کہ یہ بات ہم آج نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ تقسیم ہند سے بہت پہلے جب کہ ہندو مسلمان دونوں شانہ بشانہ جنگ آزادی لڑ رہے تھے۔ ملک کے دو نہایت مقتدر علماء مولانا سید سلیمان ندوی اور حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور شاہ الکشمیری علی الترتیب ملکیت اور نیشاد کے آلِ دنیا مجیدہ علمائے ہند کے عظیم الشان سالانہ اجتماعات کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبوں میں بالکل صاف صاف اسلام کا یہی حکم جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے بیان فرما چکے ہیں جو حضرت قرآن و حدیث یا کتب فقہ کا براہ راست مطالعہ نہیں کر سکتے وہ انھیں خطبوں کو جواد دیں ہیں ملاحظہ فرمادیں

اس موقع پر ہم ٹنڈن جی اور ان کے ہم خیال ہندوؤں سے ایک بات جو چھنی چاہئے ہیں اور وہ یہ کہ کبھی آپ لوگوں نے اس پر غور کیا ہے کہ اگر اسلام دوسرے مذہب کے پیروں کے ساتھ صلح و امانت و محبت و ہندوؤں اور عدل و انصاف سے رہنے کی تعلیم نہیں دیتا اور کسی ایسے ملک کو جہاں کی بھاری گناہیں غیر مسلم ہندو مسلمانوں کا وطن تسلیم نہیں کرتا تو پھر آؤ اس کی کیا وجہ ہے کہ مجیدہ علماء ہند، علماء و پو بندو سہارنہ اور دوسری بڑی بڑی دینی جامعات کے اکابر ملنا جو دین کے معاملہ میں کسی قسم کی مداخلت گوارا نہیں کرتے یہ سب کے سب بیکل تقسیم ہند کی مخالفت میں کاغذ و سحر سے بھی پیش پیش تھے پھر اس سلسلہ میں مجیدہ علماء جس غلط فہمی کا شکار تھے۔ انہیں اس لیے لوٹ محبت و امن کا عمل ثبوت دیا ہے ٹنڈن جی یا ان کی پارٹی اس سودا خوار عقلمندی میں خسرو سے کو بہن باز آ کر چلے نہ سکا سر نہ کھڑا کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقِ باز :۔ اے روسیاء تجھ سے تو یہ بھی نہ پوچھو

تدوین حدیث

(۴)

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ نبیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

لیکن ہمیشہ اس قسم کے حالات عارضی حالات ہی کی شکلوں میں نمودار ہوئے ہیں، چوتھے کے بعد پھر اپنے اصلی مسلک کی طرف لوگ واپس ہو گئے جس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں کا سارا کتب خانہ ان معلومات سے معمور ہے، جو اپنی جہل کا ازالہ ہوا، صحیح معلومات اور صحیح مسلک لوگوں کے سامنے آ گیا۔ آئندہ اگر توفیق رفیق ہوئی اور زندگی نے ساتھ دیا اور تدوین حدیث کی اس تاریخ کی تکمیل کا موقع ملا تو انشاء اللہ ان قصوں کو بیان کیا جائے گا۔ اس وقت تو صرف بیتنا مقصود ہے کہ اپنے عہد خلافت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دین کے اس شعبہ کی خصوصیتوں کی حفاظت اور نگرانی کی پوری کوشش کی، جذبات کے فوری تاثرات کے زیر اثر حدیثوں کے قلم بند کرنے کا ایک غیر صحیح اقدام ان کا عرت عجو ہو بھی گیا تھا، اس کی فوراً آپ نے اصلاح فرمادی، بلکہ لکھنے کے بعد اس مجموعہ کو جلادینے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کی جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے سرے سے تالاہ تجدید ہو گئی، اگر یہ صورت نہ پیش آتی تو یہ سوال ہی کا ہے کہ آئندہ لکھنے کے بعد جلانے کی مصلحت کیا تھی۔ خصوصاً صاحب خود ان ہی کا بیان ہے کہ علاوہ اپنے براہ راست معلومات کے ان ہی لوگوں کی روایتیں اس کتاب میں درج کی گئی تھیں جن کی امانت و ذمہ داری پر اپنے نزدیک ان کو اطمینان تھا، حضرت کو حفظ فیما احادیث عن رجل

میں میں حدیثیں، ایسا ہی صحیح ہی میں کی

امانت پر میں نے مجھ کو کیا اور اس کے بیان پر چلنا

قل اعوذ بک و بک

کا خاتمہ ہے کہ یہی مطلب تھا، مگر باوجود اس کے لکھنے کے بعد اس کو جلادینا جیسا کہ یہ تفصیل عرض کیا گیا اس کی وجہ وہی نبوی نشاء کی تکمیل ہی ہو سکتی ہے جس کے متاثرہ ہونے کا خطرہ حضرت ابو بکر کے اس جمع کردہ نسخہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

لیکن حضرت ابو بکر کا کام نہ دین حدیث کے سلسلے میں صرف ان ہی دو خدمات تک محدود نہیں ہے، انہیں دوسرے کاموں میں ان کی اس خدمت کا تذکرہ کیا گیا تھا لیکن شاید اس کی اہمیت کا اندازہ جیسا کہ چلے گئے تھے لوگوں کو نہ ہوا۔ بات میں ممکن ہے کچھ طوالت پیدا ہو لیکن کیا کیا جاتے تھے مجھ سے پہلے کام لینے والوں نے اختصار سے کام لیا میں تو سمجھتا ہوں کہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جس اہمیت کے مستحق تاریخ کے یہ ذائق تھے ان کی اس اہمیت کا اندازہ اچھے چھوٹے کو نہ ہو سکا۔

کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ بجائے عمومی اشاعت کے دین کے اس حصہ کے متعلق یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا کہ پھر پھر نئی حد تک وہ پہنچا تو دیا جاتا لیکن عموماً ہر شخص تک پہنچ جائے اس کی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ جیسا کہ بتایا گیا اسی سے مسلمانوں کی دینی زندگی میں اس حصہ کے لحاظ سے سہولتیں پیدا ہوئیں جو ان سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی راہ کھلی ہوئی ہے لیکن محروموں کی محرومی میں اس لئے اعانہ نہیں ہوتا کہ اس حصہ کے مطالبہ و گرفت میں وہ نوعیت نہیں پیدا ہوتی جو مبنائی حصہ کی خصوصیت ہے، مگر اسی کے ساتھ ایک دوسرا نتیجہ یعنی ان روایتوں کے جاننے والوں اور جو ان سے ناواقف تھے ان دونوں طبقوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا واقعیت اور عدم واقعیت کی وجہ سے ناگزیر تھا ابھی کچھ دیر پہلے حضرت عمرؓ کے متعلق دو قسطے اس سلسلہ میں گند چکے، معمولی آدمی نہیں حضرت عمرؓ جیسی شخصیت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثوں یعنی استیذان (اجازت) کے خاص طریقے اور بیت المقدس والی مسجد کے اس قسطے سے جس کا ذکر میں نے حاشیہ میں کیا ہے آپ سن چکے وہ ناواقف تھے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر دوسرے صحابیوں سے فرمایا تھا واقعہ ہے کہ دین کے اس حصہ کو جس طریقہ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کیا تھا ایسی صورت میں بعضوں کا اس سے واقف ہونا اور بعضوں کا ناواقف رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہو سکتی، خصوصاً جن لوگوں کو حاشی یا اس قسم کے دوسرے کاروبار کی وجہ سے جو میں گھنٹہ کی حاضر باشی کا دوبار نبوت میں موقعہ میرے متعلقہ استیلا والی روایت میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اعتراض کرنا پڑا۔

خنی علی ہذا من امر رسول اللہ
یعنی روایت مجھ سے جو خنی رہی تو اس کی وجہ یہ ہے
صلی اللہ علیہ وسلم الہامی عنہ
کہ بازاروں کے کاروبار کی مشغولیت نے اس کا
الصق فی الاسواق ص ۱۲۲ ج ۱
موقعہ میرے لئے نہیں رکھا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کثرت روایت کی وجہ بیان کرتے ہوئے بھی یہی کہتے تھے کہ
ان اخوانی من المهاجرین کان
یشغلهم الصق فی الاسواق
میرے دوسرے ہاجر بھائیوں کو بازاروں کے
کاروبار نے اپنے ساتھ مشغول رکھا مگر میں غفرت
وکنتم الزم رسول اللہ صلی اللہ
بیٹ پر رسول اللہ کے آستانے پر پڑا ہوا تھا۔

علیہ وسلم علی ملاء بطنی

غالباً ابو ہریرہ کی اس پوری روایت کا ذکر کہیں پہلے ہی آچکا ہے حاصل اس کا وہی تھا کہ ماجرین تو بازار کے کاروبار میں عموماً مشغول رہتے تھے اور انصار کو اپنے باغوں اور کھیتوں کی وجہ سے زیادہ فرصت میر نہیں آتی تھی البتہ یہ فقیر ابو ہریرہ صرف پیٹ پر سفیر کے آستانے پر پڑا ہوا تھا اسی کا نتیجہ یہ ہوا جیسا کہ خود ان کا بیان ہے کہ فاشہد اذا غابوا وحفظوا اذا اسودا میں اس وقت حاضر رہتا تھا جس وقت یہ لوگ غائب رہتے تھے اور جن ہاتوں کو دوسرے بھول جاتے تھے مجھے حاضر باشی کی وجہ سے یاد رہ جاتی تھیں، کیونکہ بار بار سننے کا موقعہ ملتا تھا۔

اگرچہ یہ باغی کس نوعیت کی ہوتی تھیں اس کا اندازہ حضرت عمرؓ والی ان ہی دو روایتوں سے ہو سکتا ہے، ستیلا اصولی طور پر ایک فرائی قانون ہے، قرآن ہی میں حکم دیا گیا ہے کہ کسی دوسرے گھر میں بے دھڑک غیر اجازت مسلمانوں کو گھسنا نہ جاتے، بلکہ صاحب خانہ کو بلاؤں

ہاں کہ وہ سلام کلام کر کے داخل ہونا چاہتے فرآنی تلاون ہونے کی وجہ سے اس کی تبلیغ عام ہو چکی تھی
 ہائی سلام کہتے دفنہ کرنا چاہتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر عمومی طریقہ سے لوگوں کو مطلع کیا
 تھی کہ تین دفنہ سلام کرنے کے بعد یہی جواب نہ ملے تولیت جاؤ میں یہی تین دفنہ سلام کرنا اس کی عمومی
 اشاعت مسلمانوں میں ضروری نہ تھی، ----- پس اس سبب ان میں کسی
 گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلبی کے وقت سلام کرنے کا جو قرآنی حکم ہے اسی حکم کی
 یہ تفصیل کہ تین دفنہ سلام کیا جائے یہ ایسا مسئلہ تھا جو عمومی اشاعت پانے والے مسائل کی حیثیت
 نہیں رکھتا تھا اسی طرح بیت المقدس کے متعلق حضرت داؤد کا قصہ سونما ہر ہے کہ ایک
 تاریخی واقعہ تھا ہر تاریخی واقعہ کی تبلیغ ہر شخص تک کھلی ہوئی بات ہے کہ فرائض نبوت میں داخل
 نہیں ہے بقول ابوبکر الصمصام

لیس علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم توفیقہم علی الا فضل
 یعنی جن امور میں مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے ان کے اس پہلو سے امت کے ہر فرد کو لگا ہوا کہ جو
 مما خیرہم فیہ قسیر حصاص ۲۱۱
 بہتر اور افضل ہو، یہ پیغمبر کے لئے ضروری نہیں ہے
 اسی لئے بعضوں تک پیغمبر کی اس قسم کی باتیں پہنچیں اور بعضوں تک نہ پہنچیں۔ یہ ایک ایسی صورت
 حال تھی کہ مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کے لحاظ سے اس کی جو بھی قیمت ہو لیکن جاننے والوں
 اور نہ جاننے والوں کے درمیان اختلاف کا پیدا ہو جانا اس کا ایک لازمی نتائج تھا۔ اسی کے
 ساتھ شرعی قوانین کی محدودیت اور قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے ساتھ پیش آنے
 والے حوادث و واقعات کی محدودیت نے اس ضرورت کو جو پیدا کیا تھا کہ شرعی کلیات کو پیش نظر
 رکھ کر اور ان ہی محدود قوانین کی روشنی میں نئی نئی پیش آنے والی صورتوں کے لئے احکام پیدا
 کئے جائیں جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے، دین اور وہ بھی دین اسلام جو مدعی ہے کہ ہر وہ شخص جو
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت و رسالت کے بعد انسان بن کر زمین کے گردے
 پر قیامت تک پیدا ہوتا رہے گا اس کے لئے یہ آخری قانون ہے، ایک ایسے عالمگیر وسیع

دینی یقین کے لئے تفرقہ کے اس باب کا کھلا رکھنا کس حد تک ضروری ہے اس کا اندازہ آپ کو مام و دنیاوی قوانین کے ماہرین کے بیانوں سے ہو سکتا ہے۔ حلال کہ کسی محدود علاقے کے لئے محدود زمانے میں حکومتیں ان قوانین کو بناتی ہیں، لیکن باوجود اس کے جیسا کہ سر سائنس نے اپنی مشہور کتاب ”اصول قانون میں لکھا ہے

”بہر حال کسی ملک کے جوں کے اختیار تیزی کے غیر مروت قانون سے انفعال مقدمات نامکن ہے۔“
(مزمجہ دارالترجمہ سرکار علی علی)

تفصیل کے لئے تو دیکھئے میری کتاب ”تدوین فقہ“ یہاں صرف اس قدر کہنا ہے کہ تفرقہ کی اسی ناگزیر صورت حال سے اختلافات کا پیدا ہو جانا لازمی تھا اور وہ پیدا ہوا، مسلمانوں میں مذہبی اختلافات کا ایک بڑا حصہ عموماً ان ہی دونوں باتوں یعنی احاد خبروں کی واقفیت و عدم واقفیت پر مبنی ہے یا ان اجتہادی نقاط نظر پر ہے جن کا پیدا ہو جانا اجتہادی کوششوں میں قدرتی امر ہے اور خواہ ان اختلافات کے متعلق نہ جاننے والوں میں جس قسم کے خیالات بھی پھیلے ہوئے ہوں مگر جائزے والے جانتے ہیں کہ

لے میرا اشارہ اس عام چرچے کی طرف ہے جو مسلمانوں کے متعلق پھیل رہا ہے کہ بدترین قسم کی فرقہ بندیوں میں یہ قوم مبتلا ہے غیر تو غیر انہیں کو بھی اس پہچاننا چاہیئے دیکھا گیا ہے لیکن جو اصل واقعہ ہے اسے اپنی مختلف کتابوں مقالات و مضامین میں بتفصیل بیان کر چکا ہوں حاصل یہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فوج و فوج دنیا کی قومیں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں تو اس میں شک نہیں کچھ دن کے لئے جیسا کہ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے نئے نئے خیالات و عقائد کے رکھنے والے فرقے پیدا ہو گئے تھے ان میں بعض فرقوں کی بنیاد سیاسی اختلافات پر مبنی تھی اور بہت ہی تعداد ان فرقوں کی تھی جو اسلام میں اپنے موروثی مذہب کے جواہر کو لئے ہوئے داخل ہوتے تھے، شعوری یا غیر شعوری طور پر شروع میں یہ چاہا گیا کہ اسلامی تعلیمات و دلائل کے حدود فی خیالات میں تطابق و مصالحت پیدا کی جائے اسی غیر محدود کوشش نے جہاں تک میرے معلومات کا تقاضا ہے ان مختلف فرقوں کو اسلام میں پیدا کر دیا تھا لیکن جوں جوں آئندہ نسلیں کے قدم حقیقی اسلام میں راسخ ہوتے چلے گئے آبائی عورت کا دباؤ و حیل بڑھ گیا، صحیح اسلام جوں جوں فاسلوں کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا گیا اپنے آبائی خیالات سے ان کا تعلق کمزور ہوتا رہا تا اس کو چوتھی یا پنجویں صدی ہجری تک پہنچے جہتے (تبعیہ حاشیہ بر صوفیہ آئندہ)

ان ہی اختلافات کے سلسلے میں یہ عجیب و غریب صورت حال جو نظر آرہی ہے کہ مسلمانوں کی قوم
علاوہ دنیا کے مختلف اقالیم و ممالک میں کرودہ ہا کرودہ کی تعداد میں بھپی ہوئی ہے۔ تخمینہ کرنے والے
افراد کے نزدیک چالیس سے ستر کروڑ افراد انسانی پر یہ قوم مشتمل ہے جن میں مختلف زبانوں کے
بولنے والی سیکڑوں نسلیں بنی آدم کی خمریک ہیں۔ ان میں گورے، کالے، زرد، گندمی افریقہ
ہر رنگ اور ہر شکل کے لوگ ہیں لیکن بایں ہمہ بجز ایک فرقہ کے جن کی اقلیت اتنی ناقابلِ لحاظ
اقلیت ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کے مقابلہ میں گویا ان کا وجود و عدم سمجھنا چاہئے کے برابر ہے
یہ ساری عظیم اکثریت اہل السنہ والجماعت کے ایک ہی فرقہ کی شکل میں جو پائی جاتی ہے، لوگ

دینیہ حافیہ صوفیہ فتنہ، ہندو سچ یہ رنگ اتنا ڈاکہ یہ سارے فرقے خود بخود مضمحل ہو کر ناپید ہو گئے صرف مسلمانوں
کی مذہبی تاریخوں میں لوگ ان فرقہ کا نام لکھتے ہیں لیکن دنیا سے ان کا وجود معدوم ہو چکا ہے معمولی چھوٹے
ناپرساں حال فرقہ کی کا یہ انجام نہیں ہوا بلکہ بعض بڑے منہ زور، صاحبِ اسبقت و القلم فرقے مثلاً معتزلہ تک کا
یہ حال ہے کہ اس وقت اس فرقہ کے کسی آدمی کا طاق و دور کی بات ہے، کتب خانوں میں اس مذہب کے
عقائد و فتاویٰ کی کوئی فائض کتاب بھی نہیں پائی جاتی نہ تفسیر و فیرہ کے سلسلے میں گنتی کی چند کتابیں ہیں
ان میں کچھ ان کے خیالات ملتے ہیں یا اہل سنت نے نزدیک سے لے کر ان کے مسلمات کا اپنی کتابوں میں جو ذکر کیا
ہے اس سے کچھ ان کے خصوصیات کا علم حاصل ہوتا ہے جن سے کھابہ کہ باقی حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی فرقہ
کے چار مکاتبِ خیال بلاشبہ مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں لیکن ان لوگوں کے اختلافات پر فرقہ بندی کے اختلافات
کا اطلاق قطعاً غلط ہے آخر جب ان میں ہر مکتب کے لوگ دوسرے مکتبہ خیال کے اندک اکابر کا اسی قدر احترام کرتے
ہیں جتنے اپنے بزرگوں کا تو پھر ان میں کسی ایک جماعت کے دین کو دوسری جماعت کے دین سے جدا کیسے قرار دیا جاسکتا
ہے، یہی نہیں ہر ایک دوسرے کے نیچے نازیں پڑھتے ہیں، از روای طاعت رکھتے ہیں۔ بلکہ حدیث ہے کہ ایک جماعت
کے لوگ دوسری جماعت کے پیروں کے ساتھ پرستیت کرتے ہیں حضرت فوٹ پاک کا وجود اس کی سب سے
نہی مثال ہے کہ فقہا حضرت حنبلی مسلک کے پہنڈ تھے لیکن اب کون سا مسلمان ہے جو آپ کو سید لاہلیا
نہیں مانتا دینی فرقہ کا اطلاق صرف شیعوں پر یا خوارج پر ہو سکتا ہے سو خوارج کا وجود کرودہ کے مقابلہ میں
کسی حیثیت سے قابلِ ذکر نہیں۔ شیعہ فرقہ کے مسلمانوں کی تعداد اس میں شک نہیں کہ خوارج سے زیادہ ہے لیکن
اہل سنت کی اکثریت کثیرہ عظیمہ کے مقابلہ میں پچھو چھوے توان کی تعداد بھی سمندر میں چند تھکوں سے زیادہ اہمیت
نہیں رکھتی۔

اس کو کہیں نہیں سوچتے کہ اختلافات کے ان دو مستقل آتش فشاں پہاڑوں پر جس قوم کی دینی جنگ کی تعمیر کھڑی کی گئی ہے، اسی دین میں وحدت و یگانگیت کا یہ حیثیت انگیز مدھن مگر ساتھ ہی گھٹن رنگ کیسے پیدا ہو گیا؟ کیا یہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے لوگوں کا مطالعہ اگر صحیح ہوتا تو ان کے سامنے ان سارے انتظامات، اور استقامتی و اعتدالی تدبیروں کا نقشہ آجاتا جو شروع ہی سے اس راہ میں اختیار کئے گئے عہدِ نبوت میں تو اختلافات کے پیدا ہونے کی گمانش ہی کیا تھی، پیغمبر کا وجود قبل فصل تھا جو براہ راست خدا سے علم پا رہے تھے، ہر اختلاف کا فیصلہ پیغمبر کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ہی ہو جاتا تھا۔ قرآن ہی میں بار بار مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا تھا کہ ہر اختلاف میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو تاہم ایک چیز اس زمانہ میں بھی پیدا ہو چکی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسی کو اصلاح کا ذریعہ بنایا تھا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اختلافات باہمی سے مسلمانوں کو جو منع کیا گیا ہے، ہمیں سوچنا چاہیے کہ واقعی اس کا مطلب کیا ہے؟ کیا ہر مسلمان کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہی معلومات اپنے پاس رکھے جو دوسرے رکھتے ہیں، یا یہ کہ ہر مسلمان وہی بات سوچے جو دوسرے سوچتے ہیں، مگر خود کرنا چاہئے کہ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ خصوصاً دین کے اس نازیخ حصہ کو جب پیغمبر اس طریقے سے پہنچا رہے تھے کہ اور تو اور ابوجہرؓ جیسے مقررین بارگاہ کو کبھی بسا اوقات اس سلسلے میں اپنی نادانیت کا اعتراف کرنا پڑتا تھا ایسی صورت میں یہ خیال کہ معلومات کے اختلاف سے جو اختلاف قدیم پیدا ہوتا یا ہو سکتا تھا اس سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے خود ہی سوچتے کہ اس کا مطلب کیا ہوگا؟ اسی طرح جب نفع کا باب کھولا گیا تھا اور عرض کر چکا کہ علی طور پر کوئی دینی قانون بھی اس کے بغیر ہی نہیں سکتا تو قیامت تک کیلئے ساری دنیا کے لئے جو دینی دستور دیا گیا تھا وہ اس مسئلہ کے بند کرنے کے بعد نئی روزانہ پیش آنے والی صورتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت کیسے کو سننا تھا اور نفع کے دروازے کو کھلا رکھنے کے بعد یہ فوج کیا پوری ہونے والی تھی جو سکتی ہے کہ شرعی کلیات اور نفوس کو ہمیشہ نظر رکھ کر نئے پیش آنے والے حوادث کے متعلق

حکم پیدا کرنے والے ہمیشہ ایک ہی نتیجہ تک پہنچیں گے۔

میرے نزدیک تو اختلاف سے ممانعت کا اگر یہی مطلب لیا جائے گا تو دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سارے انسانوں کو حکم دیا جائے کہ اپنے چہروں کے رنگ کو ایک کر دو، اپنے قدوں کو برابر کر دو ہر شخص ایک ہی قسم کی آواز منہ سے نکالے الغرض جو کچھ ایک کے پاس ہے مزدوری قرار دیا جائے کہ وہی سب کچھ دوسرے کے پاس بھی ہو اور وجہ یہ بیان کی جائے ان ہی چیزوں کے اختلاف سے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، کھلی ہوئی بات ہے کہ حکم ہمیشہ ان ہی چیزوں کو دیا جاتا ہے یا دیا جاسکتا ہے جو آدمی کے اختیاری حدود میں ہوں۔ بھلا غریب آدمی کے بس میں ہے کہ اپنے چہروں کے رنگ و درخشن، شکل و صورت، قدم و قامت، مجال ڈھال وغیرہ قدرتی اختلافات اور انفرادی خصوصیتوں کو مٹا کر ایک کر دے اور جیسے یہ اس کے بس کی بات نہیں، یقین کیجئے کہ ذہنی اور دماغی یا باطنی خصائص و غرائز کے فطری اختلافات جن کی وجہ سے فکری اختلافات پیدا ہوتے ہیں ان اختلافات کو بھی آدمی اپنی قدرت اور اپنے ارادے سے مٹا نہیں سکتا۔ پس یہ کہنا کہ تفقہ میں ہر مسلمان فقہ کو اس کا باند بنایا گیا ہے کہ جس نتیجہ تک شرعی قوانین کی روشنی میں دوسرے پہنچیں اسی نتیجہ تک وہ بھی پہنچے اور یہ باور کیا جائے پا کرایا جائے کہ اس حکم کی تعمیل سے قاصر رہنے والے قرآن کے ان مطالبوں کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں جن میں مسلمانوں کو تفرق و اختلاف سے بچنے کی شدید تاکیدیں کی گئی ہیں اور عذابِ عظیم کی دھمکیاں دی گئی ہیں ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ کوئی معمولی و دعویٰ نہ ہوگا، مسلمانوں کی تاریخ کے سارے روشن اوراق یقیناً اس کے بعد اچانک سیاہ پڑ جائیں گے، میں اسطرح کے متعلق تو نہیں کہتا کہ اس سلسلے میں ان کے خیالات کیا ہیں لیکن جہاں تک اپنی ناقص ضرورت فکر سے کام لینے کے بعد جس نتیجہ تک پہنچا ہوں، اسے پیش کر دیتا ہوں۔

میں تو یہی سمجھتا ہوں اختلاف و تفرق سے جن آئینوں میں مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے اگر ان کا مطلب یہی لیا جائے گا تو جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ اسی قسم کا مطالبہ ہوگا کہ کالے رنگ والوں

کو حکم دیا جائے کہ اپنے چہروں کو گور یا لیس و نہ عذابِ عظیم کے وہ مستحق ہوں گے میرے نزدیک تو درنوں مطالبوں میں مصلحت کسی قسم کا فرق نہیں ہے پس سوچنے کی بات یہی ہے کہ قرآن جس اختلاف سے منع کر رہا ہے وہ ہے کیا؟ یقیناً یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہو سکتی جس کی تعمیل انسانی دسترس سے باہر ہو اگرچہ **يَكْفُفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دَسَعَهَا** یعنی وسعت اور گنجائش ہی کو دیکھ کر مطالب کیا جاتا ہے یہی تو قرآن ہی کا کلی قانون ہے جب ہر باب میں اس قانون کی ہمہ گیری مسلم ہے تو اختلاف کا مسئلہ اس کے دائرے سے کیسے باہر ہو سکتا ہے اس معیار پر اس مسئلہ کی جو واقعی حقیقت ہو سکتی ہے اسے متعین کیجئے میں ایک مثال پیش کرنا ہوں یعنی گورے اور کالے کے اختلاف کو دیکھئے، چہروں کے رنگ کے اس اختلاف کو یہ تو ظاہر ہے کہ آدمی ختم نہیں کر سکتا گوروں کو کالا اور کالوں کو گور یا رنگینوں کو بھیکار اور بھیکوں کے چہروں پر وہ رنگ نہیں بھرے جاسکتے جو رنگین چہروں والے کی خصوصیت ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر چاہا جائے تو چہروں کے رنگ کے ان قدرتی اختلافات کو مخالفت کا ذریعہ بنا کر نبی آدم کو مختلف ٹولہوں میں یقیناً بانٹا جاسکتا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ آئے دن یہ کیا جا رہا ہے کتنی بے دردی کے ساتھ رنگ کے اسی قدرتی اختلاف کو غور پر مزے مخالفتوں کا ذریعہ بنالیا گیا ہے پس اختلاف تو ایک قدرتی بات ہے لیکن اس قدرتی اختلاف کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ بنانا قطعاً انسان کی ایک مصنوعی حرکت ہے قدرتی اختلاف کو بند کرنا تو ہمارے بس کی بات نہیں ہے مگر ان سے ارادی مخالفتوں کی آگ بھڑکانی یہ بالکل آدمی کی اختیاری چیز ہے، میل خیال ہے کہ مسلمانوں کو جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ اس مسئلہ کا یہی اختیاری پہلو ہے بالفاظِ دیگر مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ معلومات یا انکار و خیالات یا اجتہادی نتائج کے اختلاف کو چاہئے کہ باہمی مخالفتوں کا ذریعہ نہ بنائیں یعنی ان ناگزیر اختلافات کو مینا دینا کہ ایک طبقہ کے دین کو دوسرے طبقے کے دین سے جدا کرنے کے جرم کے مرتکب نہ ہوں قرآن اسی جرم سے مسلمانوں کو روکنا چاہتا ہے حاصل یہ ہے کہ جن اختلافات کا مثلاً، آدمی کے بس میں نہیں ہے ان کے ملنے یا ختم کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ کیا جاسکتا ہے، بلکہ ان اختلافات

کو ارادی مخالفوں اور مخالفوں کا یعنی ایک کے دین کو دوسرے کے دین سے جدا کرنے کا طریقہ
بنانا یہ نسل جو کہ ہمارے اختیار میں داخل ہے، اس لئے درحقیقت اسی سے مسلمانوں
کو منع کیا گیا ہے اور منع کرنے کی چیز یہی ہو سکتی ہے قرآن نے اس باب میں جو حکم دیا ہے وہ
بالکل واضح اور متین ہے خلا ارشاد ہے۔

درکموتوا کالذین تفرؤا و اختلافوا
اور نہ بن جانان لوگوں کی طرح جن میں ایک سے
من بعد ما جاء نصر البینات واولئک
سے جدا جدا ہوئے اور مختلف ہوئے بعد اس
لہم عذاب عظیم (آل عمران)
بات کے ان کے پاس ”بینات“ آچکے تھے یہی
لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں اختلاف سے پہلے ”تفرؤا“ کا لفظ ہے جس سے اشارہ جیسا کہ میں سمجھتا ہوں
اسی طرف کیا گیا ہے کہ لوگ دراصل تفرق کو پیدا کرنا چاہتے ہیں یعنی ایک ٹوٹی کو دوسری ٹوٹی سے
جدا کرنا چاہتے ہیں، تب اس جدائی کا ذریعہ مذہب کے اختلافات کو بنا لیتے ہیں، حالانکہ ”البینات“
ان کے پاس موجود رہتا ہے۔

اسی آیت کو پیش نظر رکھ کر اسلام کا نقطہ نظر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دین کے جس حصہ کی حیثیت
”بینات“ کی ہو یعنی دین سے جس کا تعلق بالکل واضح اور روشن ہو، مثلاً وہ ساری چیزیں جو عمومی
راہ سے منتقل ہوتی ہوئی مسلمانوں میں پھیلی آ رہی ہیں اسلام کے ساتھ ان کا تعلق اتنا واضح اتنا متین
اور کھلوا ہوا ہے کہ جو اسلام اور ان چیزوں کو جانتا ہے، خواہ مسلمان ہو یا نہ ہو شاید اسلام کا ان کے
بغیر وہ تصور ہی نہیں کر سکتا مثلاً قرآن یا حج یا نماز رمضان کے روزے وغیرہ ان کا یہی حال ہے
بہر حال ان ہی ”البینات“ پر متفق و متحد ہو جانے کے بعد ہدایت کی گئی ہے کہ دین کے
”غیر بیناتی“ حصہ کو ذریعہ بنا کر مسلمانوں کی ایک ٹوٹی کو دوسری ٹوٹی سے جدا کرنے کی حرکت نہ کرے
دلوں کو عذاب عظیم کی مستحق بنا دیتی ہے حاصل یہی ہوا کہ قدرتی طور پر جن اختلافات کا پیدا ہونا
مکرم ہے ان سے نہیں منع کیا گیا ہے اور نہ ان سے منع کیا جاسکتا ہے کہ اختیاری حدود میں وہ

داخل ہی نہیں ہیں بلکہ ان ناگزیر قدرتی اختلافات کو چاہتے کہ باہم ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے ممانعت کا حقیقی رخ انسان کے اسی ارادی فعل کی طرف ہو سکتا ہے اور اسی کی طرف اس کا رخ ہے بھی،

میں نے جیسا کہ عرض کیا تھا کہ عہدِ نبوت میں ان قدرتی اختلافات کے پیدا ہونے کی گنجائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باوجود کی وجہ سے تھی ہی نہیں، تاہم اس وقت بھی اختلاف کی ایک صورت سامنے آئی گئی یعنی زبانوں کا دستور ہے کہ ایک ہی زبان کے بولنے والے کیوں نہ ہوں لیکن ان لوگوں میں بھی تھوڑا بہت ایسے طریقہ ادا، تلفظ وغیرہ کے اختلافات پیدا ہی ہو جاتے ہیں، کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ہر بارہ میل پر زبانوں کے ان اختلافات کا تجربہ کیا گیا ہے ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا ہو، لیکن اس مشاہدے کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ ایک ہی زبان کے بولنے والوں میں مذکورہ بالا اختلافات کو ہر جگہ لوگوں نے پایا ہے، ہماری اردو زبان ہی کو دیکھ لیجئے، شمال و جنوب مشرق و مغرب کے اکثر ہندوستانی علاقوں میں یہ بولی جاتی ہے، لیکن باوجود ایک زبان ہونے کے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جنوبی ہند کے اردو بولنے والے ایک ہی لفظ کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں کہ شمالی ہند والے اگر چاہیں بھی تو اس طریقہ سے اس لفظ کا تلفظ نہیں کر سکتے، اور یہی حال مختلف صوبائی مقامی اختلافات کا ہے۔ عربی زبان جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔ یہ زبان سارے عرب کی تھی۔ لیکن عرب کے مختلف علاقوں کی باشندوں کی زبان میں بھی وہ سارے اختلافات پائے جاتے تھے، جن سے کوئی زبان بچی ہوئی نہیں ہے۔ حجاز، یمن، نجد یا مختلف قبائل قریش بنی تمیم، قطیفی، غیر قطیفی قبائل کے اندر اس قسم کے کافی سنی اختلافات پائے جاتے تھے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسی جلیل ہستی جن کی ساری زندگی قریش میں بلکہ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک میں گزری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو قرآن پڑھایا تھا، لیکن انسؓ و اصحابؓ ہی تھے۔ اس لئے حتیٰ کا تلفظ آخر عمر تک وہ حتیٰ کہتے رہے مسند احمد میں ہے کہ مشہور حدیث میں

میں ہے کہ قورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صفات بیان کئے گئے ہیں، ان میں یہ بھی ہے کہ آپ دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے جاتیں گے جب تک ملت حجازہ دمیتر می ملت (سدھی نہ ہو جائے۔ جس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں اور جن قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ان کو اسی کلمہ لا الہ الا اللہ سے کھول دیں گے۔ عربی میں اسی مفہوم کو ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حتی یقیم بہ الملة العوجاء بان یقولوا لا الہ الا اللہ فیفتحہما عینا عسبیا واذا اناصما وقلوبا غلغا۔ حضرت عطاء فرماتے تھے کہ میں نے کعب احبار سے جو توراۃ کے مستند عالم اس زمانہ میں سیکھے جاتے تھے ان سے پوچھا کہ آپ کا علم ان الفاظ کے متعلق کیا ہے یعنی قورات میں یہ الفاظ کیا پائے جاتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ کعب نے اس کی تصدیق کی صرف فرق یہ نظر آیا کہ

ان کعبا یقول بلغثہ عینا عمومی	یعنی کعب بجائے عینا عسبیا کے عینا عمومی اور
اذا اناصمومی وقلوبا غلغونی	اذا اناصما کے اذا اناصمومی اور قلوبا غلغا کے
سند احمد ص ۱۶۱	قلوبا غلغونی کے ساتھ ان الفاظ کا اپنی لغت کی
	درجہ سے تلفظ کرتے تھے۔

در حقیقت یہ زبان کا اختلاف نہیں ہے بلکہ لہجہ کا اختلاف ہے جس کی تعبیر عطاء نے "لغت" کے نقطہ سے کی ہے۔ کعب بن کے رہنے والے تھے۔ حجازی لہجہ اور یمنی لہجہ کے فرق کا اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے "عنا" کو کہنے کے معنی "عموما" اور "عما" کو "صوما" "غلغا" کو "غلغہ" بنا دیتے تھے۔

قدرتی نظام وحدت

(۳)

از

(جناب مولوی طفیل الدین صاحب اساتذہ دارالعلوم معینہ ساکن)

حضرت برادرؒ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فطامیں سورۃ
"والنہین والزلزلیہ" پڑھتے ہوئے سنا ہے، میں نے آپ سے بڑھ کر اور کسی کو خوش آواز
نہیں دیکھا۔

یہ ساری تفصیل آپ کے سامنے ہے، اس کاوش کا مقصد یہ ہے کہ تحقیق صلوة کا
جو مطلب آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں وہ کس قدر غلط ہے، ان مذکورہ بالا حدیثوں سے ظاہر
ہے، اسحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ملکی نماز کا کیا مطلب ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ
کا بیان ہے کہ آپ ہم کو ملکی نماز کا حکم فرماتے تھے، اور جب انھوں نے علی مثال بیان کی تو یہ
کہ آپ سورۃ صافات کے ساتھ امانت فرماتے تھے۔

قرات تہیں | یہ تو ہر نماز میں آیتوں کی تعداد کے اندازہ لگانے کے لئے نقل کیا گیا ہے، علاوہ انہیں
پڑھنے کا طریقہ بھی جاننا ضروری ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کا
کیا طریقہ اختیار فرما رکھا تھا اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن کا یہ فرمان سامنے رکھنا چاہئے
وَرَبِّكَ الْقَهَّانَ تَزِيلًا (رحم ۱)

جس کا مشاویہ ہے کہ آپ کو تہنیل اور ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنے کا حکم تھا، جس کی
آپ مجددی پیروی فرماتے تھے، تہنیز پڑھنے کا بھی آپ کا معمول معلوم نہیں ہوتا ہے جس
نے مشکوٰۃ عن البخاری، المسلم باب القراءۃ مشکوٰۃ عن النسائی باب ما علی الامام۔

سے قرآن پاک کے کلمات پورے طور پر ادا نہ ہو سکیں یا سننے والا اچھی طرح کلمات سمجھ نہ سکے
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

کلن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہ و تہ فرماتے
تھے تو ایک ایک آیت علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھتے
تھے، بسم اللہ الرحمن الرحیم، پھر الحمد للہ رب العالمین
بسم اللہ الرحمن الرحیم، و ایک آیت کو دوسری میں نہیں
(قیام اللیل محدثین نصر الروزی باب الترتیل
طائے تھے)

فی القراءۃ ص ۵۴

حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، تو دیکھا آپ
کی قرأت اعتدال کے ساتھ تھی، نہ پست تھی نہ بلند، رک رک کر پڑھتے اور ترتیل کا پورا لحاظ
فرماتے تھے۔

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھتے تھے
کوئی سورۃ جب آپ پڑھتے تو ترتیل کے ساتھ پڑھتے، جس سے سورۃ لمبی سے لمبی معلوم ہوتی
حضرت ام سلمہ سے ایک روایت میں ہے کہ ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھتے تھے
صحابہ کرام کا معمول ان حدیثوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے
کہ آپ کے پڑھنے کا کیا دستور تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بھی مقدار قرآن اور ترتیل میں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی جیسا رہا اس لیے کہ یہ حضرات سر پر اسوۂ و عشق تھے، جیسا غیب
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دفعہ صبح کی نماز میں سورۃ بقرہ پڑھ گئے آپ سے جب کہا گیا کہ آگے
تو اب ٹکنا ہی چاہتا تھا مطلب تاخیر اور لمبی سورۃ کا ذکر تھا، تو آپ نے فرمایا آفتاب سے
فائل نہ تھا آپ کی مراد یہ تھی کہ اس کا خیال و انداز بھی تھا۔

لہ قیام اللیل محدثین نصر الروزی باب الترتیل فی القراءۃ ص ۵۴
تہ کن باب الصلوۃ لابن القیم ص ۱۸

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی کچھ یہی معمول تھا کہ آپ کے متعلق آیا ہے کہ آپ فجر کی نماز میں سورہ نمل، یوسف، ہود، یونس، بنی اسرائیل اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علقمہ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے آپ قرآن میں ترتیل فرماتے اور صاف صاف تلاوت کرتے، اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ وہ آخری رات کی نماز میں جب قرات کرتے تو ایک ایک حرف علیحدہ کر کے پڑھتے حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں قرآن تیز تیز نہ پڑھو جیسا شعر پڑھا جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آیت ذرآل انفران تزییل کی تفسیر فرماتے ہیں ”یتنہ بتینا“ خوب صاف صاف پڑھو۔
 مروج کا لحاظ اس تفصیل کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہمیشہ لمبی ہی قرات کی جائے ضرورت اور مجبوری ہو تو اسے سبب پشت ڈال دیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ اطمینان کے وقت یہی سنت طریقہ معمول ہونا چاہئے۔ یوں ضرورت و مجبوری یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے قرات میں کمی کی جاسکتی ہے خود ذاتِ بابرکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں مودتین تک پڑھنا ثابت ہے حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں میں آپ کی اونٹنی کی تکمیل تھا کہ آپ نے مودتین کی غنیمت دلائی اور اہمیت بتائی اور پھر انھیں تعلیم فرمایا، پھر مجھے خوش کرنے کے لئے ان ہی سورتوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھائی اور فارغ ہونے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا
 یا عقبہ کیف سرأیت (شکوۃ باب القراءۃ) اے عقبہ تو نے کیا پایا۔

تعبیل ارکان | ان چیزوں کے ساتھ تعدیل ارکان بھی ضروری ہے، یعنی رکوع، سجود اور قیام و قعود باطمینان ادا کیے جائیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اس قدر اطمینان سے کھڑے رہتے کہ ہم کھینچا ہوتا کہ آپ بھول گئے اور پھر آپ سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ ہم کہتے تھے کہ شاید آپ کو وہیم تو نہیں ہو گیا۔

کتاب الصلوۃ لابن قیم رحمہ اللہ ان سب روایتوں کے لئے دیکھتے قیام الخلیل باب المرتیل فی القراءۃ ص ۱۷۷

حضرت برادر سے روایت ہے کہ آپ کا رکوع، سجدہ، دو رکعت سجدوں کے درمیان بیٹھا اور رکوع سے اٹھنا یہ سب تقریباً برابر ہوتا، سوائے قیام کے؛

حضرت السن کو کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے زیادہ مشابہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی نماز دیکھی گئی اور ان کی تسبیحات رکوع و سجود کا انداز دس دس تھا ایک دفعہ حضرت السنؓ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھ کر لوگوں کو بتائی جس کو حضرت ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ دسویں نماز کم کو پڑھتے نہیں دیکھتا ہوں۔ وہ (السنؓ) رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے کہ کہنے والا کہہ اٹھتا کہ وہ بھول گئے تھے پہلے سجدہ سے سر اٹھانے اور بیٹھنے تو کہنے والا کہہ اٹھتا کہ قیادہ آگے بھول گئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

اسروا الناس سرقة الذی یسرق لوگوں میں بدترین چور وہ شخص ہے جو اپنی نماز من صلوٰتہ قالو یا رسول اللہ و کیف میں چوری کرتا ہے مجاہد نے پوچھا نماز کی چوری کیا؟ یسرق من صلوٰتہ قال لا یمزم رکوعھا ولا یسجد ھارون احمد (مشکوٰۃ باب الرکوع) کے سجدے پورے طور پر ادا نہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض امام تعدیل ارکان کو ذوق تک کہتے ہیں، اور وجوب کا دوسرا دینا تو وہ معلوم ہوتا ہے لہذا یہ تمام حدیثیں سامنے رکھی جاتیں اور تخفیف صلوٰۃ دلیکی نماز کا مطلب سمجھیں، مفتدی کے ساتھ ارکان نماز اور حقوق نماز کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ امام کی ذمہ داری بہت اہم اور نازک ہے اور امام کو جو فرائض کہا گیا ہے اس سے اس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں پورا اتر سکے۔

یعنی اصل میں منہج نشان عبادت کے ظاہری احکام کی بجا آوری کی تاکید کا یہ عالم ہے یا شبہ اس کے اپنی احکام کی اہمیت تو اندھی زیادہ ہوگی کیونکہ اگر ظاہر کو اعضا و جوارح کی حیثیت

نہ مشکوٰۃ باب الرکوع نہ مشکوٰۃ من لم یلحق واوذب الرکوع نہ کتاب الصلوٰۃ لابن القیم

حاصل ہے تو اطمینان کو قلب کی، پھر اگر قلب ہی میں فساد پیدا ہو جائے، تو اعضاء و جوارح کب تک کارآمد رہ سکتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

اَلَا اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضَغَةً اِذَا صَلَحَتْ
سُجُودٌ فِيْهَا اَبْكَ وَتَهْتَزُّ اَبْكَ
صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ
الْجَسَدُ كُلُّهُ اِلَّا وَجْهَ الْقَلْبِ (بخاری)

سارے جسم کو صالح رکھتی ہے اور اس کا فساد
کل جسم کو بگاڑ دیتا ہے اور سنو وہ "دل" ہے
اس دل پر احسان کی پوری کیفیت طاری ہونی چاہئے، جو جسم کا سلطان ہے، ننانکی حالت
میں مسجد کی جماعت یہ محسوس کرے، کہ ہم رب العزت کے دہلیز میں اس کے در بدر کھڑے ہیں،
اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے، اعمال و افعال کو بھی اور دل کی ہر ایک کھٹک کو بھی۔

اِنَّ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْتَ تَعْبُدُ نَافِلًا لَمْ
يَكُنْ تَعْبُدُ نَافِلًا يٰۤاَهْلَ الْاِيْمَانِ (بخاری)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو اس احساس کے
ساتھ کہ اس کو دیکھ رہے ہو ورنہ تو بہر حال
دیکھ رہا ہے۔

نازی کے دل میں جب یہ یقین جاگزیں ہو جائیگا، تو وہ اللہ اکبر کہتے ہی اپنے کو تہجد و جہاد
اور غنودہ و رحیم مالک کے در بدر پائے گا، اور اس کی عظمت و جلال اور اس کی رحیمی و کریمی کا بہرہ
اپنی طرف بڑھنے دیکھے گا، جس سے نازی کا ظاہر و باطن اطاعت کا محبسہ بن جائیگا اور دل نورانی
کرنوں سے چمک اُٹھے گا۔

خشوع و خضوع اسی کیفیت کا نام اصطلاح میں "خشوع و خضوع" ہے جو عبادت کی جان
اور زندگی کی روح ہے، ارشادِ باری ہے

كُلُّكُمْ لَنَا رَاٰىۤ اَوْ بَظُنُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوْنَ
اِنَّ سُلٰمٰتِہُمۡ حَاشِعُوۡنَ (مومن-۱)

ان مسلمانوں نے یقیناً غلامی، جو اپنی نازی میں
خشوع کرنے والے ہیں

یہ آیت بتاتی ہے، کہ خشوع گو محنت نمانی کی شرط نہیں مگر قبولیت کی شرط تو بہر حال ہے چنانچہ
بعض مفسرین نے اس کو لکھا ہے،

تہ بیان القرآن جلد ۷ ص ۵۷

خشوع کی حقیقت کیا ہے؟ ابن رجب حنفی لکھتے ہیں

اصل الخشوع هو لبس القلب وقلته
و مسكونه و خضوعه و حرقة فاذا خضع
القلب متجه جميع الجوارح والاحصاء
لا تهاثا بعبادته (الخشوع في الصلاة ص ۱۳)

خشوع کی اصلیت دل کا نرم ہونا اور اس کا سبوتا
ہے، نیز اس کے اطمینان اور جھکاؤ اور سوزش
کا نام ہے، قلب جب جھک پڑتا ہے تو سارے
اعضاء و جوارح اس کی پیروی میں جھک پڑتے

ہیں کیونکہ یہ سب اس کے تابع ہیں

یہ بالکل صحیح ہے کہ اعضاء و جوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں، گویا اس جسم کی دیہاتیں
دل کو سردار کی حیثیت حاصل ہے جس کے صلاح و فساد کا اثر لقیہ حصوں کو قبول کرنا ناگزیر ہے
اور جس کی ہر حرکت و سکون کا سایہ ایک ایک عضو پر پڑتا ہے تا اس ضروری، جیسا کہ اہل ادب و عبادت
نبوی گذری، یہ بات بھی اپنی جگہ درست ہے کہ خشوع کا پہلا پرتو قلب پر پڑتا ہے جس کی طرف
حضرت علیؑ نے اشارہ فرمایا

الخشوع خشوع القلب (ابن کثیر ص ۱۳) خشوع دل کا جھک پڑنا ہے۔

پھر یہ اثر دل سے اعضاء و جوارح پر پھیل پڑتا ہے، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں
کہ خشوع دل میں پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے آنکھیں پست ہو جاتی ہیں اور دل جھکاؤ کو قبول
کرتا ہے اسی علت کے پیش نظر بعض سلف صالحین فرماتے ہیں جس نمازی کو دیکھو کہ وہ اپنے
جسم اور کپڑوں سے کھین رہا ہے سمجھ لو اس کا دل خشوع کے اثر سے بیگانہ ہے۔

خشوع کا حصول نماز میں خشوع کیوں کر حاصل ہوتا ہے؟ یہ سوال گو اس زمانہ میں اہم ہے مگر جن
لوگوں کو ایمان کی علامت نصیب تھی ان کے لئے یہ سوال کوئی خاص سوال نہ تھا ایمان کے
صنعت و مضمحل اور اخلاص و للہیت کے فقدان نے ہمارے لئے دشواری پیدا کر دی ہے
وہ نہ ہم جس ظاہری اہتمام کے ساتھ مسجد تک پہنچے ہیں اتنا بھی اہتمام باطن کا ہوتا تو بھی بسا اہمیت

ابن کثیر ص ۱۳ کہ الخشوع في الصلاة

ایمان کی تازگی اور اس احساس کے ساتھ طاعری ہو، کہ دربارِ الہی میں جہاں رب العالمین جلوہ افروز ہے کھڑے ہیں، یہ دستِ یسکی اسی کے سامنے ہے ہم اس کے جاہ و حلال کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور وہ ہمارے قیام و قراۃ کو ملاحظہ کر رہا ہے، ظاہر کو بھی دیکھتا ہے اور باطن کو بھی اور اللہ اکبر کہہ کر ہم نے تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے رشتوں کی رگ کاٹ ڈالی ہے اور اپنا رشتہ مالکِ حقیقی کے ہاتھ میں دے دیا ہے اس کی عظمت اور کبریائی سامنے ہے اور ہم اس میں گم ہیں یہ یقین دل کی بھٹی کو تیز کر دے گا، آؤ نشوں، رنگوں اور سیلوں کو فاکسٹر بنا کر کندن بنا دیگا اور رَبِّ الْعَالَمِینَ، الرحمن الرحیم، مالکِ یوم الدین کے جلوں کے ساتھ دل اتھاہ سمندر میں ڈوب جائے گا۔ اور اھذا الصراط المستقیم پر پہنچ کر دل اور اس کا پورا حلقہ امید و بیم اور خشیت و محبت سے معمور ہو جائے گا اور ان کلمات کے ساتھ دل کے ساز کا تار تار جنبش میں آ جائے گا اور ناز سے جب فارغ ہو سکے گا تو اس کی زبان پر وہی کلمات ہوں گے جو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، **ثَجَّلْتُ قُرْعَةً عَنِی فِی الصَّلَاةِ**“

اس کے لئے جو مانع نظر آتے، اسے دفع کرنے کی کوشش کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، اس باب میں کسی چیز کو برداشت نہیں فرمایا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سوال پر فرمایا تھا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا۔

هو احتلاس مختلسه الشیطان وہا چک ہے جو شیطان بندہ کی ناز سے اچک
من صلاۃ العبد (بخاری) لیتا ہے۔

آپ نے ایسی چیزوں سے بھی اجتناب فرمایا ہے جس سے کسی درجہ میں خلل کا اندیشہ ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دروازہ پر ایک خرگوش بورت بار یک پردہ نکالا رکھا تھا آپ نے نماز شروع کرنا چاہی تو فرمایا مرے سامنے سے اپنا یہ منقش پردہ ہٹا لو یہ اسی طرح ایک دفعہ پوشیدار چادر میں آپ نے نماز ادا کی مگر نماز بعد اسے فوراً بھڑادی اور اس کی جگہ

نہ بخاری و مسلم کتاب الوضوء

سادہ منگوالی اور درجہ یہ بیان فرمائی کہ اس چاند نے مری تو جہاں بنا دی۔ یہ تو آپ کا اپنا حال تھا امت کو بھی اس ہدایت سے نوازا، اور ساتھ ہی ہر ایسی چیز سے اور ہر ایسے فعل سے منع فرمایا جس کو خشوع کے خلاف محسوس فرمایا مثلاً یہ کہ بھوک میں کھانا سامنے آ جائے اور طبیعت کا رجحان کھانے کی طرف ہو تو پہلے کھانا کھالیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے آسمان کی طرف دیکھا نہ جائے اور مرد ہر تکانہ جائے، جمائی کی نہ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ پاخانہ، پیشاب کی غلش کے وقت ذاعت سے پہلے نماز نہ پڑھی جائے۔

استقبال قبلہ نماز میں استقبال قبلہ کا حکم اگر ایک طرف نظام وحدت کی ایک کڑی ہے، تو دوسری اور اس کا اثر طرف اس میں خشوع و خضوع کا شرعی اہتمام ہے تاکہ دلجمعی پیدا ہو سکے اور ساری جماعت میں یکجہتی ہو، مختصر لفظوں میں کہا جاسکتا ہے، نماز میں دخول ظاہری طور پر افعال و اجرائی اور خلاف ادب کلام باللسان کو حرام کر دیتا ہے اور نماز کی نیت جو باطنی ہے وہ باطن پر اثر انداز ہوتی ہے اور دوسرے انکار کو حرام قرار دیتی ہے جو غیر اللہ سے متعلق ہو۔ یہ وہ امور ہیں جن کا اہتمام علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ اور صحابہ کرام نے اپنے اپنے دور میں خوب ہی فرمایا اور پھیلپوں کے لئے نشان راہ چھوڑ گئے۔

پہلوں کا خشوع ابو داؤد و شریف باب الوضوء بالا مام میں ایک صحابی کا ذکر آیا ہے کہ طاعت نماز میں ان کو دشمن کے جبر آ کر لگتے رہے، خون بھی نکلا مگر انہوں نے نیت نہ توڑی اور برابر نماز میں اسی طرح مصروف رہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ امت کرتے ہوئے آپ کو زخم لگایا گیا آپ کی جگہ دوسرے نے امامت کی مگر نماز میں کوئی فرق نہ پایا۔

عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا نماز میں یہ حال ہوتا کہ بے حس و حرکت سے معلوم ہونے دیکھنے والا کہتا ہے جان دھت کی کڑی ہے جن کو ہوا ہوا رہی ہے گویا ایسی محبت ان کو نماز میں جہانگیر شاہ

۱۔ مسلم باب کراہتہ صلوۃ فی قوب راہم پیش آئے یہ سب حدیثیں بوع المرام باب الخشوع میں دیکھی جاتی

۲۔ احکام القرآن لابن العربی سورہ مومنون

ابن سیرینؒ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی خشیت سے ان کے چہرہ کا خون خشک پڑ جاتا تھاؒ

حضرت مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت ہے کہ آپ جب نماز میں داخل ہوتے تو محبت و خشیت الہی کا یہ عالم ہوتا کہ کوئی بھی آہٹ آپ کو سننے میں نہیں آتی تھی

حضرت عامر بن عبد قیسؒ کے متعلق بیان ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ نماز پڑھتے ہوئے مری گردن پر خنجر چل جائے تو یہ برداشت، مگر یہ برداشت نہیں ہے کہ نماز میں دنیا کے معاملہ میں فکر کروں۔

حضرت سعید بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں دنیا کی فکر مرے دل میں پیدا ہوتی ہو۔

خوش نصیب ہیں وہ مسلمان جو اس اہتمام سے باجماعت نماز پڑھتے ہیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شعبہ میں پیروی کرتے ہیں۔ کہ آپ کا نماز میں یہی عالم ہوتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہیں اور آپ کا سینہ ہانڈی کی طرح جوش مار رہا ہے اور آہ و بکا کا ایک شور سا بپا ہے اس کی آواز عرش مطہیٰ تک اپنا اثر قائم کر رہی ہے یہ اند اس طرح کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی تفصیل یہاں مقصود نہیں ہے اور یہ سب کمبوں نہ ہو جب کہ ساری عبادت و اطاعت کی جان یہی اخلاص ہے اَلَيْسَ اَدْوَجُ وَ اَحْكَمُ عِنْدَكَ مَسْجِدٍ وَاَدْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف: ۳۰)

اس آفر کے رسوخ کے لئے ریاکاری، دکھاوا، شہرت اور عزت کے سارے بت بائش کر دے جائیں۔ جو راستہ کا پہاڑ ہے، اور گراہی کا سر چنبہ، قرآن نے بکار کر کہا

قَوْلِ الْمُصَلِّينَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِيْنَ هُمْ يُدْرِكُوْنَ وَمَتَّبِعُونَ الْمَأْثُورَاتِ

ان نادوں کو جسکی خرابی ہے جو اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں اور جو اپنی نمازوں میں ریاکاری

کرتے ہیں اور بتے کی چیزوں کو روکتے ہیں۔

کتاب الصلوٰۃ للامام احمدؒ و ابیٰ نعیمؒ و ابیٰ نعیمؒ

تبلیغ کے لئے بھیجا تھا، ان کو قرآن کریم نے رسول کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اِذْ اَنۡهٰ سَلٰمًا اِلَيْهِمۡ اٰمَنۡتَنۡ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَخُصَّۙ ذٰلِكَ بِاَنۡهٗمَا قَالُوۡۤا اِنَّا اِلَيْكُمۡ مُّرْسَلُوۡنَ جب ہم نے اُن کے پاس دو کو بھیجا تو انھوں نے دونوں کو جھوٹا بتلایا پھر تیسرے رسول سے تاکید کی تو ان تینوں نے کہا ہم تمہارے طرف رسول بن کر آتے ہیں (سورہ نحل، جنوں کی جماعت رسول اللہ معلّم سے قرآن سن کر اپنے قوم میں بھیجی گئی تو اس کو رسول کی صفت سے تعبیر کیا گیا ہے فَلَمَّا تَضَيُّ وَرَّوۡاۤ اِلٰی قَوْمِهِمۡ مُّنۡذِرًاۢ بِنِّۙ (سورہ احقان، پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس نذیر بن کر گئے۔۔۔۔۔ اسی طرح يٰۤاٰمَنۡتُمَا الْخَبۡرَۙ وَالْاِنۡسِۙ اِلٰیۤ مِّنۡ جُنۡوۡنَ کے رسول سے وہ اجنبی مراد ہیں جو اپنے وقت کے نبی سے تعلیم حاصل کر کے قوم کی تبلیغ کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔۔۔۔۔

یا نبیین دین | یا نبیوں! ثبوت اس امر کا کہ عوام میں جو جن مشہور ہیں ان کا کوئی وجود نہیں اور یہ کہ رسول کریم معلّم بوجہ جن ایمان لاتے تھے وہ انسان ہی تھے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہنم کی نسبت فرماتا ہے نَاقُتُوۡۤا النَّٰرَ الَّتِیۡۤیۙ ذُرُّوۡۤهَا النَّٰسُ وَالْجِنُّۙ (سورہ بقرہ، دو دنخ میں یا تو انسان ہونگے یا بھرتیہ وغیرہ آگ کو بھرتیہ کانے والے سامان ہوں گے، اگر جن کوئی مکلف مخلوق ہے تو یوں کہنا چاہئے تھَا ذُرُّوۡۤهَا النَّٰسُ وَالْجِنُّۙ وَالْجِنُّۙ اِلٰہِ اس دین میں بھی کوئی وزن نہیں ہے اس جگہ قرآن پاک کا مقصد کفار عرب کو عذاب جہنم سے ڈرانا ہے کہ اے منکر و بھم نے اصنام کی عبادت کو ذریعہ نجات سمجھا ہے غور کر دیتے ہیں کہاں تک نجات دلا میں گئے جب کہ یہ اپنے کو بھی جہنم سے بچانہ سکیں گے۔

یہ اس صورت میں ہے کہ ”جبارہ“ سے اصنام مراد مچوں لگرس سے عام بت مراد ہیں تو اس صورت میں آگ کی شدت اور تیزی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ جہنم کی آگ سے دنیا کی آگ کو کوئی نسبت نہیں ہے، اس کا ایذا من لکڑی نہیں بلکہ بت مراد انسان میں پہل مچ میں جہنم کی شمار بیان نہیں کی جا رہی ہے ورنہ پھر جبارہ کے ذکر کا کیا موقع تھا، بت مراد کون سا مکلف

ہے جو جہنم کے معذبین کی شمار میں بیان کیا گیا ہے ہاں جہاں جہنم کے معذبین کا شمار ہے وہاں قرآن کریم میں انسان کے ساتھ جہنم کا بھی ذکر ہے لَا تَلْمِزْنَاكَ مَجْهَنَّمٍ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ مُبْعَثُونَ (محمّدی دین) جیسا ثبوت ان مومن جنوں کے انسان ہونے کا یہ ہے کہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چند خصوصیتوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں ایک یہ ہے کہ میں تمام اقوام کی طرف ہذا استثنا مبعوث کیا گیا ہوں اور جو مجھ سے پہلے نبی گذرے ہیں وہ صرف اپنی قوم کے طرف مبعوث ہوئے تھے، اس حدیث کے ہونے ہونے کو نہ کہہ سکتا ہے کہ یہ جہنم کا مبعوث معلوم پر بیان لانے کوئی اور مخلوق تھی کیونکہ قرآن کریم صاف بتاتا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والوں میں سے تھے، سوال یہ ہے کہ اگر وہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھے تو ان کا موسیٰ پر ایمان لانا کس طرح ہو سکتا تھا؟

یہ استدلال بھی لکھ رہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں اِنَّمَا اَنَا نَاسٌ سَلَّمَ اِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ عامۃً وکان من قبلی انما یُرسل الی قومہ۔ اس میں ناس و انسان، کا لفظ ہے، یعنی آپ نے باعتبار امت انسانی کے اپنی خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ میں تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں اور اگلے انبیاء کی بعثت انسانوں میں سے صرف اپنے قوم کی طرف ہوتی تھی انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے طرف آپ یا پہلے نبیوں میں کوئی نبی مبعوث نہیں یا نہیں؟ اس کا اس حدیث میں کوئی ذکر ہی نہیں بنا بریں اس سے اگلے نبیوں کی انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کی نفی نہیں کر سکتے اور سورہ جہنم کے مومن جنوں کا یہودی ہونا ان کے انسان ہونے اور انسان میں سے بھی بنی اسرائیل ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی،

ساتویں دلیل اساتذہ ثبوت ان جنات کے انسان ہونے کا یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائْتِنِي سُبُوتًا ۖ اللَّهُ إِلَيْكُمْ رَجِعُكُمْ ۖ إِنِّي أَخْلَقْتُكُمْ مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتُكُمْ مِنْ نَارٍ ۚ
اگر جنات کوئی علیحدہ قوم ہیں اور ان کے لئے بھی آپ پر ایمان لانا ضروری تھا یا جائز ہی تھا تو یہ

فرمانا چاہئے تَحَايَا أَجْمَا النَّاسِ وَالْحَيُّ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلِیْکُمْ جَمِیْعًا پس جو میں آپ پر ایمان
لائے تھے وہ قرآنی تشریح کے ماتحت انسانوں ہی میں سے تھے اور اسی وجہ سے آپ پر ایمان
لانے کے مکلف تھے۔

یہ استدلال ایک اصولی غلط فہمی کا مظاہرہ ہے یہ اصول مسئلہ ہے کہ کسی چیز کا ذکر نہ
ہونا اس کے نفی کو مستلزم نہیں ہوتا، اگر کوئی کہے میری حیب میں قلم ہے تو اس جملہ کا مطلب کبھی
بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس کی حیب میں قلم کے علاوہ کوئی دوسری چیز موجود ہی نہیں ہے بلکہ قلم کے
علاوہ دوسری چیزوں کے موجود رہتے ہوئے بھی کہہ سکتا ہے کہ میری حیب میں قلم ہے اسی طرح
بنی اکرم صلعم کا انسان کے علاوہ جن کی طرف مبعوث ہوتے ہوئے بھی یہ فرمانا صحیح ہے کہ میں تمام
انسانوں کی طرف مبعوث ہوں اور یہ جملہ سرگز اس کو مقتضی نہیں ہے کہ آپ انسان کے علاوہ
کسی دوسری جماعت کی طرف مبعوث نہیں ہیں، ورنہ پھر یہ دعویٰ کرنا صحیح ہو جائے گا کہ آپ
صرف قوم عرب کی طرف مبعوث ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری قوم کی طرف مبعوث ہی نہیں
ہیں کیونکہ سورہ حجہ میں ہے هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ، اس جملہ غیر عرب
کو رسالت میں شامل نہیں کیا گیا اگر آپ امین قوم عرب کے علاوہ دوسرے انسانوں کی طرف
بھی مبعوث ہیں تو یوں فرمانا چاہئے تَحَايَا الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمَمِیْنَ وَغَیْرِ الْاُمَمِیْنَ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ، آیت یا ایھا الناس اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلِیْکُمْ جَمِیْعًا میں جو عام انسانوں کا ذکر ہے
تو اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ حسب تشریح قرآنی (یعنی آیت سورہ حجہ)، ناس سے صرف قوم
عرب مراد ہے اور الناس پر الف لام عہد داخل ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے قوم
عرب! میں تمام اقوام عرب اور تمام قبائل عرب کی طرف مبعوث ہوں ————— لیجئے اب
کیا ہے حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت تو عرب کے لئے مخصوص ہو گئی، ختم نبوت کا
مسئلہ ہی دہم برہم ہو گیا۔

اس کے بعد مرزا صاحب اس طرح لب کشائی کرتے ہیں

ایک اور آیت اس مضمون کے بارہ میں اس سے بھی واضح ہے اور وہ سورہ سہاکی
آیت وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ كَافَّةً ہے جس کے اصل معنی جمع کرنے اور
مکمل کرنے کے ہیں، پس آیت کے معنی یہ ہوتے کہ اسے محمد صلعم ہم نے تجھے صرف اس لئے مبعوث
کیا ہے کہ تو انسانوں کو جمع کرے اور کسی انسان کو اپنی تبلیغ سے باہر رہنے نہ دے۔ اب بے شک
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تجھے صرف انسانوں کو جمع کرنے کے لئے بھیجا ہے اور بعض لوگ خیال کر
ہیں کہ انسانوں کے سوا کوئی اور بھی مخلوق ہے، اور وہ بھی محمد صلعم پر ایمان لانے کی تکلف ہے انہو
مرزا صاحب کی اس دلیل کی اصل یہ ہے کہ نفی کے بعد استثناء قصر کا فائدہ دیتا ہے، یعنی
مستثنیٰ کے لئے حکم مخصوص ہوتا ہے اور اس کے ماسوا سے حکم کی نفی ہوتی ہے پس اس آیت
کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ مستثنیٰ یعنی انسان کے لئے حضرت محمد صلعم کی رسالت مخصوص ہے اور انسان
کے علاوہ دوسری مخلوق سے آپ کی رسالت کی نفی ہے پس انسان کے سوا کوئی مخلوق بھی حضرت
رسول اللہ صلعم پر ایمان لانے کی تکلف نہیں،

مرزا صاحب کی یہ دلیل بھی نادانیت کی بناء پر ہے فقر کی تین قسمیں ہیں۔ قصر افراد، قصر قلب
فقر تعبیر۔ قصر افراد میں شکم کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف مستثنیٰ کے لئے ثابت ہے
مستثنیٰ کے علاوہ دوسرے افراد اس حکم میں شریک نہیں ہیں مثلاً جب کسی کا یہ خیال ہو کہ بکر کو
مانسے میں زید و عمرو دونوں شریک ہیں، اور اس خیال کی تردید کی جائے اور کہا جائے ما حاضر اب
الا زید یہ قصر افراد ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ صرف زید مانسے والا ہے، عمر اس میں شریک نہیں
ہے، قصر قلب میں شکم کا مقصود صرف مستثنیٰ کے عکس کی تردید ہوتی ہے، مثلاً جب کسی کا خیال
ہو کہ زید بیٹھا ہوا ہے اور اس خیال کی تردید میں کہا جائے ما زید الا قائم یہ قصر قلب ہے
اس کا مفہوم یہ ہے کہ زید کھڑا ہے بیٹھا ہوا نہیں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ قیام کے علاوہ کسی
دوسری صفت کے ساتھ متصف ہی نہیں کیونکہ قیام کے علاوہ کتابت عدم کتابت علم و جہل
وغیرہ میں سے کسی صفت کے ساتھ فرد ہی متصف ہوگا، قصر تعبیر کی صورت یہ ہوتی ہے

کہ خلقِ مخاطب کو یہ شک ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا نذیر ہے یا عمر، تو اس وقت حکم کا یہ کہنا کہ ما کتاب الا زید یہ تصریحیں ہے چونکہ اس قصر کے ذریعہ کتاب کی تعیین ہو گئی ہے کہ زید ہے عمر نہیں ہے یہ قصر کی غن قسمیں ہوتیں، اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس مقام میں قصر کی کون قسم ہے؟ یہاں تصرافِ زاد نہیں، کیونکہ اگر باری عز اسمہ کا اس قصر سے یہ مقصد ہے کہ آپ کی دُعا و رسالت میں انسان کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق شریک نہیں ہے، تو یہاں کا کافہ کا لفظ ہم اہلِ ادب بے معنی ہو جاتا ہے بلکہ یہ مقصد دماغِ انسان کے لئے اس سے حاصل ہو جاتا ہے یعنی آپ کو صرف انسانوں کے لئے بھیجا ہے، انسانوں کے علاوہ کسی دوسری مخلوق کے طرف مبعوث نہیں ہیں قرآن کریم کا ایک لفظ اور ایک نقطہ بھی ہم نہیں لہذا تصرافِ زاد نہیں ہو سکتا۔ اور تصریحیں بھی نہیں کیونکہ اگر انسان اور دوسری مخلوق کے درمیان آپ کی رسالت کو متعین کرنا ہے کہ آپ کی رسالت کے لئے صرف انسان ہی متعین ہے تو اس صورت میں بھی کافہ کا لفظ ہم لے لہذا اب متعین ہو گیا کہ قصرِ قلب ہے، یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء کی طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی خاص جماعت اور گروہ کے ساتھ مخصوص ہوگی اور عام انسان آپ کی دعوت میں شامل نہیں اس آیت میں اسی شبہ کی تردید ہے کہ آپ کی رسالت تمام ہی انسانوں کے لئے ہے صرف بعض انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں اس سے انسان کے علاوہ کسی دوسری مخلوق سے آپ کی رسالت کے تردید پر دلالت نہیں ہوگی کیونکہ قصرِ قلب کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ اس میں صرف مستثنیٰ کے ضد کی نفی ہوتی ہے اس کے علاوہ دیگر امور کے نفی پر دلالت نہیں کرتا یہاں مستثنیٰ جمیع انسان ہے اس کا عکس بعض انسان ہوگا لہذا یہ آیت صرف بعض انسانوں کے اندر آپ کی نبوت مخصوص ہونے کی تردید ہوگی اور دوسری مخلوقات کی نفی اس کا مفہوم نہیں ہے لہذا اس آیت کریمہ کو اس ثبوت میں پیش کرنا کہ انسان کے علاوہ کوئی دوسری مکلف جماعت نہیں سراسر جہل ہے اور زبانِ عربی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

مرزا صاحب نے قرآن و احادیث سے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ انسان کے علاوہ جن کوئی

اور مخلوق نہیں جو سات دہلیس پیش کیں ان کی حقیقت واضح ہو گئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ ان کے دماغی جدوجہد کا قلم منہدم ہو کر رہ گیا ہے اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تاویل میں جو جن وانس کے دو مخلوق ہونے پر نص مرتج ہے مسور کن تخریف پیش کی ہے لیکن قرآن میں تخریف یہ ممکن نہیں یہ وہ جادو ہے کہ سر پر چڑھ کر بولتا ہے قرآن کریم کی تخریف میں دلچسپ سے دلچسپ انداز بیان بھی کیوں نہ اختیار کیا جائے اس کی تردید کے لئے وہ کسی غیر کا محتاج نہیں بلکہ خود ہی اس کے ظلم کو نوڈ کر پھینک دیتا ہے کیونکہ دیکھو جوہ اعجاز کے علاوہ قرآن مجید کا ایک اعجاز یہ بھی ہے جو ارباب بصیرت سے مخفی نہیں، یعنی اناللہ لہما نظون کی صداقت اب آیت مرزا صاحب کی ذہنی الجھٹلاؤں سے محفوظ رہتی ہے

والجان خلقته من قبل من ناس السموم یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جن کی خلقت انسان سے جدا ہے اور یہ کہ جن کی پیدائش انسان سے قبل ہے اور اس کا مادہ آگ سے ہے اور انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اس سے ثابت ہوا کہ جن وانس دو الگ الگ مخلوق ہیں۔ اس کے متعلق مرزا صاحب کی تخریف یہ ہے کہ جن کو آگ سے پیدا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی طبیعت میں اشتعال و ترقی ہے اور ”انسان کو مٹی سے بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں انقیاد و اطاعت ہے، عربی کا یہ عام مادہ ہے کہ جو شے کسی کی طبیعت میں داخل ہو اس کو خلقت سے تعبیر کیا جاتا ہے، پس جن انسان سے کوئی الگ مخلوق نہ ہو بلکہ انسان ہی کے وہ افراد جو نمرد و سرکش اور باغی نظام میں جن کے نام سے موسوم ہیں۔

یہ ہے ہمارے مرزا صاحب کی دماغی جدت لیکن یہ کلام الہی ہے اس میں محض دماغی جدت طرازیوں سے کام نہیں جتنا مرزا صاحب کی یہ تفسیر قرآن کریم کے سیاق و سباق کے منافی ہے قرآن مجید میں جن مقامات میں تخلیق آدم کا ذکر ہے اس سے پہلے حشر کا بھی ذکر ہے، قطعی طور پر یہ روش صاف بتاتی ہے کہ تخلیق آدم کو حشر کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے کہ بعد الموت ہجرت و بارزہ نہ کرنا کوئی قیہ کی بات نہیں کیونکہ جب باری تعالیٰ نے پہلی مرتبہ انسان کو جو عدم محض تھا

سے پیدا کیا تو پھر دوبارہ پیدا کرنے میں کوئی سی دشواری ہے غلام یہ کہ تخلیق آدم کو حشر کی دلیل میں پیش کیا گیا ہے لہذا لازمی طریقہ پر یہ ان کی تخلیق جسمانی کا ذکر ہے نہ کہ ان کی حادث و قدرت کا بیان۔ اور اسی ان کا مادہ جسمانی ہے اور اسی کے مقابلہ میں دلجان خلقہ من نبل من عالم اسفل ہے بنا بریں متعین ہو گیا کہ یہاں جن کی آگ سے تخلیق جسدی ہی کا بیان ہے نہ کہ ان کی طبیعت و حادث کا تذکرہ

دوسرے یہ کہ مرزا صاحب کی اس تفسیر سے صاحب کلام کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اور یہ توجیہ الکلام بالایرقتی بہ قائل ہے اٹیس سے جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کی گئی تو وہ کہتا ہے انا خیر منہ خلقتنی من ناس و خلقتہ من طین یہاں اس نے نوعیت تخلیق کو اپنی افضلیت ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے اب اگر خلقت ناس سے نرود سرکشی اور خلقت طین سے انقیاد و اطاعت مراد لی جائے تو پھر یہ افضلیت کی دلیل نہ ہوگی بلکہ اپنی طرف سے رذالت و حقارت کا اقرار ہو گا کیونکہ نرود سرکشی اور باغی نظام ہونا کوئی خوبی کی بات نہیں بلکہ ناہنجہ شرافت کے لئے بدنام داغ ہے اس طرح آپ کی اس خود ساختہ تفسیر سے کلام کا حقیقی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

سلسلۂ تالیخ ملت

بنی عربیہ مسلمہ

تالیخ ملت کا حصہ اول جس میں متسطورہ عربی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سوریہ کائنات مسلمہ کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جبکہ پیشینہ جس میں اخلاق سوریہ کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے شہرہ شاعر جناب مایہ نقادری کا سلام بہ منگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اس میں داخل ہونے کے واسطے کتب و قیمت پر مجلد پر تیرہ حصص، خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے، خلافت بنی عباس ہے۔

وزیر مامون احمد بن یوسف

(۲)
از

(ڈاکٹر خورشید احمد فاروق ایم اے بی ایچ ڈی)

صولی نے لکھا ہے کہ کبھی جب سرکاری کام سے بیرون بغداد جاتا تو یوسف اس کی نیا کرتا تھا۔ سرکاری احکام نویسی، توثیق، جوڈیریا، خلیفہ کی مخصوص ذمہ داری تھی وہ انجام دیتا اور دفتار کی نگرانی اعلیٰ درجہ والوں کی ہاگ ڈور اس کے ہاتھ میں رہتی اور وہ ابن الازمہ تاریخ اسلام میں پہلی بار مہدی کے منصب پر ابجد کئے تھے انکا مقصد ہر شعبہ کی الگ الگ نگرانی تھا یہی دیوبند التوثیق کی طرح خلیفہ یا اس کے وزیر کے زیر نظر ہونے تھے

صولی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے یوسف کی دفتری سیرت پر روشنی پڑتی ہے کبھی کے ملازم جب عیوضیوں پر سرکاری مہر لگا کر عیوضیوں کے پاس لاتے تو ان سے انجام وصول کرتے تھے۔ یوسف کو اس کا علم ہوا تو اس نے کبھی سے شکایت کی۔ کبھی نے ہر لاکھم یوسف کی نگرانی میں دے دیا، پھر کسی سے کچھ وصول نہیں کیا گیا

یوسف کی مالی حالت زیادہ اچھی نہ تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ بحیثیت سکرٹری اس کی تنخواہ اس کی ضروریات کے لئے کافی تھی اس کے اسباب دوسرے تھے، حکومت کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ محل و باراندان دونوں سے متعلق رکھنے والوں کے قبضہ میں آ جاتا تھا اور یہ لوگ بھول کر ان کو راجدیش دیتے تھے، روپیہ مفت آتا اس لئے میددی سے خرچ بھی ہوتا جنیوں کے زرع بڑھ گئے تھے کنیزوں کے رکھنے کا رواج عام تھا بڑے بڑے جرم ہوتے تھے جن میں کئی گنا آؤ عیوضیوں کے علاوہ متعدد کنیزیں نفس پرستی کے لئے ہوتیں ان کی خرید و داشت بڑھتی رہتی خرچ آتا کنبے بڑے بڑے ہوتے تھے۔ لباس، گہرا دکھاہی ٹھٹھا باٹ پر بھی

بہت زبردیا جلتا تھا اور بغیر خوش پوش، خوش گھردہ پر مشکوہ بے سرکاری ماحول میں منزلت کا حصول ممکن نہ تھا۔ پھر مدح سرائی کر کے انعام وصول کرنے والے شعراء کے حائفے چھوٹے ہوتے تھے ان کو مطمئن یا دوسرے الفاظ میں روپے سے ان کی ترغیب دینا یا ان کی خوفناک ہجو کا مزہ بند کرنا وقت کا ایک اہم اقتصادی مسئلہ تھا اس قسم کے مالی مواخذوں سے صرف وہ لوگ عہدہ برآ ہوتے جن کو قرب سلطانی کی وجہ سے یا تو لگی ہندھی بڑی بڑی رقبیں عتیں یا بڑی بڑی جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ جیسے خاندان عباس و علی کے موزا و اذابا شاہوں، ندیموں اور گورنروں، یا آجائز طریقوں سے سرکاری عہدوں کے بل بوتے پر روپیہ حاصل کرتے ہوئے کو نہ تو خلیفہ سے خاندانی قربت تھی نہ خلیفہ کے ندیموں، گوہوں، شعراء وغیرہ میں شک و کھن کی روپے کی اس کو آسانی ہوتی اور نہ اس قدر ناخدا اس تھا کہ ناجائز طریقے اختیار کرنا کلمہ سمجھی کی نگرانی میں بغداد کے دفتار کے عمال کے ایسا سے طریقے استعمال کرنا آسان بھی نہ تھا۔

نتیجہ یہ تھا کہ اس کی خواہ اس شان و شوکت اور نفس پرستی کے معیار کے لئے کافی نہ تھی جس سے اس کا ماحول بھرا ہوا تھا اصولی نے کسی موقعوں کا ذکر کیا ہے جب یوسف نے اپنی ضرورت سمجھی یا فضل کے سامنے پیش کی تھیں۔ ایک بار تو خود احمد کی شادی کا معاملہ تھا احمد کی شادی ایک غنی برکی سکرٹری (ظفر براکہ کے دفتر سے تھا) کی لڑکی سے ٹھہری تو اس کے مہر کی بلوائی کے لیے یوسف نے سمجھی سے اپنی دواہ کی خواہ (واجب الادا) کے ساتھ دواہ کی خواہ پیشگی طلب کی سمجھی نے اپنے پاس سے احمد کے مہر کی رقم اور اسی قدر بطور عطیہ دے دی اور یوسف کو بچھلے دواہ کی خواہ اور اسی قدر عطیہ کا حکم لکھ بھیجا نیز یہ کہ پیشگی خواہ دینا خلاف ضابطہ ہے اس کے خط کے آخری الفاظ یہ ہیں: اور مجھے امید نہیں کہ صبر سمجھی کا فضل سے چھوٹا لڑکا، احمد کا بار میرے ہاتھ لے اور پڑ لانا گوارا کرے گا جس طرح فضل نے قاسم (احمد کا بھائی) کا بار میرے ہاتھ لے اور پڑ لانا گوارا کیا تھا۔ غالباً خادی کے موقع پر ایک حد سے موقع پر یوسف کو مزید کی ضرورت ہوئی تو اس نے تین خرگھ کو فضل بن سمجھی کو بھیجے فضل نے تیس ہزار دہم ارسال کی

اور لکھا کہ تم زیادہ شعر کہتے تو اسی حساب سے رو پیہ بیٹا:

صوفی نے یوسف کے چیدہ چیدہ خطوط، توقیعات اور اشعار پیش کئے ہیں اس کے ایک توضیح کا نمونہ یہ ہے: "وینا کا ایک ظلم یہ ہے کہ وہ کسی کو بقصد حق نہیں دیتی۔ زیادہ دیتی ہے یا کم" اپنے لڑکے کو لکھا "اگر تمہاری سخاوت تمہارے جاننے والوں تک محدود رہی تو تمہارے گھر سے باہر نکلے گی جب رشید نے علی بن عیسیٰ بن مامان کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو علی نے غالباً دو کئی موبوں کے احاطہ کی درخواست کی رشید نے یوسف سے کہا علی کو لکھ کر خراسان کی اہمیت اور منفعت بتاؤ غالباً اس کو معلوم نہیں یوسف نے یہ الفاظ لکھے: ہم نے خراسان کا گورنر بنا کر پوری طرح تمہاری مدد کر دی ہے: خراسان جب تک تم زندہ ہو تمہاری موت کے لئے کافی ہے اپنے ایک لڑکے کو لکھا: ظلم کی محبت سے بچو عجز وہ تمہارا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو کو نکو وہ تم سے بہت مختلف ہے بھی انسان کے جسم کا کوئی حصہ سڑ جاتا ہے تو اس کو کاٹنا پڑتا ہے۔ یوسف کو ایک کینڑے غیر معتدل شینگلی ہو گئی تھی اس کو علامت کی تو اس نے کچھ شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے اس کی صورت، دلکش باتوں اور رسیوں سے لگنے نے اس کو حسین بنادیا ہے،

(۱۲) وہ رومی بادشاہ فیصلہ کے غافلان کی لڑکی ہے جس نے مصیبت کا مزہ نہیں چکھا اور تازہ وقت میں پی ڈر سی۔

(۱۳) جب سے میرے قبضہ میں آئی ہے میں اس کا غلام ہوں حالانکہ پہلے ایسا نہ تھا یوسف کے کلام میں صداقت فکر اور رفت جذبات نمایاں ہے۔

یوسف جب عرض موت میں جبلا تھا تو نبی نے اسے بلا بھیجا اس کی زبانوں حدیث دیکھا

۱۵۹۔ صوفی۔ (۱۵۹) کہ یہ نبی جاس کا نہایت قابل اعتماد ذی الفؤاد فیاض تھا کہ وہ اس نے خراسان کو اپنے واسطے خوب لوٹا کھسکا (۱۶۰) اخبار مغربی، نے شاید اسی توضیح کا نتیجہ تھا جو علی نے خراسان کو اپنی جان کا قصور کر لیا تھا ۱۶۱۔ صوفی۔ ۱۶۱۔

بجی نے کہا، تمہاری مالی حالت مجھے تمہارے مرض سے زیادہ سخت معلوم ہوتی ہے جب یوسف گھوڑا تو بجی نے چار لاکھ دس سو بھیجے اور نقد میں لکھا کہ اس وقت میرے خزانہ میں زیادہ نہیں ہے اس واقعہ کا راوی خود احمد ہے وہ کہتا ہے میرے والد کا انتقال ہوا تو ہم نے ان کی میراث میں بجی کے اس عطیہ کے علاوہ اور دوسرے نہ پایا۔

جیسا کہ دستور تھا کہ جو لوگ دفاتر میں کلرک یا سکرٹری ہوتے تھے ان کے بڑے کا نام ان کے ساتھ کلرک کی ٹرننگ حاصل کرتے تھے۔ احمد اور اس کے بھائیوں نے بھی کلرک کی تربیت یوسف کے زیر نگرانی دفاتر میں بائی ہوگی احمد کا بڑا بھائی قاسم جو حاندہ کی شاعری کے لیے مشہور ہوا احمد کی طرح سکرٹری تھا گو اس کو اتنا عروج حاصل نہ ہوا۔ احمد کی دفاتر میں تدبیر ترقی کے بارے میں مولوی یا کسی اور نے کوئی تہریج نہیں کی جس خط میں یوسف نے یوسف کو احمد کے ہر کاروبار اور دوسرے مالی عطیوں کی خوش خبری لکھ کر بھیجی تھی اس کے آخر میں یہ لفظ لکھے تھے: اور مجھے امید نہیں کہ حنفی شادی کے موقع پر احمد کا بارہم پر یا محمد پر ڈالنا گوارا کرے جس طرح فضل (بڑا بھائی جعفر کا) نے قاسم (احمد کا بڑا بھائی) کی شادی کا بار ڈالنا گوارا کیا تھا یہ تہریج اس بات کا اشارہ ہو سکتی ہے کہ احمد جعفر کے اور قاسم فضل کے دفاتر میں کسی ایسے منزاع عہدے پر تھے جہاں ان کا جعفر اور فضل سے براہ راست تعلق رہتا تھا یہاں یہ کہنا مفید ہوگا کہ جعفر اور فضل دونوں کے دفاتر الگ الگ تھے اور ان کو کسی بھی گورنر یا فوجی انسپکٹر کی حیثیت سے دور دراز مقاموں میں جانا پڑتا تھا اور ان کے ساتھ ان کے دفاتر ہوتے تھے اور جب دونوں کا قیام بغداد میں ہوتا تب بھی ان کے ذائقہ ایسے متنوع ہوتے کہ پورے پورے علاقے ان کے ماتحت رہتے تھے۔

احمد سے ہماری ملاقات خزانہ کی راہدہ عالی مرد میں فضل بن سہل و ذریہامون کے کاتب کی حیثیت سے ہوتی ہے براکت جزیانی رشید کے غضب کے طوفانی جھوکے میں تباہ ہو چکے

یوسف مولوی ۱۵۵۰ م متوفی ۲۰۲۰ م رشید نے جعفر کو سب پروردہ اور جو اس پر ہذا محتاق کیا، سہمی اور فضل کو قید کیا اور ان کی ساری دولت ضبط کر لی۔

میں بادشاہ کے بھروسے پر تھیں، رشید کاٹوس (خراسان) میں سلاطین میں انتقال ہو جاتا ہے
 امین بعد میں بادشاہ بن جاتا ہے، ۱۰۱۰ء (۶۰۱ھ) میں اس کی سرکوبی کی گئی تھی۔ امین
 باجوہ شہ کے بعد رنگ رلیوں میں پڑ جاتا ہے جیسا کہ تاجپوشی سے پہلے تھا اس کے وزیر اور
 انصاری فضل بن ربیع جس کی رشید دوانیوں کو برآمدگی کی تباہیوں بڑا دخل تھا، اپنے مفاد کی خاطر امین
 کو اپنے بعد ماموں کی خلافت منسوخ کر کے (جیسا کہ رشید نے طے کیا تھا) اپنے لڑکے کو ولی عہد
 بنانے کے لئے اکساتے ہیں اور وہ اس عہد نامہ کو جس پر بڑی سنگین قسمیں کھا کر اس نے دستخط
 کئے تھے اور جس کی شاہنہ تقدس بڑھانے کے لئے قاتل کو بھی ٹانگ دیا گیا تھا تو ردیتا ہے اور
 اپنے کس لڑکے کو ولی عہد نامہ زد کر دیتا ہے۔ امین اور ماموں میں ٹھن جاتی ہے، ماموں
 خراسان میں ہے دشمن کا ہر وقت خطرہ ہے اس کے وسائل کم ہیں امین محفوظ و مضبوط ہے
 خود ماموں کے الفاظ میں ماموں کا مخاطب فضل بن سہل ہے: جوئی کے امیر امین کے ساتھ ہیں
 بیشتر افواج اس کے حکم میں ہیں حکومت کے اکثر محصولات و خزانے اس کی گرفت میں ہیں اس
 نے افادات و اکرامات سے اہل بغداد کو مسخر کر لیا ہے اور لوگ رو پتے پیسے کے بندے ہیں
 اس کے سامنے حفظ بیعت اور پاسداری عہد کی ان کو پرواہ نہیں رہتی، بے ایمانی کے لئے
 تیار ہو جاتے ہیں ماموں ٹکڑے ہوئے ڈرتا ہے، لیکن فضل بن سہل جو ستاروں سے ماموں
 کی خلافت کی بشارت پا چکا ہے اس کو خلیفہ بنانے اور خود اس کا وزیر بننے کا غم کر لیتا ہے
 اور اس کے دل سے خوف و ہراس نکال کر عسکری اور انتظامی امور کی ذمہ داری ساری اپنے
 ہاتھ میں لے لیتا ہے پہلے تو خراسان میں امین کی دونوں جوں کو جن میں سے پہلی کے بارے میں خبر
 کے ہم عصر مصنف کی رائے ہے کہ "کثرت افواج، ظاہری شان و شوکت، تیز کام گھوڑوں اور
 ساز و سامان کے اعتبار سے بے مثال تھی شکست ہوئی ہے کام و دہان اور شہوت کے حد
 سے بڑھے ہوئے قلعے بہت جلد ان پر شکوہ فوجوں کے جوصلے سب سے بڑے کے خزانہ پر چڑھ کر
 میں باد جب شکست کی خبر آتی ہے تو امین اپنے محبوب خصی غلام کو فر کے ساتھ پھلی کے

نہ طبری (۱۰۱۰/۱۰۱۱ء)

تھکامیں ہوتا ہے اور خبر رساں سے کہتا ہے: اے جل بہت، مجھے اب تک ایک مجلس نہیں ملی
اور کوئی دوا مل چکا ہے اور جب ایک خیر اندیش اس کو عہد شکنی اور قسم توڑنے سے روکتا ہے تو
وہ قرآن و حدیث سے نظر پیکار عہد الملک کی سنت میں پناہ لیتا ہے اور کہتا ہے: عہد الملک تجھ سے
زیادہ سمجھدار اور عادل فہم شاہج اس نے کہا کہ دوسرا ایک مجلس میں نہیں رہ سکتے دوسرے
سائیکھا اشارہ عہد الملک کے حریف عمرو بن سعید بن الاشجق کی طرف ہے۔ پورا مومن کا جہل
ظاہر بنیاد پر چڑھائی گئی ہے ادباً ماہ ایک بغداد کے سیر دنی حصوں میں غارتگری ہوئی ہے اور
بغداد کے بہت سے محل، نہریں اور باغات جہاں ہوا و ہوس کے دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی برباد
ہوئے ہیں جب امین کے سامنے وسائل ختم ہو جاتے ہیں اور گرتے ہوئے اقبال کو دیکھ کر فحش
دعا دے جاتی اور دعا واریاں مترنزل ہونے لگتی ہیں اور خزانے خالی ہو جاتے ہیں تو وہ پتھر بیا
جاتا ہے اور اس کا سر کاٹ کر مومن کو جوڑ دیا جاتا ہے۔

یہ واقعہ ۱۹۸۱ء کا ہے۔ احمد سے ہماری ملاقات مرو میں ہوئی تھی۔ گمان غالب ہے کہ حضرت فضل کی تباہی کے بعد جس کا تعلق مامون کے دفتر سے ہو گیا ہو گا مامون امین کی طرح ولی عہد تھا اور خراسان کے علاقے رشید کی طرف سے اس کے زیر نگین تھے۔

جب فضل بن سہل نے امین کا سرو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بولا دعا پڑھنے لوگوں کی تنواریں اور زبانیں ہم پر کھلوادیں ہم نے امین کو قید کر کے بھیجنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے قتل کر کے بھیجا ہے۔ اس پر ماموں نے کہا جو ہونا تھا ہو گیا اب طاہر کے اس فعل کی عذرا چاہی کرنے کی تدبیر کرو۔ فضل نے شعبہ خط و کتابت کے ماہروں کو ایک ایسا خط طاہر کی طرف سے لکھنے کا حکم دیا جو امین کے استحقاقِ موت اور طاہر کے حق بجانب ہونے کی تصریح پر مشتمل ہو، بہت سے

نہ (دسمبر ۱۹۵۱ء/ ۱۶ دسمبر ۱۹۵۱ء) نے دہلی میں جبار الطول (۱۹۲۵ء) کے ساتھ ملا کر اس کا پرائیویٹ سکرٹری بن گیا۔
 بن جمیع تھا، نہ (دسمبر ۱۹۵۱ء/ ۱۰) نے (جبار الطول ۱۹۲۵ء) کے ارشاد واریب ۱۳۳۱ھ کی روایت ہے کہ احمد
 جبار طبر کے ساتھ بغداد کے محاذ پر شہداء امین کی شکست اور قتل کا خبر جو تقریباً ۱۳۳۱ھ میں اس نے لکھا تھا
 بدست زیادہ قوی شہداء کے قتل کا خبر واریب ۱۳۳۱ھ میں لکھی گئی۔

لے لیے خط لکھے گئے جو قنصل اور ماموں کو پسند نہ آئے ضرورت حوام کو مطمئن کرنے کی تھی چند نفوس
 سے ان کے زود اشتغال جذبات کا دباؤ نامقصود تھا اس ضرورت کے لئے چند پُر اثر اور جامع
 کلمے جن سے امین کا جوہر ناقابل معافی ثابت ہوتا اور کارہائے اس وقت احمد بن یوسف سے محفوظ
 رکھے گئے وہ اس میں شک نہیں کہ خلوع (یعنی امین) جو گرفتار ہونے سے کچھ دن پہلے اپنی مایوس کن
 حالت کے پیش نظر خلافت سے بھائی کے حق میں دست بردار ہو گیا تھا، نسب اور گوشت
 پوست میں امیر المومنین (مامون) کا شریک تھا لیکن چونکہ وہ دین کی مقدس گرفتار تھا اور جامع
 مسلمانوں سے باہر نکل گیا تھا اس نے خلافت دیاس عہد کے بارے میں خدا کا وہ فیصلہ تو ثبوتاً
 جو اس کے اور امیر المومنین کے درمیان ہوا تھا امین اور مامون نے رشیدی زیر نگینی اور خلافت
 کے قضاۃ وغیرہ کی شہادت سے پہلے امین اور مامون کے خلافت کا جو عہد کیا تھا اس کی طرف
 اشارہ ہے، اللہ نے نوح سے ان کے ٹکے کے بارے میں کہا تھا: "اے نوح یہ تمہارا عزیز نہیں
 ہو سکتا یہ تو نابکار آدمی ہے" اس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی معصیت میں کوئی رخصت با قرینہ دخل
 اختیار نہیں ہو سکتی اور نہ کسی رشتہ کا خدا کے حکم کے خلاف توڑنا جائز ہے میں امیر المومنین کو مطلع
 کرتا ہوں کہ خدا نے مخلوع کو ٹھکانے لگا دیا اور ان کے لئے حکومت استوار کر دی اور اپنا
 وعدہ ان کے حق میں پورا کر دکھایا اب زمین اپنے دور دراز کے سارے علاقوں سمیت امیر المومنین
 کے قدموں کے نیچے سر جھکانے کھڑی ہے میں امیر المومنین کا خدمت میں خلوع کا سرزمین دنیا اور
 چاند و چھتری اپنی آخرت میں رہا ہوں شکر اس خدا کا جس نے امیر المومنین کا حق ان کو دے دیا
 اور بد عہدی و بے وفائی کے مرتکب کو ذلیل کر کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو بھر جمع کر دیا اور
 ان کے ہاتھوں شریعت کی گرتی ہوئی عمارت کو اٹھالیا، خط دیکھ کر قنصل بھڑک گیا اور احمد
 سے بولا: "ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا" پھر اس نے اپنے منتظم دھرم لان کو بلایا
 ۱۰ عربی اور باقوت کے الفاظ میں کچھ فرق ہے، میں نے باقوت کی روایت کا اتباع کیا ہے نہ چاند و چھتری

اور چھتری کا وہی طعن تھا، اہل الذکر و ذوق آنحضرت سے دست بدست منتقل ہوئی تھی چاند و چھتری
 کا یہ لفظ جو آنحضرت نے شاعر کعب کو انعام میں دی تھی، مجمع البحش ۴/۴۴۳ نے اور شاعر ابی جہل نے

اور دواتِ قلم لے کر ایک رقعہ میں احمد کے لئے متعدد مکانات، فرش فروش، فرنیچر، سامان پوشش اور بار برداری کے جانور وغیرہ کا حکم لکھ کر رقعہ احمد کے سامنے ڈال دیا اور کہا: ”کل سے تم دوپہن، یعنی دیوانِ الراسائل میں بیٹھنا اور باقی کا تب تمہارے سامنے (بحیثیت ماتحت) پیش کیے گئے۔“

مامون خلیفہ ہو گیا خراسان اور دوسرے صوبوں میں اس کی بیعت لے لی گئی اور وہ دارالسلطنت بغداد لوٹ آیا۔ احمد حکومت کا سکرٹری اور نقاحین طرح اس کا باپ بوسخت بھی لگانا سب تھارہ فضل کا نائب ہو گیا۔

اس کے بعد احمد سے ہماری ملاقات ۲۰۵ھ میں ہوئی ہے اس سال مامون نے جنرل طاہر کو خراسان اور مشرقی صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔ جس وقت طاہر بغداد سے جانے لگا تو اس نے اپنے لڑکے محمد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا، مگر بغداد میں انہم کسی کے ساتھ رہنا ضبط نہ کرو تو احمد بن یوسف کے ساتھ کھانا کھانے کی بات آئی ہے تمہارے دل کو یہ نصیحت ایسی لگی کہ باپ کو رخصت کر کے جب لوٹا تو سیدھا احمد کے گھر گیا اور بہت دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا احمد اس کا مطلب سمجھ گیا اور اس نے لونڈی کو بلا کر کھانا لانے کا حکم دیا وہ ایک ٹبے ٹبے میں عمدہ روٹی آدھ کئی رنگ کے سالن اور شیرینی لے کر آئی اور اس کے بعد کئی قسم کی پٹنی کی چیزیں شیشہ کے عمو جگوں میں خوبصورت گلاسوں کے ساتھ اس کے سامنے رکھی گئیں۔ احمد نے کہا: سرور صاحب دامیر، جو چیز آپ پسند کریں شوق فرمائیں اور اگر کل میرے ساتھ کھانا تناول فرمائیں تو بہت ممنون ہوں گا محمد جب احمد کے پاس سے اٹھا تو وہ اس کی روٹی سوکھی تو اضع سے کبیدہ خاطر تھا اور اس کو اپنے باپ کی نصیحت پر قہر ہو رہا تھا اس نے شان لی کہ احمد کو رسوا کر کے رہے گا، چنانچہ اس نے اپنے سارے دوستوں اور شناسائی فوجی انصروں کو احمد کی دعوت میں مدعو کیا وہ سارے دن صبح کو سب مل کر احمد کی کوٹھی پہنچ گئے احمد نے چارے شاندار پیما پر انعامات کئے تھے

اور دل کھول کر اپنی فیاضی (مروت) کا مظاہرہ کیا تھا۔ جنگیوں، قالنیوں، پرہیزوں، لوٹروں اور لوٹروں کی ایسی کثرت اور رآن بان اس نے دیکھی کہ سنائے میں آگیا۔ احمد نے تین سو دستروں بھجوائے تھے جن کے ارد گرد خدمت کے لئے تین سو لونڈیاں جمع تھیں اور ہر دسترخوان پر تین سو قسم کے کھانے سونے جاندی اور چینی کے برتنوں میں چنے گئے تھے جب کھانا ختم ہوا تو محمد نے دریافت کیا: ”کیا باہر کے لوگوں نے کھانا کھالیا؟“ معلوم کیا گیا تو کوٹھی کے باہر چنے لگ گئے (محمد کے طفیلیوں میں) سب معروف طعام تھے۔ تب محمد نے حیران ہو کر کہا: ابو جعفر (احمد کی کنیت) خطاب احترام، تمہارے کل اور آج میں بڑا فرق ہے۔“ احمد نے جواب دیا: وہ میری لڑی تھی یہ میری فیاضی ہے۔“

فضل بن سہل مامون کی تحریک پر خلافت بنو عباس سے بڑی کی طرف منتقل کرنے کے جرم میں ۲۰۲ میں قتل ہوا۔ اس کی موت کے بعد وزارت اس کے بھائی حسن کے سپرد ہوئی حسن کی طبیعت پر بھائی کے قتل کا بڑا اثر تھا، اس کو ہر وقت غم رہتا کہیں بھائی کی طرح کوئی اس کا خاتمہ بھی نہ کر دے اس لئے وہ وزارت سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا تھا اس کے برخلاف مامون اس کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا اس کو عافیت و فرصت بہت کم ملتی تھی اس کا دل درباری خدمت سے اکتا گیا کچھ عرصہ بعد وہ ایک بیماری میں مبتلا ہوا اور دبا بد دفتر آنے سے معذور ہو گیا اس کی حیثیت بس مشیر کی سی رہ گئی احمد بن ابی خالد جو سہل بھائیوں کی طرح عسکری تدبیر و قابلیت میں پختا تھا اس کا جانشین ہوا اور اکثر فوجی مہموں پر جایا کرتا تھا۔ بہ تصریح فخری سنہ ۱۹۱ میں اس کا انتقال ہوا۔ مامون نے حسن بن سہل سے اس کے جانشین کے تقرر کے بارے میں مشورہ کیا۔ حسن نے احمد ایک دوسرے سکریٹری ابو عباد ثابت الرازی (رحی کا باغیخہ) کی سفارش کرتے ہوئے کہا ان سے نیا وہ امیر المؤمنین کے مزاج، طبیعت اور خدمت سے کوئی دوسرا شخص واقف نہیں ہے مامون نے کہلان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کر دیا جلتے حسن کا رجحان احمد کی طرف تھا اس نے

لے ارشاد لاوریب ۱۹۲/۱

کہا: اگر احمد خدمت کی پابندی کے لئے تیار ہو جائے اور لذت کی کچھ قربانی کو ادا کرے تو ثابت کے
 مقابل میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ مضمون نویسی میں اس کی بنیادیں بہت گہری ہیں وہ غلطی
 کا تپ ہے۔ بلاغت تحریر اور طبیعت میں وہ ثابت سے زیادہ ہے: مامون نے اس کو اپنا سرکاری
 بنالیا۔ سرکاری مراسلت اس کی نگرانی میں تھی اور سرکاری کاغذات پر احکامات اس کے قلم سے صادر
 ہوتے تھے جب وہ دارالانشاء دسکرٹریسیٹ سے کسی سرکاری کام سے غیر حاضر ہوتا تو ثابت اس
 کی نیابت کرتا تھا کہ احمد ابن ابی خالد اپنے پیش رو کی غیر حاضری میں کیا کرتا تھا
 قری نے لکھا ہے کہ ابن ابی خالد کی وفات ۲۱۰ میں ہوئی اس کے بعد احمد اس کا جانشین ہوا
 احمد کی وفات مولیٰ نے ۲۱۳ میں بتائی ہے اور باقوت نے ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں
 کی رائے میں اس کا انتقال ۲۱۴ میں ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احمد قین یا چار سال مامون کا وزیر
 احمد کی موت کا واقعہ عجیب ہے، اس سے احمد اور مامون دونوں کی سیرت پر روشنی پڑتی
 ہے ایک روز احمد مامون سے ملنے آیا تو حسب معمول مامون انگلیشی کے سامنے بیٹھا ہوا احمد وغیرہ کے
 دھوئیں کی دھوئی لے رہا تھا اس زمانہ میں عود وغیرہ بڑے لوگوں میں خوب استعمال ہوتا تھا اور شاید
 اس کا سب سے زیادہ مسرفانہ استعمال اس موقع پر ہوا جب مامون حسن بن سہل کی لڑکی پوران کو
 بیاہنے اس کی جاگیر کیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ حسن نے قریب ایک من (سہندستانی) عینہ کی پچ
 شمعیں اس کمرہ میں جلائی تھیں جس میں مامون ٹھہرا تھا اور بارات کے کھلنے پر ۲ کدو دیہیہ جلا
 اس نے انگلیشی اپنے سامنے سے ہٹوا کر جہاں نوازی اور تعظیم کے جذبہ سے احمد کے سامنے رکھوا دیا
 احمد دھوئی لینے لگا جب وہ جلا گیا تو ملازمین نے مامون سے بطور شکایت کہا کہ جب احمد کے پاس
 انگلیشی لائی گئی تو اس نے کہا: لاؤ اس مردود کو (یعنی لٹائی ہوئی کو) نہ رہے کہ اس نے لمبے وقت
 غلام سے کہا تھا کہ خوشبو کا ایسا بخل بھی کس کام کا میرے واسطے دوسری انگلیشی شگوا دی جاتی تو کیا
 ۱۰ احمد کے بارے میں قری اور مولیٰ کے علاوہ احمد کا مستند مورخ نے ذرا لفظ نہیں لکھا، باقوت، طبری وغیرہ اس
 کو بہر حال سرکاری کے خط سے یاد کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ۱۱/۱۱۱ تہ خطیب ۳۲۲،

تھا اس شکایت کا محرک اعلیٰ مامون کا بجائی اور جان شین معتمد تھا۔ ۱۳۲۷ء اس کو احمد سے
 کہہ دی اور مامون کو اس کے خلاف بغاوت کا ارتقا تھا۔ مامون کو بہت غصہ آیا حالانکہ مامون بنو عباس
 میں شاید سب سے زیادہ بردبار اور روشن دماغ خلیفہ تھا، اور احمد کی طرف سے اس کے صل
 میں غبار مچ گیا۔ شکایت سن کر اس نے اس طرح غصہ ادا جلال کا اظہار کیا: میرے بارے میں
 یہ الفاظ میں ایک دن میں ایک شخص کو ساٹھ لاکھ دینار انعام دیتا ہوں حالانکہ میرا وہ میرا چچا
 ۵ لاکھ دینار ہے۔ ۳۰ لاکھ روپے) میں نے تو اس کی تعظیم کرنا چاہی تھی۔ پھر کسی دن احمد طے آیا تو
 مامون پہلے کی طرح دھوئی لے رہا تھا۔ حجم اور کپڑوں کو بسانے کے لئے، اس نے منبر لے کر
 حکم دیا بہترین قسم کے تین تین مثال کے تین ٹکڑے لے گئے اور دوسری انگلی میں ایک ایک ٹکڑا کر احمد کے
 سامنے رکھا گیا مامون نے حکم دیا کہ جب تک منبر کے ٹکڑے طے احمد کا منہ اس کے گریبان میں بند کر دیا جائے (دھول
 احمد کی ناک کے علاوہ اور کسی طرف نہ جانے دیا جائے) چنانچہ ایسا کیا گیا مغوی دینک اس نے ضبط کیا، پھر اس کی
 سانس گھٹنے لگی، وہ چیخے گا، میں اس میں حلقہ تب گریبان کھولا گیا۔ وہ بیہوش ہو گیا اس کا دماغ جل گیا تھا، سانس
 احمد کی سیرت کے بارے میں معمولی یا کسی دوسرے مورخ نے کوئی خاص تصریح نہیں
 کی اور ایسی تصریحات نہیں ملتی ہیں کہ میں۔ اس کی مروت کا نمونہ ہم اوپر دیکھتے ہیں مروت
 ایک جامع لفظ تھا، اسلام سے پہلے اس کا تصور کافی وسیع تھا، فیاضی، بلکہ پراسرار فیاضی،
 شراب نوشی اور اس کی ترنگ میں نتائج سے بے پرواہ وادودہش، مصائب کا خندہ پیشانی
 سے مقابلہ، مصیبت زدہ لوگوں کی دست گیری، اس تصور کے نمایاں فرد خال خال تھے یہ تصور اور
 بہت سے عربی تصورات کی طرح بذریعہ خون اسلام میں منتقل ہو گیا اس میں دوسرے جاہلی تصورات
 نہ جیسے کہ اصولی سے اخذ کیا ہے، نہ فریضہ نہ بعض لوگ کہتے ہیں نہ صریح فریضہ، اگر کسی فرض پر مامون ہوا
 ہے ملاحظہ ہو گیا تھا اس قسم سے اس کا دل ٹوٹ گیا اور قبل از وقت مر گیا۔ اس کی حدت و اخلاق کے متعلق
 خطب ۱۸/۱۹ نے ایک ماحول غصہ کا یہ قول میں کا خطاب احمد ہے قتل کیا ہے میری سمجھ میں نہیں، تاکہ تمہارا
 جسم میں کوئی شے نہ بنا ہے زیادہ حسین ہے یا تمہارا اخلاق میں ہے تم نے اپنی کو شخص سے چار چاند لگا دئے ہیں

کی طرح جو فقیر زیادہ کمی زیادہ تکلیف کم یعنی اقتصادی و اخلاقی حالات کی موافقت سے باقوا دنیاؤ
 نکھر جاتا یا مفصل ہو جاتا اسلام کے بعد موتوں اور عیالوں کے درد میں چونکہ مریت کے اس
 تصور کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لئے ماحول سازگار تھا اس لئے یہ پوری آن بان کے ساتھ رہنا
 ہوا اور غالباً غشی تھا اس کی ایک شادی جس کا سولی نے ذکر کیا ہے برکی دفتور کے ایک شعی سکرٹری
 کی لڑکی سے ہوئی تھی اس کے بھائی قاسم نے اپنی شاعری میں اہل بیت کی بہت مدح سرائی کی
 تھی حقیقت یہ ہے کہ اکثر فقیر عرب لوگوں کا رجحان اہل بیت کی طرف تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ
 بالعموم حکومت کے میراث ہونے کے قائل تھے جیسا کہ ایرانی بادشاہت میں قاعدہ تھا کہ باپ
 کا مورث لڑکا ہوتا تھا اور اس تصور کے زیر اثر رسول اللہ کے خاندان سے زیادہ ان کی نظر میں
 خلافت و اقتدار کا کوئی دوسرا مستحق نہ تھا احمد کی سبک زندگی کی بدعنوانیوں کی کوئی شکایت ہم
 تک نہیں پہنچی ماس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اس کی سبک زندگی کے اندرونی پردوں تک ہم نہیں
 پہنچے دوسری بات یہ ہے کہ رشید اور مامون کے عہد میں گو کہ سیاسی نفع اور غور نہیں خوب
 ہو تھی بغداد کے مرکزی و فائز نظم و ضبط کے دائرہ سے باہر نہیں نکلے۔ سبک زندگی کی بدعنوانیوں
 سے میری مراد خاص طور پر مالی بدعنوانیاں ہیں یعنی ذاتی مفادات کے لئے حکومت اور اقتدار کا
 استعمال جیسا کہ ہولناک شکل میں کچھ دن بعد رونما ہوا اللہ اس کی ایسی بدعنوانیاں نہیں مٹی ہیں جن
 میں حسن ظاہری سے متاثر ہو کر احمدم نے بعض کاتب لڑکوں کو تر قیاں عطا کیں اور بڑے بڑے
 عیالے دے جیسا کہ ہم عنقریب دیکھیں گے۔ یہ احمد کی کوئی انفرادی خصوصیت نہ تھی، یہ ماحول کا
 نتیجہ تھا! اس ماحول میں حسن نسوانی و نیم نسوانی (خصی لڑکے)، وقت کے سب سے زیادہ طاوی
 اور شدید ترین جذباتی محرکات میں سے تھے عورتیں اور مروسا مان تجارت تھیں اور یہ تجارت
 خوب فروغ پر تھی دنیا کے اکثر ممالک اور آب و ہوا کی لڑکیاں بغداد، کوثر، بصرہ، اور دوسرے
 بڑے بازاروں میں آداب معاشرت اور موسیقی کے لذیذات سے آراستہ کہکشی جاتی تھیں اور
 حسین لڑکوں کو خصی کر کے جو ہر مردانیت سے ان کو زبردستی محروم کر کے کچھ جنسی تنوع کے لئے

کچھ خط و نظر کے لئے، کچھ زمینت خانہ کے لئے، کچھ حسن نسوانی کو ان کی وجہیت کے خط و سے بچانے کے لئے کچھ شان و شوکت کے مظاہرے کے لئے رکھا جاتا تھا اس سامان تجارت کو خریدنے اور برتنے کے لئے دولت کی افراطی، ایک معمولی شاعر ایک خوش گلو گویا ہر بے ادبی سے دس پانچ ہزار روپے بآسانی اپنی تعریف کی قیمت یا اپنی آواز کے صلہ کے طور وصول کرتا اور خلفاء و وزراء اور بڑے عہدہ داروں یا ان کے عزیز و اقارب سے جو گھر بیٹھے محض خونی تعلق کی بنا پر لاکھوں روپے ماہوار پاتے ایک اچھے شاعر اور شائستہ گوئیے لاکھ دو لاکھ وصول کر لیتا ٹہری بات نہ تھا۔ ہادی (سنہ ۱۶۵۷ء) کی بیاضی تو اس درجہ تھی کہ ابراہیم موسیٰ کے چند طریقہ اشعار سن کر اس کو اپنے وکیل کے ساتھ بیت المال میں بھجوا دیا تھا کہ جو اور جس قدر چاہے لے لے اور جب ابراہیم نے ایک لاکھ دہم و پچاس ہزار روپے کی تمغیاں پسند کیں تو وکیل نے ۳۰ لاکھ بطور رشوت لے کر، لاکھ ابراہیم کو لے جانے دئے۔ اس سے ملتی جلتی مثالیں جن میں بیلیک مالیات کو بے دریغ ہواؤ ہو اس امانیت اور ناموری کی خاطر لٹایا جاتا تھا تاریخ و ادب میں ثبت ہیں اس غیر متوازن مالدار کی اور حسن کے بے قید تمتع کا نفسیات پر اتنا گہرا اور ہمہ گیر اثر تھا کہ اس سے دینی و اخلاقی اقدار کا پروان چڑھنا تو درکنار محو نظر رہنا بھی مشکل تھا خاص طور پر جبکہ خدا رسول صحابہ اور خاندانی عمائد کی طرف سے فرض کو مبارح اور مبارح کو فرض بنانے کی ایک پوری شلخت چل اور تادیبات کی تار و پود نفس پرستی کے روح سے وجود میں آچکی ہو اس شریعت کے پیچھے خدا ترسی اور پر غلو رس و دشمنی کے بجائے نفس پرستی کے جنبے تھے۔

لے خطیب ۱۶۲۴ء و طبری ۱۶۲۶ء

(باقی آئندہ)

دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خصوصیات

از

(جناب سید محبوب صاحب رضوی کئیلہ گڑ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند)

تعلیم جس قدر سادہ اور مختصر سالفظ ہے اتنا ہی اہم اور روح کی گہرائی تک کو متاثر کرنے والا ہے، تعلیم محض نقوش، حروف، خطوط، آواز، بولیوں اور چھوٹی بڑی کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ذہنی و دماغی اور عملی تربیت کا نام ہے جس کے ذریعہ انسان کی فطری قوت و صلاحیت کو ابھار کر سنوارنا اور منظم کرنا ہے اور انسانی جذبات و حسیات کو ایک عمدہ اور اعلیٰ نصب العین کے تحت لاکر مہذب اور شائستہ بنانا ہے۔ تاکہ نوعِ انسانی کے لئے مفید اثرات و نتائج برآمد کئے جا سکیں انسان کو اس کی اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال سکھانا بہت دشوار ہے، اور جس قدر دشوار ہے اسی قدر ضروری بھی ہے، بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اگر تعلیم صرف نہ جانی ہوئی چیزوں کی واقفیت تک محدود ہو تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن اگر اسے عمل کا پابند بنا دیا جائے تو پھر اس کی دشواریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، ہر جدید علم کی قدر دنیا کی ہر قوم کرتی ہے، لیکن علم کی نسبت مسلمانوں کا جو نظریہ ہے وہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، غیر مسلم علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں قوت و عظمت حاصل کرتی دہریہ حاصل کریں لیکن مسلمانوں کے نزدیک حصولِ علم ایک فرض ہے جس کو پورا کر کے مسلمان علاوہ دنیوی مفاد کے اخروی نجات بھی حاصل کرتا ہے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلب العلم فرض ہے علیٰ کل مسلم و مسلمة یعنی ہر مسلمان مرد و عورت پر علم

حاصل کرنا فرض ہے، یہ فرضیت عمل ہی کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے اور ہر شخص پر بعد
مزدت واجب ہے،

ہر ترقی کرنے والی قوم کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس کی ترقی کا راز اس قوم کے
عوام کے تعلیم یافتہ ہونے میں مضمر ہوتا ہے، اور یہ اس وقت تک آسان نہیں جب تک تعلیم
کا مفت انتظام نہ ہو۔ صد ہا برس کے تجربہ کے بعد مسیوین صدی کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم
بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عوام کی تعلیم مفت ہونی چاہئے اور جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کیا
جائے گا تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے !

مطلوبہ تعلیم | لیکن ہمارے قدیم تعلیمی نظام میں ہمیشہ سے اسی اصول پر عمل درآمد ہوا ہے، چنانچہ
ان مدارس میں تعلیم کا بیج اختیار کیا گیا تھا اس میں تعلیمی مصارف کو طلباء کے بجائے درجہ اول
کے ذمہ رکھا گیا ہے اس تعلیمی نظام میں تعلیم پر کوئی فیس ماند نہ تھی اور نہ صرف یہ بلکہ طلباء کے
لئے زیر درس اور معلومات عامہ کے لئے کتابوں کا انتظام بھی مفت ہوتا تھا، پھر نہ صرف یہ کہ تعلیم
مفت تھی اور قیام گاہ دہریہ رنگ ہاؤس، کاکوئی گراہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ ناوار اور غریب طلباء کو
درس گاہوں کی جانب سے کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات کے لئے نقد وظائف بھی دئے جاتے تھے
اس کے علاوہ مدارس عربیہ میں حصولِ علم پر کبھی کوئی ایسی باندی بھی ماند نہیں کی گئی
جس کے ذریعہ قوم کے کچھ افراد پر تعلیم و تعلم کے دروازے بند کر دئے گئے ہوں، بلکہ ان میں
ہر وہ شخص جس کو الکتابِ علم کا کچھ بھی ذوق ہوتا بغیر کسی رکاوٹ کے علم حاصل کر سکتا تھا، عمر
اور پیشہ کی قید سے ہمارے مدارس ہمیشہ آزاد رہے ہیں اور ان میں رنگ و نسل، امیر و غریب
اور آزاد و غلام کے مابین کوئی امتیازی فرق روا نہیں رہا ہے، اس بنا پر ہر شخص کے لئے خواہ
وہ کسی نسل سے متعلق رکھتا ہو اور کتنا ہی کم مقدور کیوں نہ ہو بلا تکلف اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل
کرنے کی راہیں ہمیشہ کھلی رہی ہیں، مسلمانوں کی علمی تاریخ میں بے شمار ایسے علماء و فضلاء ہیں گے
جو اپنی طور پر مختلف ادنیٰ و اعلیٰ پیشوں سے تعلق رکھتے تھے۔

ادنی پیشوں سے تعلیم کی پابندی اٹھانا یورپ نے درحقیقت مسلمانوں ہی سے سیکھا ہے، اور جس چیز کا سہرا یورپ کے سر باندھا جا رہا ہے اگر مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ مدارس عربیہ ہی کا پرتو ہے البتہ عمر کی قید اٹھا دینے کا فلسفہ ابھی دنیا کو ان مدارس سے سیکھنا باقی ہے، اور گو ”تعلیم باغیان“ کی شکل میں اس کی داغ بیل پڑ چکی ہے تاہم حصولِ سند میں ابھی تک اس پر پابندی موجود ہے، بایں ہمہ اب وہ زمانہ نیا دوڑ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی یونیورسٹیوں سے یہ لعنت بھی اٹھا دی جائے گی،

دارالعلوم کی تعلیم | ہمارے قدیم نظامِ تعلیم کی یہی روایات دارالعلوم کا طرہ امتیاز ہیں، یہاں بھی طلباء سے تعلیمی فیس نہیں لی جاتی، مستطیع اور ضرورت مند طلباء کو دارالعلوم کی جانب سے کھانا کپڑا اور نقد وظائف دئے جاتے ہیں، کتابیں اور قیام کے لئے ہلکے پرستطیع اور غیر مستطیع طالب علم کے لئے مفت مہیا کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی تعلیم صرف دو تہندوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی ہے بلکہ غریب سے غریب شخص بھی اس کے فائدہ سے اپنے بچوں کو یورپ تعلیم سے آراستہ کر سکتا ہے اس کا فیض عام اور بقدر استعداد تام ہے۔

غنی آزادی دارالعلوم | ہندوستان میں وہ سب سے پہلی درس گاہ ہے جس نے ”آزاد طریق تعلیم“ کو پیش کیا، اور سیاسی غلامی کی فضا میں ملت کی ذہنی آزادی کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی، اگرچہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر دارالعلوم نے بعونہ تعالیٰ اس پر عمل کر کے اس مشکل کو آسان بنا دیا، دارالعلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جو بہت کم درس گاہوں میں پائی جاتی ہے،

دارالعلوم نے برطانوی حکومت کی پیش کش کے باوجود کبھی اس کی امداد قبول نہیں کی اس لئے وہ بہت سی ایسی پابندیوں سے آزاد رہا ہے جو سرکاری ”زراعات“ کے ساتھ ساتھ آزادی لازمی ہیں بعض لوگوں کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ جب حکومت دارالعلوم کو زراعت مالی امداد دینے پر آمادہ تھی تو اس کو قبول امداد میں احتراز و انکار مناسب نہ تھا، قوم خواہ کتنی ہی غنی کھائے مگر یہی وہ حکومت کی پیش قرار امداد (گرانٹ) کا مقابلہ نہیں کر سکتی، ان لوگوں کی نظر

غالباً اس امر پر نہیں گئی کہ مدارس عربیہ کو حکومت کے اثر سے اس لئے آزاد رکھنا ضروری ہے کہ حکومت خواہ مسلمانوں ہی کی کیوں نہ ہو جب تک وہ خالص اسلامی طرز کی حکومت نہ ہو اس کی سیاست بے لگ اور بے غل و غش نہیں ہو سکتی، اور مدارس عربیہ کے لئے ایسی تعلیم دیا جائے جو ہر قسم کے غیر اسلامی اثر اور خارجی عمل و فعل سے بالکل علیحدہ ہو،

آج ہماری قومی بد قسمتی سے تعلیم کا مقصد یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے کوئی اچھی اور پُر منفعت ملازمت حاصل کر کے مقبول روزی کمانی جلتے، گویا تعلیم کا مفہوم ہی مرے سے بدل ڈالا گیا ہے، اور ”علم پڑھنے علم“ کے بجائے اب صرف حصولِ معاش کے دوسرے بہت سے مذاق کی طرح یہ بھی ایک ذریعہ بن کر رہ گیا ہے مگر مجد اللہ دارالعلوم کے طلباء کے سامنے حصولِ علم کا یہ مقصد کبھی نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ جس شخص کے سامنے یہ مقصد نہ ہوگا وہ یونیورسٹی کے بجائے دارالعلوم کا رخ ہی کیوں کرے گا، جس کی سذکی قیامت حکومت کی نظر میں کھوٹے سکہ سے زائد نہیں ہے ایک مرتبہ صوبہ متحدہ کے گورنر سر جیمز سٹین نے جب کہ وہ دارالعلوم کے محتاجیہ کی غرض سے یہاں آئے تھے دو ہفتے سے دور دراز کے ایک طالب علم سے سوال کیا تھا

”اتنی دور سے تمہارے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟“

طالب علم نے بے ساختہ جواب دیا کہ

”میں یہاں اس لئے چڑھنے آیا ہوں تاکہ واپس جا کر اپنے وطن کے لوگوں کی دینی خدمت انجام دے سکوں!“

دارالعلوم کے نصابِ تعلیم سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ ”السنۃ عشریہ“ کے سرکاری امتحانات ”مولوی فاضل“ وغیرہ کے معیار سے کہیں زیادہ بلند پایہ ہے، اس لئے اگر دارالعلوم چاہتا تو حکومت سے آسانی اپنی سند کو مولوی فاضل کے مساوی تسلیم کرا سکتا تھا مگر اس نے اپنی سند کو سرکاری محکموں کی ملازمت کے لئے ”پرولانہ واپداری“ بنانے کے بجائے اس امر کو زیادہ مناسب سمجھا کہ وہ طلباء میں ایسی علمی قابلیت و نفسیت پیدا کر دے

کہ لوگ اس کے طالب علم اور اس کی سند کو دیکھتے ہی یہ باور کر لیں کہ یہ کوئی کام کی چیز ہے اور یہ شخص دین کے جس کام کو اپنے ذمہ لے گا اس کو قابلیت اور غرض اسلوبی سے انجام دے سکے گا،

کنبرا نظام تعلیم | مدارس عربیہ اور بالخصوص دارالعلوم کے نظام تعلیم میں ایک خصوصیت بڑی قیمت رکھتی ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے یونیورسٹی نظام میں ابھی تک اس کی افادیت پر توجہ نہیں کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ جماعت وار نظام تعلیم جو عام طور پر علمی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بجائے دارالعلوم میں کتاب وار نظام تعلیم اختیار کیا گیا ہے، یعنی ہمارے مدارس میں ”جماعت بندی“ دیکلاس سسٹم، نہیں ہے بلکہ طلباء کو تعلیمی لحاظ سے کتابوں پر تقسیم کیا جاتا ہے، اگر یہ بتلانا ہو کہ طالب علم تعلیمی استعداد کے لحاظ سے کس دور سے گزر رہا ہے تو جماعت کا نام لینے کے بجائے یہ کہا جائے گا کہ وہ فلاں فلاں کتاب پڑھ چکا ہے یا پڑھ رہا ہے سالانہ تعلیمی ترقی میں بھی درجات کے بجائے کتابوں ہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے، سالانہ امتحان میں اگر طالب علم ایک یا دو کتابوں میں فیل ہو جاتا ہے اور بقیہ میں پاس تو وہ کتاب میں جن میں طالب علم فیل ہوا ہے ان کتابوں کی سالانہ ترقی میں خارج نہیں ہوتیں جن میں اس نے کامیابی حاصل کر لی ہو، جن کتابوں میں طالب علم ناکام ہوتا ہے سال آئندہ میں صرف ان ہی کتابوں کا اسے اعادہ کرنا ہوتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ ایک یا دو کتاب کی ناکامی کے باعث کامیاب شدہ کتابوں کے اعادہ پر بھی مجبور کیا جائے، جیسا کہ یونیورسٹی نظام میں بالعموم ہوتا ہے، اس نظام تعلیم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس میں بہت ہی کم طلباء ایسے نکلتے ہیں جو ساری کتابوں میں ناکام ہوں اس لئے طالب علم کی نفسیات پر اس کا یہ اثر مرتب ہوتا ہے کہ اسے اپنی جزئی ناکامی کا اس شدت سے احساس نہیں ہونے پاتا جس شدت سے جماعت وار نظام کی کلی ناکامی میں ہوتا ہے، اس مانع جہاں ایک طرف یہ نکلتا ہے کہ طالب علم میں بددلی ہونے نہیں پاتی وہیں دوسری جانب اس کی مدت اور مصارف تعلیم میں بھی فی الجملہ وقت اور روپیہ کی کفایت ہو جاتی ہے۔

اس کے برخلاف جماعتوار نظام تعلیم میں اکثر پیکھا گیا ہے کہ امتحان میں نفل ہو جانے کی وجہ سے بعض طلباء میں ایسی بے رغبتی اور بددلی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ تعلیم ہی کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو امتحان کی ناکامی تھتی اور غیور طلباء میں خطرناک نتائج تک پیدا کر دینے کا باعث بن جاتی ہے، اور طالب علم اپنے آپ کو شرمندگی سے بچانے کے لئے خودکشی تک کا ارتکاب کر بیٹھا ہے،

کتاب دار تعلیمی نظام میں بالعموم ان میں سے کوئی بات پیش نہیں آتی ذیل میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۳۹ء تک دارالعلوم کے دس سال کے امتحان کے نتائج کا گوشوارہ پیش کش ہے گوشوارہ کے تعداد طلباء کے خانہ میں طلباء کی وہ تعداد درج ہے جو شروع سال میں موجود ہوتی ہے، دارالعلوم میں داخلہ سوال میں ہوتا ہے اور امتحان سن آئندہ کے شعبان میں، درمیان میں طلباء کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کے بعد کے خانہ میں جو تعداد درج کی گئی ہے وہ شعبان میں سالانہ امتحان کے زمانہ میں موجود طلباء کی ہے۔

ناکام طلباء کی تعداد میں وہ طلباء بھی شامل ہیں جو عین امتحان کے زمانہ میں بیمار ہو گئے یا امتحان کے دوران میں کسی وجہ سے غیر حاضر رہے۔ نتیجہ فی صد میں ان سب کو شامل کر لیا گیا ہے، اگر ان کو محسوب نہ کیا جائے (جیسا کہ اصولاً ضروری ہے) تو کامیابی کا معیار اور زیادہ جڑھ جائے گا!

گوشوارہ بھائی آئندہ

نتائج امتحان کا دس سالہ گوشوارہ

نمبر شمار	سن	تعداد طلباء	شریک امتحان	کامیاب	ناکام	فیصد فیصد
۱	۱۳۵۰ھ	۱۹۴۲	۱۰۰۶	۸۷۳	۱۳۳	۸۷
۲	۱۳۵۱ھ	۱۱۴۰	۱۱۳۸	۱۰۶۹	۶۹	۹۴
۳	۱۳۵۲ھ	۱۰۹۰	۱۰۰۰	۹۲۶	۷۴	۹۳
۴	۱۳۵۳ھ	۱۱۴۲	۱۰۱۳	۸۶۱	۱۵۲	۸۵
۵	۱۳۵۴ھ	۱۱۱۴	۱۰۷۶	۸۶۰	۲۱۶	۷۱
۶	۱۳۵۵ھ	۱۱۹۶	۱۰۱۴	۸۵۳	۱۶۱	۸۴
۷	۱۳۵۶ھ	۱۲۲۶	۱۰۷۶	۱۰۰۴	۷۲	۹۳
۸	۱۳۵۷ھ	۱۴۱۶	۱۲۵۵	۱۱۶۶	۸۹	۹۳
۹	۱۳۵۸ھ	۱۴۹۳	۱۱۹۸	۱۱۲۱	۷۷	۹۴
۱۰	۱۳۵۹ھ	۱۴۲۲	۱۲۳۱	۱۱۴۸	۸۳	۹۳

دس سال کے ان نتائج میں کامیابی کا عام معیار ۸۴ سے ۹۴ فیصد ہے البتہ ۱۳۵۰ھ میں ۸۷ فیصد تک گر گیا ہے اس کا خاص سبب یہ ہے کہ وہابی اراض کی کثرت کی وجہ سے بیشتر طلباء امتحان میں شرکت نہیں کر سکے۔

امتحان یہ کہنا تو آسان نہیں ہے کہ مدارس عربیہ میں امتحانات کا طریقہ عموماً مروج تھا، تاہم بعض مدارس کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں طلبہ کا سالانہ امتحان لیا جاتا تھا، چنانچہ بیجاپور کی تاریخ بستان السلاطین میں وہاں کے مدارس کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

”امتحان تاریخ سلخ ذی الحجہ می شد“

یعنی ذی الحجہ کے ختم پر طلباء کا امتحان ہوتا تھا، ایک دوسری جگہ اسی کتاب میں امتحان کے سالانہ ہونے کی بھی تصریح ہے لکھا ہے :-

”ہر سال امتحان می شد“ (بحوالہ نظام تعلیم و تربیت ص ۳۴ ج اول)

مگر قیام دارالعلوم کے قریبی زمانہ میں یہ رواج متروک ہو چکا تھا اور مدارس عربیہ میں نہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کا طریقہ جو طالب علم کی استعداد و محنت و جانفشانی کے اندازہ کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے مروج نہیں تھا طالب علم جب استاد سے ایک کتاب پڑھ چکتا تو اس سے مافوق دوسری کتاب بغیر امتحان لئے شروع کرادی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس میں طالب علم کی استعداد کے جانچنے اور پرکھنے کا کوئی موقع نہ تھا، اور بسا اوقات ناقابل طالب علم بھی ترقی کی منزل پر طے کرتا چلا جاتا تھا، دارالعلوم نے اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس طریقہ کو ختم کر کے سہ ماہی ششماہی اور سالانہ امتحان کو لازمی قرار دے دیا۔

دارالعلوم میں امتحان کے سلسلہ میں جو قواعد مروج ہیں وہ فی الجملہ یونیورسٹیوں کے امتحانات سے زیادہ سخت ہیں یونیورسٹی کے امتحان میں ایک مضمون سے متعلق متعدد سوالات ہوتے ہیں، اور ہر سوال کے نمبر متعین ہوتے ہیں، نیز طالب علم کو اس کا حق بھی ہوتا ہے کہ جواب کے لئے ان میں سے اپنی مرضی کے مطابق سوالات کا انتخاب کرے، پورے سوالات کے جوابات دینے لازمی نہیں ہوتے، لیکن دارالعلوم کے امتحان میں ہر کتاب سے متعلق ۲ سوال ہوتے ہیں اور ہر پرچہ میں تینوں کا حل کرنا اس لئے لازمی ہوتا ہے کہ تینوں کے نمبر مشترک ہوتے ہیں اگر ایک سوال بھی چھوڑ دیا جائے تو طالب علم فیل ہو جاتا ہے، کامیابی

کے نمبروں کا معیار ۸۰ فی صد رکھا گیا ہے جو یونیورسٹیوں کے ۳۳ فی صد سے کہیں زیادہ ہے البتہ اگر کسی کتاب میں اس معیار سے کم نمبر مل سکے ہو تو اس صورت میں طالب علم کو مافوق کتاب پڑھنے کی اس شرط کے ساتھ اجازت مل جاتی ہے کہ اس کتاب میں کم رساؤنڈ امتحان دے کر کامیابی حاصل کرتی ہوگی، گویا یونیورسٹی کی موجودہ اصطلاح میں اس کو کمپلائٹ سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ یونیورسٹی کے امتحان کے پریچوں میں بعض کتابوں کے گروپ بھی مقرر کر دئے جاتے ہیں مثلاً دو مضمون کی کتابیں ساتھ ساتھ ایک گروپ میں شامل کر دی جاتی ہیں اور دونوں میں مجموعی طور پر کامیابی کے نمبر حاصل کرنے ہوتے ہیں جو کم از کم ۳۳ فی صد ہونے چاہئیں، اب خواہ دونوں میں نمبر برابر ہوں یا کم و بیش، مثلاً ایک میں ۲۰ اور دوسری میں ۱۳ تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا، اس میں یہ سہولت ہے کہ طالب علم کو دونوں کتابوں میں سے اگر کسی ایک کتاب سے بھی مناسبت ہے تو دوسری میں معافی شدہ سے بھی کام نکل جاتا ہے مادری زبان میں تعلیم | دارالعلوم کی ایک اور خصوصیت جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دس و تسع کی زبان اردو قرار دی گئی ہے جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، گنا میں عربی زبان میں ہیں، مگر اساتذہ کی تقریریں اردو میں ہوتی ہیں علوم و فنون کی تعلیم میں مادری زبان کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو یونیورسٹی کے نظام تعلیم میں بڑی مدت کے بعد سمجھا جاسکا ہے یہ حقیقت ہے کہ علمی مسائل جس آسانی سے مادری زبان میں سمجھے جاتے ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہتے ہیں وہ دوسری زبان میں ممکن نہیں ہے، مگر انگریزی اتذہ کے غلبے نے قوم کے دماغوں کو اس قدر متاثر و مغلوب کر دیا تھا کہ وہ ایک عرصہ تک اس حقیقت کا سراغ نہ پاسکی ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت کو سب سے پہلے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن اور جامعہ ملیہ دہلی نے محسوس کیا اور اس پر عمل درآمد شروع کر دیا جس میں مغربی حکمرانوں کی کامیابی حاصل ہوئی، اور انھوں نے دوسری یونیورسٹیوں کے لئے ایک قابل تقلید

مثال پیش کر دی ہے، اور اب تو ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی جانب سے یہ مطالبہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ ان میں قدیم تعلیم مادری زبان قرار دی جائے، عثمانیہ یونیورسٹی نے اس سلسلہ میں دارالترجمہ قائم کر کے انگریزی اور عربی و فارسی کی بہت سی کتابوں کے ترجمے کر کے اردو کے علمی سرمایہ میں بیش قرار اضافہ کر دیا ہے اسی طرح جامعہ ملیہ نے بھی اس سلسلہ میں قابلِ تحریف کام انجام دیا ہے،

بہر حال اس سلسلہ میں اولیت کا سہارا دارالعلوم ہی کے سر ہے، ہمارے اکابر کی نظر نظروں نے جس چیز کو سو سال پہلے سمجھ لیا تھا بیسویں صدی کے ماہرین تعلیم بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچے کہ موجود ہوئے ہیں،

اردو کی اشاعت و ترویج | یہ تو اس مسئلہ کا قطعی پہلو تھا، لیکن اس کے علاوہ اس کا ایک لسانی پہلو بھی ہے وہ یہ کہ دارالعلوم میں اردو کے دسی زبان ہونے سے اردو کو جو عظیم شان فائدہ پہنچا ہے گویا اس پر اردو کے ترقی و اشاعت کے حلقوں کی ابھی تک نظر نہیں گئی ہے تاہم اس کے نتائج و ثمرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، وہ یہ ہے کہ دارالعلوم چونکہ عالمِ اسلامی کے مسلمانوں کی مرکزی درسگاہ ہے اور اس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں کے علاوہ مختلف ممالک کے طلباء تحصیلِ علم کی غرض سے آتے ہیں جو اپنے دورانِ قیام میں فاضل اور دیکھ جاتے ہیں، چنانچہ چند سال کی بات ہے کہ ایک صاحبِ جنہوں نے مختلف ممالک کی سیاحت کی تھی دارالعلوم میں آئے تھے وہ کہتے تھے کہ ”میں جب بنجارا پہنچا جو وسط ایشیا کا مشہور مقام ہے تو وہاں ایک ایسے شخص سے میری ملاقات ہوئی جس نے مجھے ہندوستانی سمجھ کر ہمدردانہ لہجہ میں اردو میں مجھ سے گفتگو کی، مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہندوستان سے اس قدر دور اتنی صاف اردو اس کو کیوں کہ آئی ہوگی، میرے دریافت کرنے پر اس نے بتلایا کہ ”یہ دارالعلوم کا فیض ہے“ اور میں ہی نہیں بلکہ یہاں کا علمی طبقہ بالعموم اردو سمجھتا اور بولتا ہے اس شخص نے نہایت اخلاق اور محبت سے مجھے اپنے یہاں مہمان ٹھہرایا اور میرے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی دی، جس کی یہ خصوصیت

میں کسی نہیں بھولوں گا کہ اُس میں جس نے بھی تحریر کی وہ میری خاطر سے اردو میں کی۔
 فرمیں کہ اس طرح دارالعلوم نے اردو کے دلکش کو اپنے طلباء کے ذریعہ دنیا کے تقریباً
 تمام ایشیائی ممالک تک وسیع کر دیا ہے۔

ترتیب فنون | دارالعلوم کی یہ خصوصیت بھی اسے دوسری درسگاہوں سے ممتاز کرتی ہے کہ وہ محض
 ایک تعلیمی ادارہ ہی نہیں ہے جس میں صرف قریب اور اک کو تیز کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہو، بلکہ وہ
 اسلامی آداب و اخلاق، ذہن و فکر، تہذیب نفس اور تعمیرِ حیات کی ایسی تربیت گاہ بھی ہے جس
 میں رہ کر طالب علم اسلامی تہذیب و معاشرت سے قریب تر اور اس کا شوگر ہو جاتا ہے، اور وہ
 دارالعلوم سے علمی ہی استفادہ نہیں کرتا بلکہ اساتذہ کے پاکیزہ اخلاق اور ان کی روحانیت سے
 بھی اثر پذیر ہوتا ہے نیز زندگی کی جدوجہد میں ایثار و قربانی، تحمل و جفاکشی، خود اعتمادی، امانت
 دہیانت کی عادت غلوق الہی کی خدمت اور بڑے سے بڑے مصائب کو برداشت کرنے کا
 عادی بن جاتا ہے، تاکہ اپنی مخصوص صلاحیتوں سے اُس مقصد کو پہنچ سکے جو مملوہ کے لئے
 نہایت ضروری ہے، فضلاء نے دارالعلوم کی یہ خصوصیت ہے جس کو دیکھنے والا وہیں لگا
 میں محسوس کر سکتا ہے!

معارف کا حل | اس موقع پر دارالعلوم کی اس خصوصیت کا ذکر ہے حل نہ ہو گا کہ دارالعلوم کے اس
 تعلیمی نظام کو چلانے کے لئے سب سے بڑا اور اہم مرحلہ اس کے معارف کا مسئلہ تھا سلاطین
 و امراء جو دارالعلوم کے قیام سے پہلے درس گاہوں کی سرپرستی کیا کرتے تھے اُن کا دور ۱۸۵۷ء کے
 انقلاب کے بعد ختم ہو چکا تھا، اور امراء کا جو گروہ باقی رہ گیا تھا اس کا موجودہ حکومت کے زیر اثر
 ہونا لازمی تھا، اور دارالعلوم کو حکومت کے اخراجات سے بھرتا ناگزیر تھا اور امراء کی شہریت سے
 حکومت کے اخراجات کے نفوذ کا قوی اندیشہ تھا، ایسے مایوس کن اور بہت خٹکن حالات میں کبار
 دارالعلوم کی دورِ حین و دورِ دس نگاہوں نے ہر وقت اس نزاکت کا احساس اچھین جازہ لیا،
 انھوں نے امراء کے بجائے جن پر اب تک ایسے کاموں کا مدار تھا عوام کی جانب سے بڑا بڑا حیا اور

”قطرہ قطری شود دنیا“ کی علی مثال قائم کر دی، اس سے قبل ”اجتماعی اصول پر مدارس و انجمن قائم کئے، چند جمع کرنے، سادہ سودا و شائع کر کے اور عوام کو بصورت جلسہ جمع کر کے علی نتائج دکھانے کے طریقے سے لوگ واقف ہو گئے، دارالعلوم نے یہ مثالیں پیش کر کے ملک اور قوم کے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا،

واقعہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی اس مثال نے ملک کے لئے مشعل راہ کا کام دیا، حصول سرمایہ کے لئے ہندوستان میں یہ پہلا تخیل تھا جو عملاً کامیاب ثابت ہوا، اس نسخہ کی کیا کامیابی تھی؟ جاکر اس کے اتباع و تقلید میں مدارس جاری ہوئے شروع ہو گئے چنانچہ قیام دارالعلوم (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) کے چھ سات ماہ بعد سہارنپور میں مظاہر علوم اسی اصول پر قائم ہوا، اور پھر رفتہ رفتہ جگہ جگہ مدارس جاری ہو گئے، عام قومی چند سے کی یہ کامیاب ترکیب ایسی عمدہ اور سہل تھی کہ ہر جگہ اس پر عمل کر جاسکتا تھا چنانچہ آگے چل کر یہ طریقہ اس قدر کامیاب اور مقبول ثابت ہوا کہ چند ہی سالوں میں مدارس عربیہ سے متجاوز ہو کر اسکولوں، کالجوں، انجمنوں اور دوسرے اداروں تک عام ہو گیا دارالعلوم کے قیام کے آٹھ نو سال بعد ۱۳۰۵ھ میں علی گڑھ کالج بھی اسی اصول پر قائم ہوا، اور پھر جوں جوں اس نظریہ کا تجربہ عام ہوتا گیا، لوگوں کی سمجھ بڑھتی گئی، اور آج بے شمار قومی اداروں کی اساس اسی نظریہ پر قائم ہے، حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کے اس تخیل کی کامیابی آج قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا ہے، اس بارے میں تمام ادارے جو عام چندوں پر قائم ہیں دارالعلوم ہی کے مرہون احسان ہیں،

دارالعلوم نے چندہ کا جو نظام قائم کیا وہ نہایت آسان اور سہل تھا، چنانچہ سال اول جو سودا و شائع کی گئی اس میں چندہ کے بارہ میں بصرہ صرح کر دی گئی تھی کہ ”چندہ کی کوئی حد نہیں ہے“ (یعنی ایک پسینا بھی چندہ دیا جاسکتا ہے) اور نہ چندہ میں مذہب و ملت کی کوئی خصوصیت ہے۔ ”چندہ کے لئے نقد ہونا بھی ضروری نہ تھا بلکہ غیر مفقود اشیاء، کھانا، کپڑا، کتاب وغیرہ دوسری چیزیں بھی دی جاسکتی تھیں، چندہ میں یہ توسع بہت مفید، کارآمد

نذازہ سے بڑھ کر خیر خیر ثابت ہوئی، اس سہولت کے ماتحت جو لوگ نقد چنڈہ دینے کی گنجائش نہ رکھتے تھے ان کو بھی کسی نہ کسی طرح شرکت کا موقع مل گیا، جو دارالعلوم کے لئے بہر حال مفید ثابت ہوا۔

چنڈہ دہندگان کے اس اطمینان کے لئے کہ ان کے چنڈہ کا مصروف کیا ہے اور اس سے یا عملی نتائج برآمد ہو رہے ہیں اس امر کے اظہار و اطلاع کے لئے دارالعلوم نے ابتداء قیام سے سالانہ روداد کی اشاعت کو ضروری قرار دیا ہے، جو پورے التزام کے ساتھ ہر سال خلیفہ کی جاتی ہے۔ بک شہزادہ انوار علی لطاف حسین صاحب علی نے حیات جاوید میں مدارس عربیہ کے قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”میں جوں تہذیب الاخلاق مدرسہ العلوم دہلی کو نکال چلا، کی طرف لوگوں کو بلاتا تھا اور جس قدر وہ انگریزی تعلیم کی ضرورتیں ان کے ذہن نشین کرتا تھا اسی قدر مدارس اسلامیہ قائم کرنے کا جوش مسلمانوں میں بڑھتا جاتا تھا چنانچہ اُسی کی تحریک سے بے شمار اسلامی مدرسے ہندوستان میں قائم ہو گئے۔ بعد ازاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔“

خواجہ صاحب نے مدارس عربیہ کے قیام کا یہ ذکر ”تہذیب الاخلاق“ کے نتائج کے عنوان کے تحت کیا۔ اس انداز سے کیا ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مدارس عربیہ کے قیام کا باعث ”تہذیب الاخلاق“ کی دعوت کا رد عمل تھا، وہ جوں جوں قوم کو انگریزی تعلیم کی طرف بلاتا تھا، لوگوں میں مدارس عربیہ کے قیام کرنے کا جوش بڑھتا جاتا تھا، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اس کے لئے مدارس عربیہ کے قیام اور تہذیب الاخلاق کے جاری ہونے کی تاریخ کا جان لیا کافی ہوگا، حیات جاوید میں خود خواجہ صاحب لکھا ہے:

یکم شوال ۱۲۹۲ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۷۵ء کو اُس کلہنزیب الاخلاق، نیربول شائع ہوا، اور اعلیٰ بلبلہ سوال ۱۲۹۲ء تک یعنی پورے چھ سال برابر نکلتا رہا، (حیات جاوید ص ۱۳۳ حصہ اول)

دارالعلوم ۱۵ محرم ۱۲۹۲ء مطابق ۲۰ مئی ۱۸۷۶ء میں قائم ہوا اس کے مشہوری چھ ماہ کے بعد سہارنپور میں مظاہر علوم کا قیام عمل میں آیا، اور چند ہی سال میں دیوبند اور سہارنپور کے علاوہ شہرہ سہارنپور میں مظاہر علوم کا قیام عمل میں آیا، اور کئی اور گلاؤں کی وغیرہ مقامات میں مدارس عربیہ قائم ہو گئے۔ بعد ازاں پورے ہندوستان کے سارے ہندوستان میں دیوبند کی تقلید میں عربی کے مدارس جاری ہو گئے۔

ادبیت

”انسان اور فرتے“

(ایک مشاہدہ)

(جناب شمس الدین صاحب)

مہر کی کرفوں نے مجھ کا مدھن دیو سے
مدھن کی لاٹ پر ہونے لگی ذروں کی جنگ
ایک اک اتقان و خیزاں و حشیا و جست میں
کر رہا تھا دھڑکے کی وسعت پر دازنگ
سب کی خواہش تھی کہ ان کرفوں کا کڑ دیکھیں
راستوں کے فرق سے لیکن مافقروں کو تنگ
ایک بڑھتا تھا تو نیچے پھینک دیتا تھا کوئی
یک جہت ہونے کا پہلو بن گیا میدان جنگ
کوشش منزل رسی تھی مائل منزل رسی
ایسی گرا سی کہ خود گرا سبوں کی عقل تنگ
کاش میں کہتا کہ نادانو! خبر بھی ہے نہیں؟
خود تہا را خراب منزل کھا گئی اندھی تنگ!
دیکھتے تو ہو کے روشندان تاب گل کے پار
سامنے منزل ہے۔۔۔ سوچ سوچ کر کہہ دو تنگ

کس طرح کہتا مگر بالکل برہنہ انسان بھی

فرتے ہیں جب ”تو ہی خود“ پرندوں کی جنگ!

تبصرہ

تجدید تصوف و سلوک | از مولانا عبدالباری صاحب ندوی تظہیر متوسطہ صہانت ۴۹۶
صہانت کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد ص ۱۰۰ ملنے کا پتہ ۱۔ مولوی سید الباری شہبستان
قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ۔

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ دیوبند کے اکابر علماء
مشارع نہیں سے تھے۔ مولانا کی ذات شریعت و طریقت کی جامع علوم ظاہریہ و باطنیہ کی حامل اور شریعت
و تصوف کے اسرار و رموز اور حکم و مصالح کی مبصر تھی اور اس حیثیت سے جہاں تک اصل دین
کی ترویج و ترویج اور مسلمانوں کی فکری و عملی اصلاح کا تعلق ہے جتنا فیض آپ سے پہنچا تھا اس
عہد میں اتنا کسی سے نہیں پہنچ سکا حضرت مرحوم کے قلم سے شریعت و طریقت کے فرائض و اسرار
اور دینی مسائل و احکام پر سنیکڑوں کتابیں نکلیں اور گھر گھر بھیلیں ملا وہ مستقل تصنیفات کے آپ
کے طفوفات و ارشادات بھی خود ایک مستقل درسِ حکمت و اخلاق ہوتے تھے فرض کہ مسلمانوں
کی دینی اور اخلاقی و عملی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو حضرت مرحوم کی بنیادی و حکمت اندازی
کے فیض سے محروم رہ گیا ہو۔ ان کتابوں کو پڑھ کر اور حضرت کے فیض صحبت سے مستفید ہو کر
ہزاروں مسلمان مرد و عورت ہدایت و رسوم سے تائب ہو گئے سیکڑوں نے تصفیہ قلب و تزکیہ
باطن کی دولت پائی اور ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو فلسفہ جدیدہ اور دوسرے مغربی علوم
کی تعلیم ابدان میں غلو کے باعث سرے سے خدا اور مذہب سے ہی منکر تھے وہ بھی مولانا پر حیرت
کے دامن سے وابستہ ہو کر فاضل اہل سنت و الجماعت کے عقاید کے پابند ہو گئے ان خصوصیات
کے باعث امت مرحومہ نے آپ کو حکیم الامتہ کا لقب دیا تھا اور مولانا پورے طور پر اس کے مستحق
جیسا کہ عرض کیا گیا۔ دینی عقائد و افکار۔ اخلاق و معاشرت، تعلیم و ارشاد، سلوک و تصوف
ان میں سے اسلامی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر مفسران تحقیق و تنقید کے ساتھ مولانا

نے لکھو نہ فرمائی ہو۔ اور رسوم و بدعات کے جو فوہرہ تو جابات ان کی اصل حقیقت پر پڑ گئے تھے ان کو اٹھا کر لرحق کی نقاب کشائی نہ کی ہو لیکن چونکہ مولانا کا انداز بیان ایک بڑی حد تک منطقیانہ اور عظیم اسلوب تحریر کے مطابق تھا اور پھر یہ سب چیزیں غلو و مروج نہیں اس لئے فزوسنتی کہ مذاقی حال کا کوئی صاحب قلم ان کو مہذب و مرتب کر کے مختلف عنوانات کے ماتحت ان کی مجموعہ کے شائع کرنا بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس اہم دینی اور علمی کام کے لئے مولانا کے ہی ایک مرید باصفا جناب مولانا عبدالباری ندوی نے کرمیت باذہبی اور محنت شاقہ کے بعد اس سلسلہ میں موصوف نے چار کتابیں مرتب کر ڈالیں حقیقت یہ ہے کہ اس کا ریزرگ و اہم کے لئے موصوف سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص موزوں و مناسب نہیں ہو سکتا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ تصنیفات کی دوسری کڑی ہے جو بوجہ چند اشاعت میں پہلی کتاب سے مقدم ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تصوف کی تعریف اس کی اصل حقیقت اور اہمیت و ضرورت اور اس کے تمام نظری اور عملی پہلوؤں پر نہایت بسط و تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ مختلف خارجی اسباب و علل اور غیر اسلامی اثرات کے باعث اصل اسلامی تصوف میں کہاں کہاں دھننے پڑ گئے تھے اور حضرت مولانا نے کس طرح ان دھنوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح و تجدید کی ہے اس کتاب کو پڑھ کر اصل اسلامی تصوف جس کو حضرت میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی شکل و صورت منقح ہو کر سامنے آ جاتی ہے و اقر یہ ہے کہ جامعیت، مساحت، معلومات اور بزرگوں کی بیان و دلیل کے اعتبار سے اردو میں تصوف و سلوک پر اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی تھی تاحالی فاضل مرتب کو ان کی سعی کا اجر جزیل عطا فرمائے کہ واقعی اس بعد وفات میں انھوں نے ایک اہم دینی خدمت اس کامیابی کے ساتھ انجام دی ہے۔

فاضل مرتب کا مولانا مرحوم کے متعلق مجدد مگر جامع الہدیین ہونے کا بھی دعویٰ ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صرف ایک لفظی اور عزائی بحث ہے کیونکہ مولانا کی جو دینی خدمات ہیں وہ پہلے مسلم میں پھر جو کہ اس حصہ میں مجدد کی تعریف کیا ہے؟ تجدید کا کیا مقام ہے؟ مجدد کے لئے کن

صفات کی ضرورت ہے ان چیزوں میں سے کسی پر کوئی گفتگو نہیں ہے اس لئے اس کتاب کے تبصرہ میں ہم بھی اس پر کوئی کلام کو نہ نہیں لیتے البتہ جامع المجددین نامی حصہ کے مطالعہ کے بعد اس پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ بہر حال یہ کتاب اسلامی تصوف و سلوک کی انسائیکلو پیڈیا ہے اور عوام و خواص ہر ایک کے مطالعہ کے لائق ہے۔

نور الرحمن | قلعہ متوسط فتحامت . ۴۴ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد نین روپے پتہ :- اردو بک ڈپو بھراپوں ضلع مراد آباد

مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب موملہ کہنوٹی تیرھویں صدی ہجری کے مشہور صاحبِ حال و قلم بزرگ تھے آپ کا خاندان عرب سے منتقل ہو کر سندھ میں آباد ہو گیا تھا مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب طلب علم اور ذرا داتِ اولیائے کرام کی زیارت اور ان سے اکتسابِ فیض کے شوق میں وطن سے روانہ ہوئے اور آخر کار ہندوستان کے طول و عرض میں عرصہ دراز تک سیاحت کرنے کے بعد کھیتو میں آکر مقیم ہو گئے اور باطنی ارشاد و ہدایت کا فیضان عام کر دیا جس سے مسلمانوں کو عوامانہ بعض ہندوؤں کو بھی بڑا فائدہ پہنچا حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد آپ کے مرید خاص مولوی نور اللہ صاحب نے حضرت کے سوانح و حالات اور ملفوظات و ارشادات پر انوار الرحمن کے نام سے ایک کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی لیکن چونکہ اب فارسی کا مذاق مفقود ہوتا جاتا ہے اور سب اصل فارسی نسخہ عام طور پر دستیاب بھی نہیں ہوتا تھا اس لئے مولوی نور الرحمن صاحب بی۔ اے (دھبک) نے جو غالباً اسی خاندان سے وابستہ ہیں افادہ عام کی غرض سے انوار الرحمن کا مضمون اردو ترجمہ خود اپنے نام سے بطور براہمت استہلال کے شائع کر دیا ہے حضرت شاہ صاحب کے حالات و سوانح ایک مستقل درس اخلاق و حکمت ہیں جن کے مطالعہ سے آنکھوں میں نور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ البتہ کلمہ طیبہ کی تشریح اور وحدت الوجود کی حقیقت کے متعلق حضرت شاہ صاحب کلمہ بیان اس میں دمع ہے وہ عوام کے کام کا ہرگز نہیں اور خواص میں بھی چند خاص اہل فن ہی اس کی نکتہ آرائی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ترجمہ اس قدردان سلسلے اور شگفتہ دہچسپ ہے

کہ کتاب شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر اسے ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا امید ہے کہ مسلمان عموماً اور اسباب ذوق خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ سے جو ہم خرمادہم ثواب کا مقصد ادا ہے فائدہ اٹھائیں گے۔

مضامین سید سلیمان ندوی مرتبہ مولانا ابوسلمہ شفیع احمد ہزاری | مولانا سید سلیمان ندوی

ہندوستان کے نامور محقق اور عالم اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جو اسلامیات کے علمی ذخیرہ میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں مولانا کا قلم تقریباً نصف صدی سے علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہے اس طویل مدت میں مستقل تصنیفات کے علاوہ آپ کے قلم سے سینکڑوں تفرقات، مقالات و مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں جو مختلف رسالوں میں بکھرے پڑے ہیں ان مضامین کی علمی و ادبی اہمیت کا تقاضا تھا کہ ان کو بھی جمع کر کے ایک جانشائع کیا جاتا۔ زیر ترتیب کتاب اسی سلسلہ کی ایک کوشش ہے جو بہر حال مستحسن ہے لیکن مولانا کے مقالات کی گونا گونی اور اہمیت اس امر کی مقتضی تھی کہ مقالات تسلی کی طرح ان مقالات کو بھی کتابت و طباعت کے زیادہ اہتمام کے ساتھ مختلف عنوانات کے ماتحت تقسیم کر کے شائع کیا جاتا اور مولانا کی مدت تصنیف کو چند اور پر تقسیم کر کے ہر دور کے مضامین کو الگ الگ حصوں میں چھاپا جاتا جس سے ایک ناقد کو یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ عماد تجربہ کی ترقی کے ساتھ خود صاحب تصنیف کے مذاقِ تحریر اور دوسرے تصنیفی مضامین میں کیا کیا ترقی ہوتی گئی ہے علاوہ مقالات کے خود معارف کے شذرات ہی اگر مرتب کر کے شائع کئے جائیں تو کئی ضخیم جلدوں میں آئیں گے لیکن یہ بہت فرسب طلب اور اطمینان سے کرنے کا کام ہے موجودہ حالات میں یہ جو کچھ ہو گیا باضغیت ہے۔

کے احکامات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان
قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰

قصص القرآن جلد چہارم حضرت
عیسیٰؑ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا

لوہ صفحہ واقعات کا بیان سے سوا پیش نہیں
عظم نبوت کے ہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا

گیا ہے۔ قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰
اسلام کا اقتصادی نظام۔ قیمت

۱۰۰ کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصاد
کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا ادیشن۔ قیمت

۱۰۰ جلد ۱۰۰
مسلمانوں کا عروج و زوال جلد

۱۰۰ ادیشن۔ قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰
مکمل لغات القرآن حضرت مفتاح

لغت القرآن بہ بے مثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم
قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰ جلد ثانی۔ ۱۰۰ جلد ۱۰۰

جلد ثالث ۱۰۰ جلد ۱۰۰
مسلمانوں کا عظیم مملکت مصر کے مشہور

مصنف و مکتبہ کے پرچم پر ہے پی ایچ ڈی کی
عقائد کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام حکم
و تربیت جلد اول اپنے موضوع میں بالکل نیا

کتاب قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰
نظام حکم و تربیت جلد ثانی قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰

فیہر زندۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد

قرآن اور تصوف حقیقی مسلمانوں
کو رہا حث تصوف پر جدید اور مفید کتاب۔

قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰
ترجمان السنۃ جلد اول احکامات ہر

جامع اور مستند و غیر صفحات ۱۰۰۰ قطع ۱۰۰
قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰

ترجمان السنۃ جلد دوم اس جلد میں چھ سو کے
قریب حدیثیں آگئی ہیں قیمت ۱۰۰ جلد ۱۰۰

تحفۃ النظائر یعنی خلاصہ فرمانہ اس بطور
مستفید و تحقیق اور مستقیم و نقشہ کے سفر ہے،

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی
خدمات۔ قرون وسطیٰ میں علم کے اسلام

کے شاندار علمی کارنامے۔ جلد اول جلد ۱۰۰
جلد دوم جلد ۱۰۰

وحی الہی مسئلہ وحی اور اس کے تمام مسائل
کے بیان پر پہلی کتاب جس میں اس مسئلہ

پر ایسے دل پذیر انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی
اور اس کی صداقت کا ایمان انہوں نے آگے

کو روشن کرتا ہوا دل کی گہرائیوں میں سما جاتا
ہے۔ جدید ایڈیشن قیمت ۱۰۰

REGISTERED NO. Q148

مختصر قواعد زندہ المصنفین ہلی

المجسین خاص جو حضور منبرت کہے کہ پہلی سورت پیکت رحمت فرمائیں وہ زندہ المصنفین کہد اثر المصنفین خاص کو اپنی مشرولیت سے جنت بخشے گئے طے از اصحاب کی خدمت میں ادارہ اور مکتبہ برمان کی تمام مطبوعات تذکر کی جاتی رہیں اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں۔

۱۔ المصنفین جو حضرات ہیں روپے سال رحمت فرمائیں وہ زندہ المصنفین کے مائتہ مجسین میں شامل ہونگے ان کی حاضری سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ ادارہ کے طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہو مکتبہ برمان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ برمان مکی معاوضہ کے پیشکش کیا جائیگا۔ ۳۔ معاویہ میں جو حضرات اشعار روپے پیشگی رحمت فرمائیں ان کا شمار زندہ المصنفین کے علاوہ معاویہ میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور سالہ برمان (جس کا سالانہ چند چار روپے کی بل قیمت پیش کیا جائیگا۔

۴۔ احباب و ذوریہ ادا کرنے والے اصحاب کا شمار زندہ المصنفین کے اجاز میں ہوگا۔ ان کو سال بل قیمت دیا جائیگا۔ اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ شرط فائز طور پر ظاہر اور طلباء کے لیے ہو۔

(۱) برمان ہرگزنی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین، اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر

پورے آئیں برمان میں شائع کیے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے و کتابوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے وہ روپے زیادہ ۲۵۰ تا ۳۰۰ تک دفتر کو اٹھائے دیں ان کی خدمت میں یہ رسالہ بل قیمت بھیجا جائیگا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں بھی جائیگی۔

(۴) جو طلب علم کے لیے ہرگز کے گھٹے یا جوابی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ روپے پینسٹائی نہیں روپے چار آنے رت وصول ہوگا اگر کسی نے

(۶) کسی کو رسالہ دے دینے وقت کہہ کر پاپنا مکتبہ پر ضرور کیجیے۔

مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین، اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے آئیں برمان میں شائع کیے جاتے ہیں۔

ندوة المصنفين في كاري و دینی ماہنامہ

چشمہ علم و تہذیب
پاکستان

10 AUG 1969

برکات

مرتب
سید احمد بستر آبادی

مطبوعات ندوۃ المدینہ

لمصنفین

محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں حک و فک کے بدنام
اصناف کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دلنشین
بنایا گیا ہے قیمت صیر جلد ہیر

مسئلہ قصص القرآن حصہ اول - جدید ایڈیشن حضرت
سے حضرت مثنوی دہارون کے حالات تک صیر جلد ہیر
وحی الہی - مسئلہ وحی پر پہلی محققانہ کتاب - علم جلد ہیر
بین الاقوامی سیاسی معلومات - یہ کتاب ہر لائبریری میں رہ
کے لائق ہے جدید ایڈیشن جس میں نہایت اہم تازہ ترین
کئے گئے ہیں جو پہلے سے بہت بڑھ گیا ہے اور ۷۷۷ تک
تمام بین الاقوامی معلومات آگئی ہیں - پانچ روپے

تاریخ انقلاب روس - ٹراٹسکی کی کتاب کا مستند اور
مکمل خلاصہ جدید ایڈیشن دو روپے

مسئلہ قصص القرآن حصہ دوم، حضرت پوشع سے حضرت
یحییٰ کے حالات تک - صیر جلد لکھ

اسلام کا اقتصادی نظام - وقت کی اہم ترین کتاب
جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش

کیا گیا ہے - تیسرا ایڈیشن لکھ جلد ہیر

مسلمانوں کا عروج اور زوال - جدید ایڈیشن لکھ جلد ہیر

مسئلہ اسلام میں غلامی کی حقیقت - جدید ایڈیشن
جس میں ضروری اصناف کئے گئے ہیں - صیر جلد لکھ
تعلیمات اسلام اور سچی اقوام - اسلام کے اخلاقی اور

روحانی نظام کا دلپذیر خاکہ قیمت ۷۷۷ جلد ہیر
سوشلزم کی بنیادی حقیقت - اشتراکیت کے متعلق پوری

کارل ڈیل کی آٹھ تقریروں کا ترجمہ - صیر جلد لکھ
ہندوستان میں قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ ہر

شعبہ - نجی عربی مسلم - تاریخ ملت کا حصہ اول جس
میں سرت سرد کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک

خاص ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے جدید ایڈیشن جس میں
اخلاق نبوی کے اہم باب کا اضافہ ہے - صیر

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے
کئے گئے ہیں اور باعث کتاب کا زیر ترتیب کیا گیا ہر اس

موضوع پر اپنے رنگ کی بے مثل کتاب - علم جلد ہیر
غلامان اسلام - اشی سے زیادہ غلامان اسلام کے

کمالات و فضائل اور شاندار کائناتوں کا تفصیلی
بیان جدید ایڈیشن - قیمت صیر جلد ہیر

اخلاق اور فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق پر ایک مربوط

شرف

بُرْهَان

شماره (۲)

جلد بیست و پنجم

آگست ۱۹۵۶ء مطابق شوال المکرم ۱۳۷۵ھ

فہرست مضامین

۱۔ نظرات

سید احمد

۲۔ تدریس حدیث

حضرت مولانا سید مناظر احسن حقہ لکھنؤ

۳۔ دلائل القرآن

جناب مولوی نجم الدین صاحب امروہی

۴۔ وزیر مامون احمد بن یوسف

ڈاکٹر غفور شہزادہ خٹک

۵۔ ادب المفرد امام بخاری کی ایک گرانقدر شرح

مولانا ابو حفصہ ڈاکٹر محمد صاحب معصومی استاذ

۶۔ ادبیات

مدرسہ عالیہ الکفر

نقشہ فطرت

مدرسہ اسلامیہ

مدرسہ اسلامیہ

مدرسہ اسلامیہ

نَظَرَات

ہنر و یا قت معاہدہ کے بعد سے اب تک اگرچہ بھارت اور پاکستان میں کہیں کوئی بڑا واقعہ
سننے میں نہیں آیا اور اس معاہدے کے بہت سے خوشگوار نتائج کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ کہنا
کے چکے سورج سے انکار کرنا ہوگا کہ اس سے دونوں ملکوں کی اقلیت میں اطمینان و اعتماد پیدا ہو گیا ہے
اور اب ان میں خوف و ہراس یا مستقبل کی طرف سے بے چینی و مایوسی کا احساس نہیں رہا ہے جیسا کہ
اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے دونوں ملکوں میں آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری ہے کسی طرف آنے والے
کم ہونے میں ہو کسی دن جانے والے اور یہ تعداد سنیکروں کی نہیں بلکہ لاکھوں ہزاروں تک کی ہوتی ہے پھر
اس بات کو بھی فراموش نہ کیجئے کہ اب جو ایک ملک کو چھوڑ کر دوسرے ملک میں تعلیمی سفر کے لیے پہنچ
رہے ہیں وہ ہنگامی حالات کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے ہیں کیونکہ اب یہ ہنگامی حالات ہیں ہی نہیں بلکہ
سورج سمجھ کر اور آخری فیصلہ کر کے بلکہ ان میں بہت سے وہ جوں گے جنہوں نے دوسرے ملک میں جہاں
وہ آئے ہیں پہلے سے اپنی رہائش اور معاش کا انتظام کر لیا ہوگا اس بنا پر زمانہ امن میں اقلیت کی ایک
ملک سے دوسرے ملک میں حرکت زمانہ فساد کی نقل و حرکت سے بھی کہیں زیادہ خطرناک اور تشویش انگیز
ہے اور لاکھوں رات بھی رہے تو دونوں حکومتیں ماضی و باضی اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ علاوہ خود بخود آبادی
کا تبادلہ ہو جائے گا۔ اعداد و دونوں ملک دو مستقل دشمن کمیوں میں منتقل ہو جائیں گے۔

خدا نہ کرے کہ کبھی ایسا ہو لیکن اگر ایسا ہوا تو کن کہہ سکتا ہے کہ اس چھوٹے سے براعظم کا حشر وہ
ہی نہ ہوگا جو آج کو رہا ہو رہا ہے۔ یہ ملک بھی ایک ہی محتاجک عظیم دہم کے اثرات نے اس کو
جنوبی کو رہا اور شمالی کو رہا کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم کا طبعی نتیجہ منافرت و عداوت باہمی
ہوتا ہے چنانچہ ملک کے دونوں منقسم حصوں کے لوگوں میں بد مزگی، تمنی اور دشمنی پیدا ہو جانے

کی دھڑ سے آئے دن جھڑپیں ہونے لگیں اور شدہ شدہ ان کا یہ انجام ہوا کہ دونوں فرقے ایک سے دوسرے سے میدان جنگ میں دست و گریباں ہو گئے اب سوچئے کہ بھلا کس کا ہوا تو واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے بھلا کسی کا بھی نہیں ہوا بلکہ دونوں نے اپنے اپنے اور بنیادی اور بادی کو مسلط کر لیا ہے۔ حجت اگر ہوگی تو روس کی یا امریکہ کی ہوگی۔ گوریلا کا حال تو یہ ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندہ پچاس لاکھ سے زائد انسان گھر سے بے گھر ہو کر ایک وقت کی روٹی تک کو محتاج ہو گئے ہیں ہزاروں خاندان بے ختم و چراغ ہو گئے۔ صنعتی و حرفتی ادارے دم کے دم میں کھنڈر بن گئے اور ہری بھری آبادیاں چشم زدن میں دیرانوں میں تبدیل ہو گئیں۔ پس جو اسباب گوریلا کی بنیادی کے تھے وہ ہی ہندوستان میں پیدا ہو رہے ہیں اور جن باتوں کے لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی جگہ گراہوں کو ہوا دے کر ایک در زنج بناد دی ہاتھ بیاں بھی مصروف عمل ہیں۔

نہرو باقی معاہدہ جس جذریہ غلو میں اور نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے اس کے اچھا ہونے میں کلام نہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اگر بھارت اور پاکستان کی حکومتیں فرض شناس اور ساتھ ساتھ مطالبات فرض کی عملی نگہیں و تفصیل میں جری و ہیئت ہوتیں تو اس معاہدہ کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ اعلان دوستی کے مطابق ہندو پاکستان کا اور مسلمان بھارت کا شہری ہے اور اس بنا پر ہر حکومت کا فرض ہے کہ قطع نظر اس سے کہ دوسرے ملک میں کیا ہو رہا ہے وہ اپنے ملک کے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے اگر ذرا باریک نگاہی سے غور کیئے تو صاف معلوم ہو گا یہ معاہدہ دلی اس بات کی نشانی اور اس حقیقت کا کہ وہ الزام ہے کہ دونوں حکومتیں بحقیقت حکومت کے اپنا فرض ادا کرنے میں قاصر رہی ہیں اور اس نئے معاہدہ کی آنکھیں گندھارا بننے اپنے گناہوں کو چھپانا چاہتی ہیں دو شخص ایک گناہ میں غمگین ہو کر جس طرح ایک دوسرے کو لڑائی کہتے ہیں اسی طرح ان دونوں حکومتوں نے بلا واسطہ افزار جو م کے اپنے م کے لئے ایک م پیدا کیا ہے۔

اس طرح نہرو اس کا تیسرا رنگ دونوں حکومتوں کے واسطے م ہے اور اس کے م

جیلے گی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دونوں ملکوں کی اقلیتوں کی بجا اعتمادی دے بے جہنی کے اسباب قطعاً
تقسیم ہند میں ہر ایک ملک ان کا دار الحکومت نہیں کیا جائے گا اعتماد بجال نہیں ہو سکتا ان اسباب کا تذکرہ
اس طرح ہو سکتا ہے کہ جو کچھ کیا گیا اور جس کا بار بار اعلان کیا گیا ہے اپنا ڈاری اور یوری سبائی کے ساتھ
اس پر عمل بھی کیا جائے اور دونوں کو صاف اور دماغ کو پاک کر کے ٹوٹے ہوئے دونوں کو بھرے جوڑنے کی
مخلصانہ جدوجہد کی جائے جہاں تک اس عمل اور اس کی ضرورت کا تعلق ہے دونوں حکومتوں کا فرض
یکساں اور برابر ہے لیکن ہمارے نزدیک پاکستان کا فرض اور اس معاملہ میں اس کی ذمہ داریاں بہ نسبت
بھارت کے اور بھی کہیں زیادہ ہیں اور اس کے وجہ یہ ہیں۔

۱۔ ہندوستان کی تقسیم اور باب پاکستان کے مطالبہ اور ان کے اصرار پر ہوتی ہے اس لئے تقسیم
سے جو خرابیاں بدترنگیاں اور تفریقیں پیدا ہو گئی ہیں پاکستان کا فرض اولین ہے کہ وہ ان کا تذکرہ ان کے حل کے لیے کرے
(۲) پاکستان میں ہندو صرف ایک گروہ ہیں لیکن بھارت میں مسلمانوں کی تعداد ۱۲۰ کروڑ ہے
الیکٹیکل گروہ ہیں یہاں ہونے تو یہاں ان سے سڑے نہیں گنا زیادہ براد ہو جائیں گے۔

(۳) بھارت ایک وسیع اور زرخیز و آباد ملک ہے اس لئے ہندوؤں کو بھارت میں ان کے آباد
ہونا اس سے کہیں زیادہ آسان ہے جتنا کہ بھارت کے مسلمانوں کا پاکستان میں ہجرت کرنا اور آباد ہونا۔

(۴) پاکستان کا اسلامی حکومت کا کیا ہے اس لئے ہندوؤں کا اس سے جو تعلق ہونا اور خصوصاً
عزلی کتاب وغیرہ کے مقابلہ کے بعد ایک بالکل نفسیاتی چیز ہے۔ اسلام بے شبہ ایک مکمل نظامِ حیات
والفاظ ہیں لیکن ایک غیر مسلم کے دل میں اس حقیقت کا اعتراف آپ اپنے مکمل سے ہی جاگیں کہ مسلمان

(۵) پاکستان کی تعمیر و ترقی میں بھارت کے مسلمانوں کا بہت بڑا دخل ہے اس لئے پاکستان کا
خارجی اعلیٰ اور انسانی فرض ہے کہ اگرچہ اور نہیں تو کم از کم اس حق کی منتِ شناسی کے طور پر یہ کہ اپنے
دشمنوں کے ہندوؤں کی ہر طرح کی مدد نہ کرے۔

(۶) پاکستان نے اپنے آپ کو اسلامی حکومت کہا ہے اس لئے اب اگر پاکستان میں کوئی بڑا ظلم
یا انصافی کا واقعہ پیش آتا ہے تو اس سے اللہ اللہ کے رسول، دین حق کی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے
اور اس تناظر میں یہ ہے جس کی پاداش کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

کہتے ہیں پی سی پی سے پی پی پی پیدا ہوئی ہے اگر یہ سچ ہے تو اس سے کہیں زیادہ سچ ہے کہ سکی سے
سکی پیدا ہوئی ہے پہلی چیز کا تجربہ کرتے ہوئے تین سال بیت گئے تو کیا اب ایک عظیم کشمکش اور نہایت
ہولناک مائیکروفن گفتگو کی آمد سے پہلے ہی کیا کی مخالفت کے لئے یہ مناسب نہ ہوگا کہ دونوں حکومتیں
سکی سے سکی کا بھی تجربہ کر دیکھیں۔

حسبِ نفع و لے اور فتنہ و فساد کی آگ کا ایندھن ان ہی محسوم اخلاقیات کی کڑیوں کو بنانے والے زیادہ تر وہی ہوتے ہیں جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ ان کے قوی احساسات زیادہ بیدار اور زندہ ہیں۔ وہی قوم کے بے دین کر قوم کو جنگ و جدال قتل و قتل کی جہنم میں جھونکتے رہتے ہیں۔

غیر ہوا یہ کہ جب قرآن کے پڑھنے میں اس قسم کے اخلاقیات عہد نبوت میں رونما ہوتے تو مشرکوں میں بڑی گڑبڑ پیدا ہوتی۔ اسی سلسلہ میں خود حضرت عمرؓ کو اپنا یہ فقرہ سنایا کرنے لگے کہ

ہشام بن مکرم نماز میں سورۃ فرقان پڑھ رہے تھے میں نے جو کان لگایا تو دیکھا کہ بہت سے حروف

کو وہ اس طریقہ سے ادا کر رہے ہیں جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا

تھا، اس حال کو دیکھ کر میرا جی تو جاگا کہ نماز میں اچھل کر اس شخص کو دو بوج لوٹا، لیکن پھر ٹھہر گیا

یعنی نماز میں مشغولیت کی وجہ سے انہی دیر کے لئے ٹھہر گیا، جب ہشام نے سلام پھیرا تو میں

نے مساتین چاھا اس کے گلے میں ڈالی اور پوچھنے لگا کہ تجھے اس طریقہ سے قرآن کس نے پڑھایا ہے جو اس

وقت تک کہ میں نے پڑھنے سنا ہشام نے جواب میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

پڑھایا ہے۔

میں نے ہشام سے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے

بھی یہی سورۃ پڑھی ہے آپ نے قطعاً اس طریقہ سے مجھے نہیں پڑھایا جس طرح تم پڑھ رہے

تھے۔ یہ گفتگو تو ان دونوں کے درمیان ہوئی حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد

(یعنی حاشیہ ص ۱۱۲) سرمد قرار دے کر فرض کر لیا جاتا ہے کہ زمین کا جو حصہ اس پہاڑ یا دریا کے اس پار ہے وہ

اس حصہ سے جدا ہو گیا اور جو اس پار ہے پہاڑ یا دریا کا جو دو فاصلہ جوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ اسی پر فلاح

کے ختم ہو جاتا ہے ایک حسی بات کے سوا اور کیا ہے اسی طرح الفاظ اور معانی میں کھلی جوتی بات سے

کہ کوئی واقعی تعلق نہیں ہوتا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ پانی کو پانی کہا جائے گا فرض کیجئے کہ اسی پانی کا نہ کوئی تعلق

لکھو سے تو واقعہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے بلکہ بہت سے لوگ ٹھنڈک پہنچانے والے ہیں کہ کبھی کبھی

گھر گھلنے میں ہی مفروضہ اصطلاحات کو اس زمانہ میں شدید قوی کہیں اور عادات کی بنیاد بن کر جو کہ کیا

وہ چارے اور آپ کے سامنے ہی ہوا

میں نے عرض حضرت عمرؓ کے الفاظ کلمات ان اساور کا کیا ہے۔ دیکھو صحیح الفاظ و کلمات ج ۲

میں نے اسی حال میں کیجئے ہوئے اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر کیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ میں نے سورۃ فرقان پڑھتے ہوئے اس شخص کو پایا ایسے حروف کے ساتھ یہ پڑھ رہا تھا جن کے ساتھ آپ نے یہی سورۃ مجھے نہیں پڑھائی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گفتگو سن کر پہلے تو مجھے حکم دیا کہ اس سلسلہ تم اس کو معنی ہشام کو چھوڑ دو اس کے بعد ہشام کی طرف خطاب کر کے فرماتے گئے کہ

”ہشام تم سناؤ کیا پڑھ رہے تھے“

حضرت عمر کا بیان ہے کہ جس طریقہ سے ناز میں ہشام اس سورۃ کو پڑھ رہے تھے ان ہی حروف کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تا شروع کیا جب ان کا پڑھنا ختم ہو گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہشام کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔

ہكذا انزلت اسی طرح یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔

پھر میری طرف یعنی حضرت عمرؓ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ

”عمر اب تم پڑھو“

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ حسب ارشاد میں نے بھی ان ہی حروف کے ساتھ جن کے ساتھ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا پڑھنا شروع کیا جب میرا پڑھنا ختم ہو گیا تو دیکھا کہ میری قراءۃ کی طرف بھی اشارہ کر کے فرمایا ہے۔

ہكذا انزلت

اسی طرح یہ سورۃ نازل ہوئی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ

ان هذا القرآن انزل علی سبعة یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے تو چاہئے کہ تم اسے

احرف فاقیہ اصابتیہ سورت سنے جو اس زبان ہی حروف کے ساتھ اس کو پڑھو

یہ ثابت صراحۃً سنائی گئی کہ کتابوں میں پائی جاتی ہے، شلوہ میں ہر بیت نے ”سبعہ احرف“ کی شرح میں یہ

کہ لکھا ہے علامہ میرے خیال میں بات وہی تھی کہ ایک ہی زبان کے بدلنے والے اس زبان کے الفاظ کو مختلف

ہوں میں آدراکتے ہیں اور یہی اسی قسم کے اختلافات ہر زبان میں ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

مقصود یہ تھا کہ میں نے ان میں جس نقطہ اور جس طریقہ کی عدا ہے اسی کے ساتھ قرآن کو پڑھ کرے نزدیک ان زبانوں

کی لئے اس باب میں بالکل صحیح ہے کہ ”سبعہ“ سات کے عربی لفظ سے خاص سات کا لفظ مشتق نہیں ہے بلکہ عربی صحاح

میں قصود کے اظہار کا یہ نام طریقہ تھا، جیسے اردو میں "میسوں" وغیرہ کے الفاظ سے عربی کا خاص مدد بخونے والے کا قصود نہیں ہوتا، بلکہ کثرت کا اظہار اس سے کیا جاتا ہے۔ اور عربی زبان کا یہ ایک عام مادہ ہے۔ خیر اس وقت میرے سامنے اس حدیث کی شرح ہے بھی نہیں بلکہ کلامِ پابنا تھا کہ عرب جو اس قسم کے اختلافات کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اسی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس برداشت کی صلاحیت پیدا کرنے کا موقعہ قرآن کے ان ہی قرآنی اختلافات کی وجہ سے مل گیا۔ کبھی کبھی یہ دکھانے کے لئے کہ قریشی بوجہ کے سواد و سرے اور اختلاف کے لحاظ سے دوسرے طریقے اسی طرح صحیح ہیں جیسے قریشی اور تعلق صحیح ہے، باوجود قریشی ہونے کے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن کو دوسرے قبائل کے بوجہ میں پڑھ دیا کرتے تھے۔ خود روایتیں ہیں آج ہے کہ سورہ رحمن کی آیت صلی سخرن خضود عبقری حسان کی جو آیت ہے خود آنحضرت اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا گیا کہ اسی کو "علی سناہن خضود عبقری حسان" کی شکل میں ادا کر رہے ہیں، یہ وہی صورت ہے کہ "حمیا" کو کعب اجازت عموماً اور "حمیا" کو "حمیا" خلا کو مخلوقاء کے بوجہ میں ادا کرتے تھے۔

یہ حال حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر ہے ایک شخصی واقعہ ہے لیکن قدرتی غیر ارادی اختلافات کو ارادی و اختیاری نزاع و مخالفت و مخالفت کے طالب میں ڈھال دینے کی عادت عربوں میں کتنی راسخ تھی اسی عام عادت کی یہ کتنی اچھی مثال ہے خیال تو کیجئے کہ نماز ہی میں اچھل کر دبوچ جینے کا ارادہ کرنا، نماز کے بعد گردن میں ہشام بچا رہے کے چادر ڈال کر کھینچے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانا اور سب سے زیادہ اور ٹہری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کو محض اس اختلاف کی وجہ سے بے و مٹرک کذب و بہتان مسموم ہوئے ہیں۔ شیخ محمد بن عبد البر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منہاجنامہ کے والد حکیم بن حزم کی خطی تصانیف میں اس کے بیان کا صوابی نام مقام تھا، اس کے ترجمہ کے بھی مشاؤ گزرنے سے ان کا تعلق تھا لیکن حضرت عمرؓ میں اس وقت تک اختلافات کے رد و اطمینان کی انتہی حد تک نہیں پیدا ہوئی تھی کہ اتنے بڑے غزوے میں ان کے ساتھ کسی قسم کی رد و عایت نہ ہو گئی۔

کہ دنیا اس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ ان اخلاقات کے باب میں عرب کے جذبات کس حد تک تلک تھے، مگر سنی کی تربیت نے ان ہی عروں میں کس رنگ کو پیدا کیا، یہی حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں، کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی ناگوار اور بی بدلت کی خبر آپ کو ملتی تو فرماتے کہ

ما بقیت انا و ہشام فلا یكون ذلک
جب تک میں اور ہشام دونوں اوصی باقی نہیں نذر
اسلامیاب ج ۵ ص ۶۱

جس وقت آپ حضرت علیؓ کے مسلک کی طرف سے اس طریقہ کار کا اعلان ہوا کہ باوجود اختلاف رہنے کے آپس میں ایک کا دوسرے سے جدا ہو جانا یا مخالف ہو جانا غیر ضروری ہے بلکہ اختلاف کے ساتھ اتفاق کو بہر حال باقی رکھنا چاہئے جب قرآنی قرأت کے ذریعہ آپ نے صحابہ کی ملی تربیت اس سلسلہ میں شروع کی تو ابتداء میں بعض خطرناک واقعات بھی پیش آئے جن میں سب سے زیادہ اہم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے صحابہ میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت بھی جاتی تھی کہ ان میں وہ اقرار ہوتے تھے یعنی قرآن کے پڑھنے والوں میں یہ سب سے اچھے تھے اس اقرار ہونے کی یعنی سب سے اچھا قرآن پڑھنے والے اس کی سند بارگاہ نبوت سے ان کو ملی تھی، قرآن کے ساتھ ان کی خصوصیت کا ذکر مختلف طریقوں سے کتابوں میں کیا گیا ہے، بہر حال ان کے ساتھ ہی ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی کہ مسجد نبوی میں دو اصحابوں کو نماز میں قرآن کو اس طرح سے پڑھتے ہوئے انھوں نے اصحابوں کی قرأت کے مطابق نہ تھا اور خود ان دونوں کی قرأتوں میں بھی اختلاف تھا حضرت ابی بن دونوں کو ساتھ لے گئے وہ بلا در نہایت پناہ میں حاضر ہو گئے اور جو واقعہ تھا اس کا اظہار حضرت ابی نے کیا، آپ حضرت علیؓ کے دووں کو حکم دیا کہ جو کچھ تم نے پڑھا تھا مجھے سنا دیجو دونوں سنا چکے تو حضرت ابی کہتے ہیں کہ حسن شاہ عبدالودودوں ہی کی قرأت کو آنحضرت علیؓ نے سراہا اور کہا کہ خوب پڑھتے ہیں حضرت ابی جن کا خیال تھا کہ قرأت قرآن میں تمام صحابہ میں میں سنا سنا جانا ہوں اپنے نزدیک خیال رکھتے تھے کہ جس قرأت کو میں

ہے تاہم یہ کہ ایک شخص علیٰ اللہ علیہ وسلم بھی اس کو پسند کر سگے، لیکن تاہم یہ کہ ایک شخص
تقریب کی آمد پر ایسی دو قرآنوں کو آپ نے سراہا جن میں خود بھی ہر ایک کی قرأت دوسرے کی
قرأت سے مختلف تھی یہ حالات ایسے تھے کہ آپ جیسے راسخ و متقادموس کا بیان ہے کہ **ما یحکم**

تستطی فی من التکلیب ولا اذکنت فی الجاحلیت

سمجھا آپ نے کیا مطلب؟ حضرت ابی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرأت کے ان قدرتی اختلافات میں سے
ہر ایک کے لئے گنجائش پیدا کرنا بلکہ دو مختلف باتوں کی تحسین و تعریف ان کی اس قدرت کے
نے جس میں سرے سے اختلاف ہی کی برداشت کی صلاحیت نہ تھی، اسی قدرت کو قرآن کے متعلق

فرج میں اتھوئی شکلوں کے برداشت کر لینے پر آمادہ کرنا ایک ایسی بات تھی کہ مسلمان ہونے کے
باوجود کہتے ہیں کہ العباد باللہ یغیر کی شہادت اور رسالت ہی کے متعلق شک نہیں بلکہ جیسا کہ وہی کہتے
ہیں تکذیب کا شعلہ بھڑک اٹھا، اور کیسا شعلہ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت یعنی اسلام لانے سے

پہلے کی تکذیب کی جو کیفیت طلب میں تھی، اس کو اس تکذیب سے کیا نسبت؟ گویا ایمان و اسلام
کا سارا سرمایہ اس حسی ذکاوت پر قریب تھا کہ فرماں ہو جائے جو موردی طور پر بلاں میں منبیر علی اللہ علیہ وسلم کی تربیت
سے پہلے موجود تھا اور قریب تھا کیا معنی؟ وہ نو کہتے ہیں کہ سب کچھ کھوجا تھا سارا سرمایہ ایمان کا اسی آگ کے شعلوں

میں بحکم ہو چکا تھا وہ خود کی ہر بات تھی کہ یہ فوری کیفیت ان میں اس وقت پیدا ہوئی جب العالمین کی رحمت علی
اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ کھڑے ہوئے تھے حقیقت یہ ہے کہ حضرت انی کا قصہ گویا یوں سمجھئے کہ اسی وقت ختم
ہو چکا تھا ان حضرت علی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس کیفیت کو تار پیا یا کشفا آپ بران کے قلب کی حالت
کس کی حضور علی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی قبائش کے جو آپ کا عام قاعدہ تھا غمخس فرمایا کہ انس وقت

لے وہ غمخسے صحابی حدیث کے سب سے بڑے مستند شامع مولوی علی کے خیال کے مطابق بیان کیا ہے
محل پر گھر مری حاسد سے کا وقت میں نہ ہوئی من ملاح کے معانی کہ تو نے مرنے کی کوشش نہیں
لے اس نے چکی ہے تاکہ حضرت ابی کا دامن ایسے سخت لزیم سے پاک رہا و لاؤہ عونی کا دوسرے کی رو سے

دست نہیں ہے نیز اس فقرے سے جو نتیجہ پیدا ہو گیا اس کو بھی ان کا مطلب مفصل کر دیتا ہے حضرت نبی
کا جب وہ حال ہائی نہ تھا تو اب ان پر لزیم ہی کیا رہ جاتا ہے کئے صحابی میں جو فکر کی بدترین حالتوں سے نجات
باب جوئے کیا اس نے کہ وہ صحابی میں دن واقعات کا انکار کر دیا جاتے جا

ضرب فی عدہ ہری وہ تھڑکے سینہ پر ہاں حضرت علیؑ علیہ السلام

یہ روحانی تربیت کے سلسلہ میں توجہ کی ایک شکل ہے تو جہاں وہ بھی قاضی کاغیاہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کا رگڑ نہ ہو تو اوروں کا کیا۔ مگر کہتے ہیں

کچھ بھی ہو میں تو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ قرین میں مسلمانوں کو باہمی اختلاف سے جو منع کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب سمجھ لیتا کہ جو اختلافات قدرتی واقعات کے لازمی نتائج ہیں ان اختلافات سے مسلمانوں کو روکنا کیا تھا صریح نہیں ہے بلکہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کا فائدہ ہے

نہایت کبیر بن شیخ مکرر مدظلہ علیہ السلام نے قوم کی مختلف قسموں کو بتاتے ہوئے "قوم بالذہن" یعنی انہیں تو جو
اس کو بھی تو جو ایک قسم قرار دی ہے انہی میں کعب کی اس عداوت کے سوا حضرت جریر بن عبداللہ اکیلی رضی اللہ
عنا عنہ کے اس واقعہ کا جو حدیثوں میں مذکور کیا گیا ہے کہ گھوڑے کی پیٹ پر چرم کردہ بیٹھ بیٹھ سکتے تھے، مسخرات
صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس کردی کا انہماک کیا کہتے ہیں کہ اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم
بلیدی سے کام لیا یعنی ان کی پیٹھ کو دو فوں انھوں سے آپ نے ٹھوک کر فرمایا کہ اب پیٹھ پر جان کو لگاؤ
اگر اس نبوی قوم کے ہمد گھوڑے پر سوار ہونے کے ساتھ ہی ایسا سلوک ہوتا تھا کہ اس کی پیٹھ پر کوئی بیٹھ سکتا

ان اختلافات کا بننا اس کا انداز مقصود تھا اور اسی کا مطالبہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ یہی آدم کے اختیار میں ہے وہ غیر اختیاری امور کے مطالبہ کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ مطلب نہیں ہے تو قرآن کی ان آیتوں کے پڑھنے والے اس کا کیا جواب سوچا کرتے ہیں جب ان کے سامنے ابتداء سے آخر تک مسلمانوں کی ساری تاریخ جس میں ہمد صواب بھی شریک ہے اور اختلافات سے معور اور بھری نظر آتی ہے کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اول سے آخر تک بہرے اور اندھے بن کر سارے مسلمان قرآن کے ایک ایسے تافنن کو مسلسل انتہائی لاہم و اتیوں کے ساتھ توڑنے رہے جس کا بار بار مختلف الفاظ میں اس کتاب میں اعادہ کیا گیا ہے۔ مالکم کیف تحکمون۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآنی قرأت کے اختلافات کی ایک ایسی تصدیق صورت پیدا ہو گئی کہ مسئلہ اختلاف میں جو مطلوب تھا اس کو غیر مطلوب سے الگ کر کے دکھانے کا موقع ملا آپ کو مل گیا اور اس کا عملی درس مختلف شکلوں میں صحابہ کو دیتے رہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہتے ہیں کہ میرے ساتھ بھی ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی کہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ قرآن کو کچھ ایسے طریقے سے پڑھ رہا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے پڑھنے ہوئے نہیں سنا تھا، میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جو کچھ اس نے کیا تجا بیان کیا، ابن مسعود کہتے ہیں کہ جس وقت اس قصہ کو خدمت مبارک میں عرض کر رہا تھا، میں نے اُن حضرت کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار محسوس کئے اسی مکدر چہرے کے ساتھ آپ نے ہم دونوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ

افراء افلاکما بحسن دونوں جس طرح پڑھتے ہو پڑھتے رہو، تم دونوں

ٹھیک پڑھتے ہو

ابن مسعود کی اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ

ولا تختلفوا قلن من کل قلمکم

مختلفا فکلوا (جہ غفرہ) اس میں ایک دوسرے سے متفق نہ کیا کرو تم سے پہلے ہی لوگوں نے حقوق کیا تھیں

آپ دیکھ رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو دیکھ رہے ہیں، دونوں کی قرینوں میں جو اختلافات تھے ان کو باقی رکھتے ہوئے، دونوں کو سراہتے ہوئے ہر ایک کی تحسین کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ ”اے میں میں اختلاف نہ کیا کرو“ کیا یہ سوچنے کی بات نہ تھی کہ اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے اس حکم کی تعمیل کی یعنی مختلف افراد آپس میں اختلاف نہ کیا کرو، کی تعمیل کی ممکنہ شکل کیا ہو سکتی ہے؟ ممکن ہے کہ کھنے والوں نے نہ لکھا ہو لیکن بعد ازاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء مبارک کو مسلمان ہمیشہ سمجھتے چلے آئے ہیں اور سمجھانے والے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں جو اصل واقعہ ہے اس کو سمجھانے رہے ہیں۔

میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ذکر کر رہا تھا کہ تدوین حدیث کی تاریخ میں ان کی تیسری اہم خدمت یہی تھی کہ اختصاصی راہوں سے حدیثوں کا جو ذخیرہ مختلف افراد میں پھیلا ہوا تھا، ان کی وجہ سے علم و عدم علم کو اختلاف کا جو ایک بڑا خطرناک پہلو پیدا ہو سکتا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جہاں تک میرا خیال ہے قرآنی اختلافات کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو عملی نمونے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے ان ہی کو پیش نظر رکھ کر اختلاف کے اس خطرے کے اسناد کی پوری کوشش کی۔

ہوایہ عسبیا کہ ہونا چاہیے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں دونوں راہوں سے یعنی خبر احاد کے صلوات میں کی و منشی یا ان کے متعلق علم و عدم علم کی وجہ سے نیز رہتی دنیا تک عقلی راہ و دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جو کھولی گئی تھی اس راہ میں نتائج و نظریات کے اختلاف کی وجہ سے قدیمی اختلافات کی جن شکلوں کا پیدا ہونا ناگزیر تھا ان کی پیدائش کا سلسلہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا میں تو سمجھتا ہوں کہ ابن ابی حنیہ کے جو اسے مذہبی نے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ

حضرت ابو بکر صدیق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان الصلین جمع الناس بعد وفات

و سلم کی وفات کے بعد انہوں نے جمع کیا احادیث کو

انہو صلی اللہ علیہ وسلم قتال

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رَسُوْلِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رَسُوْلِكَ
 عَلِيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدِيْثِ تَفْتَخَرُوْنَ بِهَا
 وَلَمَّا نَسَّ بَعْدَ كَرَامَتِهِ اَخْلَا فَاَخْلَا
 تَعَدَّى اَخْلَا مِنْ رَسُوْلِ اَللّٰهِ شَيْئًا مِنْ
 مَا لَكَ فَطَرُوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كِتَابُ اَللّٰهِ
 فَاسْمَعُوْا حِرْلَانَهُ وَحَرَمُوْا حُرْمَتَهُ
 (تذکرۃ السنۃ للذہبی ج ۱)

مگر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیثیں
 روایت کیا کرتے جو جن میں باہم اختلاف کرتے جو
 اور تمہارے بعد کے لوگ اختلاف میں زیادہ سخت
 ہو جائیں گے میں چاہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی طرف منسوب کر کے کوئی بات ذیباں کیا
 کر، پھر تم سے اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیا کہ وہ ہمارے
 اور تمہارے درمیان مشترک کا نفل اللہ کی کتاب
 ہے پس چاہئے کہ اس کتاب نے جن چیزوں کو حلال
 کیا ان کو حلال قرار دیا اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا

ان کو حرام ٹھہراؤ،

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تدوین حدیث کی تاریخ میں عہد صدیقی کا یہ دقیقہ بہت زیادہ اہمیت
 رکھتا ہے خصوصاً اس کی اہمیت اس سے بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ یہ حکم کسی وقتی تاثر کا نتیجہ نہیں بلکہ
 ہوتا بلکہ روایت کے لحاظ سے جیسا کہ معلوم ہو رہا ہے صدیق اکبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
 صحابہوں کی باضابطہ ایک مجلس منعقد کی اور اس مجلس میں انھوں نے اپنی اس تجویز کو پیش کیا ہے
 لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟

مجھے اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ تجویز کے واقعی اگر یہی الفاظ تھے جو اس وقت ہمارے سامنے
 ہیں تو ہر پڑھنے والا اس سے اسی نتیجہ تک پہنچے گا کہ حدیثوں کی روایت کے سلسلے کو حضرت ابو بکر چاہئے
 تھے کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے روک دیا جائے۔

فَوَصَّلْنَا رِوَاغَ رَسُوْلِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رَسُوْلِكَ
 رَسُوْلِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رَسُوْلِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رَسُوْلِكَ

قسم کی کوئی بات ذیباں کیا کر

سے زیادہ واضح تغیر اس مقصد کی اور کیا ہو سکتی ہے؟

مگر سوال یہ ہے کہ واقعی ان کا اگر یہی مطلب تھا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کی اس تجویز کو مسلمانوں نے قطعی طور پر مسترد کر دیا نہ صرف پچھلے ہی زمانہ میں بلکہ صحابہ بھی ہمیشہ حدیثوں کی روایت میں مشغول رہے اور دوسروں کو کیا کیا جاتے اس تجویز کا علم تو ہم تک ایک ہی روایت اور سند کی راہ سے پہنچا ہے لیکن بیسیوں روایتیں ولایت کرتی ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ خود اپنی تجویز کی مخالفت کرتے رہے ازلۃً اخصاً میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا تخمینہ ہے کہ

تقریباً ایک سو پچاس حدیثیں حضرت ابو بکرؓ کی روایت کی جو میں حدیثیں کے اہل حق میں باقی رہ گئی ہے۔

ابن جوزی نے ۱۱۲۲ھ حدیثوں کا ذکر لفظی بن غلی کی سند کے حوالہ سے کیا ہے دو کچھ تالیفات ۱۵۰۰ھ تک بھی چھوڑ کر بلا حرج و زالی ایک روایت کے مقابلہ میں سو ڈیڑھ سو روایتیں اس پر ولایت کرتی ہیں کہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ بلکہ متعدد روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں سے صدیق اکبرؓ پوچھتے تھے کہ کوئی حدیث

نے شاہ صاحب قدس سرہ نے یہ سوال اٹھا کر کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل محبت پیغمبر کے ساتھ ان کے گونا گوں خطرات و غیر امور کے لحاظ سے مذکورہ بات غلط و حدیثوں کی بہت تھوڑی معلوم ہوتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا ہے کہ حدیثوں کی روایت کا زیادہ تر موقع صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر کو چوں کہ ان حضرت کے بعد بنائیں رہنے ہی کا زیادہ موقع نہ ملا۔ اور وہ بھی سوغات اور اس دنیا کی ساسی چیزوں کے اندھ ہو گیا تیرہن کے لئے اس سے ایسے لوگ جن کو اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بلکہ میں ماضی کی سعادت میری ہی تھی بہت کم مدینہ پہنچے تھے، صحابہ یار و ان ہی لوگوں سے حدیثوں کو بیان کرتے تھے وہ جو خود شرف محبت سے نفع باب تھے حجاج کشیدہ سے ازاں مادیت و سطر سے بلکہ اکثر حدیث از زبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غنیدہ ہونے والا جو ۲۰ بیڑیک لکھا ہے یہی چہنی کہ حدیثوں کے بیان کہ ان کی ضرورت و لغات و حوادث کے چنی چنے کے وقت چہنی تھی ابو بکر صدیقؓ کو اتنی تھوڑی مدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تھی کہ وہ ان کے ساتھ کم چنی پاتے ؟

پیش آنے والے واقعہ کے متعلق ابن کوسم ہند بیان کریں جو یہی ہے کہ پھر دیر چلے یہ سن چکے کہ میرا شجرہ
میں حضرت ابو بکرؓ نے صحابیوں سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا حکم
کیسے پاس ہو تو بیان کرے۔

سوال یہی ہے کہ پھر آغلان کی اس تجویز کا واقعی مقصد کیا تھا قطع نظر ان باتوں کے کہ عام مسلمانوں
نے ان کی تجویز سنی، اور نہ صحابیوں نے اور خود ان کا طرز عمل اس تجویز کے مخالف ہے اصولی سوال یہ
ہوتا ہے کہ جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع نہیں کیا تھا بلکہ گزر چکا کہ کثیر سے
روکنے ہوئے لوگوں کو اس پر آمادہ فرمایا تھا یعنی کثرت اشاعت سے روکنے ہوئے حدیثوں کی روایت
کرنے والوں کی ہمت افزائیاں کی گئی ہیں جن پر تفصیلی بحث گندھکی

بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ کسی روایت کے چند الفاظ کو لے کر اس پر اس لئے صراحت کرنا کہ
اپنی خواہش کی ان سے تائید ہوتی ہے، نہ یہ دین ہی کا اقتضا ہے، اور نہ علمی دیانت داری میں اس قسم
کی خیانتوں کی گنجائش ہے حقیقت جوئی یا واقعہ کی تحقیق کا طریقہ یہ نہیں ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے
خود تراشیدہ اہام یا من مانے خیالات کو دوسروں پر خواہ مخواہ مسلط کرنے کی یہ ایک غلط اور مجرمانہ
نہ میر ہے۔

آئیے اب اس روایت کے سارے الفاظ کا مطالعہ دوسرے واقعات کی روشنی میں کیجئے
پہلے اس کو دیکھئے کہ مجلس میں اپنی تجویز کو رکھنے سے پہلے تہیدی تقریر حضرت ابو بکرؓ نے جو فرمائی
تھی اس کے الفاظ کیا تھے

تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث	اے محمد بن رسول اللہ
روایت کیا کرتے ہو، جن میں اہم اختلاف کرتے ہو	صلی اللہ علیہ وسلم احادیث
اور تبارے ہر دو گہ اختلاف میں زیادہ سخت	تختلفون فیما والناس بعدکم
ہو جاتی گے۔	اشد اختلافنا

(باقی آئندہ)

دلائل القرآن

اسنا

(جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی)

مستشرقین یورپ کی اندھی تقلید میں بعض دوسرے لوگوں نے قرآن مجید کے متعلق پچاں بڑی قطعیت سے ظاہر کیا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بنی کے الفاظ میں کیونکہ نبی اور خدا کے اسلوب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سطور ذیل میں اس مسئلہ پر ہم کسی حد بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ غلط فہمی دور ہو جائے اور تصویر کا صحیح رخ سامنے آجائے۔ اصل بحث سے پہلے چند باتیں پیش ہیں۔

دلیل عقل و دین | قرآن حکیم خدا کا ایسا کلام ہے جس کو نہایت کھلا اور آسان بھی کہہ سکتے ہیں اور نہایت چھپا اور مشکل بھی۔ اگر وہ ایک طرف معانی اور محنتوں کا سہا پہا یاں سمندر ہے تو دوسری طرف اس کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ عرب کے ان پڑھ بد مذہب اس کو سن کر سیدھا سادا مطلب سمجھ جاتے تھے، خواص صحابہ جو اعلیٰ فہم و فراست اور دیگرے علم کے مالک تھے اور جن کی دانی وانی مسلمان اور غیر مسلمانوں پر تھا اور جو اسلام کے مذہب نمونے کو دن رات دیکھتے رہتے تھے ان کو بھی ایک ایک سورہہ کے مطالب پر برسوں غور کرنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ وہ اس بجز ناسپہرا کنار کے احاطہ سے عاجز ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ کلمہ ہزار تھے اور جو باور لے فہم انسانی تھیں سے کہ نہ کسی اختصار فرمائی اور صرف آیات حکمت جو روح قرآنی کہی جاسکتی ہیں ان کے علم فہم نفوذ اور تدبیر قیامت کی مدد سے یہ بقدر ضرورت دنیا سارے دنیا کو اپنے کی فکر میں پڑی کیونکہ اگر قرآن عزیز کو سطح سے دیکھا جائے تو ایک نظر میں مسجد دیکھ سکتے ہیں اور اگر اس کی گہرائیوں کو تھیس کے ساتھ ناچنا چاہیں تو جس حد گہرائی میں جانیگے اس سے آگے اس گہرائی میں ملتی جاسکتی ہے ”وعدنا بہما ان باتی“

قرآن مجید کی عظمت و بلندی، الفاظ و معانی اور فصاحت و بلاغت پر نزول قرآن کے وقت فیروز کی شہادت بڑا وزن رکھتی ہے۔ اس کے برعکس نہیں کہ اگر یہ شہادتیں نہ ہوتیں تو خدا نخواستہ قرآن کی افادیت یا عظمت پر کوئی حرف اُجاتا ایسا ہرگز نہیں سمجھا جاتے۔

۷، در دینِ نوح حضرت خدیجہ کے ابن عم جو بہت بوڑھے نصرانی تھے اور جاہلیت میں شرک سے تائب ہو چکے تھے جب قرآن کی پہلی پہلی آیات سنیں تو کہا یہ کلام اسی طرز کا کلام ہے جیسے موسیٰ پر اُتر ا تھا۔ (بخاری)

(۲) ولید بن مغیرہ کو کافر بنا اور کھڑی پر در لکھتے ادب و تفاہیر میں اس کے یہ الفاظ منقول ہیں ان اعلام و علوم و ان اسفلہ لمخلوق اس کا اوپر کا حصہ تپہ والا سر سبز ہے اور حصہ زیریں دان للظلاوة دان علیہ لحدوۃ پھل والا ہے۔ اس میں ایک رونق پائی جاتی ہے اور اس پر ایک شیرینی ہے۔

کہ کی ۱۳ سالہ زندگی میں قرآن عزیز ہی سب سے بڑا اختیار تھا جس سے آنحضرت صلعم مقابلہ کر رہے تھے اور مجبوراً معاذین کو سپردِ مال دینی تہیٰ تھی۔ یہی ولید منقہ رائے سے بھیجا گیا تھا کہ جا کر قرآن اور صاحبِ قرآن کے اثر کو کم کرے مگر باوجود ان کوششوں کے قرآن کی سیادت اور کلام کی جاگیر پر ٹک نہ سکی۔ ولید قرآن کی حقیقت جاننے کے باوجود آخر تک مندر پر قائم رہا چنانچہ اسی کے رد میں قرآن کی آیات ذیل نازل ہوئیں۔

”ذُکِّرْ بِتٰوْحٰیثٍ مِّنْ خَلْقَتِ جَبِلًا“ (الاعراف: ۱۸۰)

حواشی حضرت شیخ ابھند میں ہے کہ ولید ایک بار آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے قرآن پڑھ کر سنا یا جس سے کسی قدر متاثر ہوا مگر ابو جہل نے اس کو مدغلیا اور قریش میں چرچا ہونے کو کہہ کر مسلمان ہو گیا تو بڑی غراہی ہو گئی غرض سب جمع ہوئے اور آپ کے بارے میں گفتگو ہوئی کسی نے شاعر کو کسی نے کاہن بتلایا۔ ولید ہوا کہ میں شعر میں خود پڑا یا ہر مہول اور کاہنوں کی باتیں بھی سنی ہیں قرآن نہ شعر ہے نہ کہاوت نہ لوگوں نے کہا کہ آخر میری کیا رائے ہے کہنے لگا کہ خدا اس پر نازل

لے ص ۱۱۱

اور پھر کہ واللہ یا ابوالولید بلسانہ کہتے ہوئے بہت گئے۔ غصہ نے کہا۔

ہذا سراہائی فیکرم فاصنعوا ما بادلکم یہ میری طرف سے ہے تمہارے جی میں جو گئے کہ غزوہ
 (۱) نضر بن حارث مہم حیرہ بڑا زمین دہیم شخص تھا۔ سیاحی کرتے ہوئے بلاد فارس میں
 پہنچا اور فارسی زبان میں جاہلیت پیدا کی قریش نے اس کو اپنا یا امد دعوت اسلام و تاثیر قرآن کے
 کم کرنے کے لئے یہ دوسرا قدم اٹھایا گیا چنانچہ نضر بن حارث نے معیار حسن کلام داستان گوئی قرار
 دے کر قہر و کسری اور رسم و اسفند بار کے قصوں کو کعبہ میں سنانا شروع کیا اور یہاں تک بول اٹھا
 کہ محمد مصلم کیا جو سے عمدہ بات کہتے ہیں؟

جواباً اس حضرت مصلم نے سورۃ دن کی آیات ذیل تلاوت فرماتیں
 ذَا الْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُّنَ - الی آخر سورۃ القلم۔

عجیب بات کہ نضر لوگوں کو اپنے قصوں میں پھنساتے ہوئے تھا مگر لوگوں کے دل قرآن مجید میں
 لینے کے بعد اسی طرف متوجہ تھے اور رونہ و زرقان دلوں کی بستی آباد کرنا جا رہا تھا حسب تصریح
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ تو آیتیں اسی نضر بن حارث کے بارے میں اتری ہیں اور جہاں کہیں قرآن
 میں - اساطیر الاولین - آیا ہے اس سے اسی کے قصوں کی جانب اشارہ ہے اسی طرح ایک
 اور طریقہ قرآن کے اثر کم کرنے اور نبی کی دعوت کو نکامیاب بنانے کے لئے اختیار کیا گیا اور ایسے
 سوا لھت حسب تصریح اور باب سیر مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے کئے جو حد درجہ مشکل تھے
 اور ظالم الفہم یا کج و معاندین کے لئے تو اللہ سبحان روح ہو سکتے ہیں مگر ایک نبی کے لئے جس کو
 ہر طرح کی تائید و تادی حاصل ہو کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتے تھے، صحیحین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود
 دین نے ہی حضرت مصلم سے روح کے متعلق سوال کیا تھا اسی بناء پر آیت کے کی اور مدنی ہونے
 میں اکتوف ہے۔

لیکن قریش نے سورہ نبی اسرئیل میں یہود و حیرہ کے سوال کا جواب یہی صفا فی سے دیا
 چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَسَبِّحْهُ نَزَّاعًا مِّنَ الْمَرْجِّ قَبْلِ الْمَرْجِّ
مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ
الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

نہرے پوچھنے میں روح کو کہہ دے روح ہے
میرے رب کے حکم سے اور تم کو تھوڑی سی
خبر دی ہے۔

ان مختصر جامع الفاظ کی زمیں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالمی دماغ مکتدرس فلسفی اور ایک عارفِ کامل کی راہِ طلب و تحقیق میں چراغِ ہدایت ہیں۔ یہود میں اس کی حقیقت و ماہیت کے سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہیں بتایا اور نہ پیغمبروں نے کبھی مخلوق سے ایسی باتیں کہیں بس اتنا جانتا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آ پڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی وہ مر گیا۔

روح کے سلسلہ میں اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق بھی سوالات تھے سورۃ الکہف میں بڑی تفصیل سے ان کا جواب دیا گیا اور قریش کا رد کیا گیا کہ پھر نر دیر اور جواب کی جرأت نہ ہو سکی اور سب مخبر ہو کر رہ گئے۔

۱۔ ان تمام تدبیروں کے بعد قریش نے زبردستی لوگوں کو قرآن پڑھنے سے روکنا شروع کیا مگر چپکے سے پھر بھی سننے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ ابنِ اسحق نے ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک رات یوسفؑ، ابوجہلؓ اور انھیں چپکے سے نکلے کہ آنحضرتؐ صبح راتوں کو جو قرآن تلاوت فرماتے ہیں اس کو سنا جائے غرض ہٹے یا کہ ہر شخص الگ الگ سنے۔ اور پھر پوری رات قرآن مجید کے سننے میں گذر دی جب صبح ہوئے آدمی شک دئے جب تمام اٹھا ہوتے تو تلاوت کرنے لگے کہ اب ایسا نہ کرنا چاہتے مگر عام لوگ دیکھ لیں گے تو نہ جانے کیا کیا خیالات اپنے دل میں قائم کر لیں گے۔ یہ قصہ تین راتیں مسلسل صبح کو انھیں چھڑی لئے ابو سفیان کے گھر پہنچا اور پوچھا۔

اخبرنی یا ابا حنظلہ عن رايك فيما
سمعت من محمد بن عبد الله فقال يا ابا
حنظلہ ان الله قد سمع اشياء

۱۔ یہ خطبہ بناؤ محمد سے جو تم نے سنا ہے اس
کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا اے
ابو حنظلہ خدا کی قسم میں نے ایسی چیزیں سنی ہیں جن

۱۲ عرفہ اور اعراف ماہ پر ادھا جمعہ کو میں سمجھتا ہوں اور اس کی مراد سے یہی طائف ہیں
 ۱۳ شیاعہ اعراف معانہ اولاما اور بعض ایسی باتیں سنیں جن کو زمین نے سمجھا
 ۱۴ پر ادھا علالہ الاخنس وانا اور نہ اس کی مراد تکہ رسائی ہے جو اب اخنس نے
 ۱۵ واللہ فی حلفت بہ کل لک اس سے کہا کہ میں بھی ایسا ہی طائف کہتا ہوں۔

اس کے بعد ابو جہل کے پاس گئے اور یہی سوالات کئے اس نے لمبی تقریر کے بعد کہا۔
 ۱۶ واللہ لا تو من بہ ابدالاً ولا نصلاً قسم خلی میں نہ کہیں اس پر ایمان نہ دوں گلاس میں
 ۱۷ فقام عنہ الاخنس ورتو کہ انقدر ہی کر دوں گا۔

یہ بات سن کر احنس کو برا معلوم ہوا اٹھا اور اس کو چھوڑ کر چل دیا۔

غزیکہ قریش جس قدر قرن کے اثر کم کہنے کی سعی کئے اسی قدر قرآن لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا چاہتا تھا۔ یہو عصبیت جا ملیہ اور اقتدار پرستی کے زعم باطل میں کہاں سے یہ طاقت آسکتی تھی جو قرآن کی دعوت و پکار کو دبا دیتی۔ قرآن تو ایک موثر اور دلربا ہر زبان اور دیا کا ساتھ ج لے کر آیا تھا ساتھ ہی اس لیے کلام کا تفسیر اور تہنستانہ خان و شکوہ کا مالک تھا لذت و ملامت کا یہ عالم تھا کہ بدترین دشمن اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سپردال دیتے تھے واقعات بلا شاہدین صحابہ میں جو لوگ سلیم الفطرت تھے ان میں سے اکثر کا حلقہ بگوش اسلام ہوئے گا واحد سبب صرف اس کلام مقدس کی آیات کا سنا اور اس سے مدد پر متاثر ہونا کتب احادیث و سیر میں ایک سے زائد واقعات موجود ہیں۔ مثلاً ابوذر غفاری، عثمان بن مظعون، ابو سلمہ، ارقم بن ارقم، فضیل بن عیوذ، ابو جہیدہ، خالد اللہی، سہامی اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ تلخیص اسلام میں بڑی جامعیت رکھتے ہیں طیف دوم نے اپنا واقعہ خود بیان فرمایا ہے کہ میں تمام لوگوں میں آنحضرت صلیم کا سب سے پہلا اور شدید دشمن تھا آخر میں میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ سارا قصہ ہی کہوں دپاک کر دیتا ہوں چنانچہ میں ایک روز اسی دروازہ سے شمشیر بہتہ مٹا راستہ میں بعض لوگوں نے کہا کہ تم کو کچھ اپنے گھر کی فکر

۱۸ لے آؤ میں قرآن مجید صبح لکھ رہا

یہی جتنی باری بہن دین آباد و اجداد سے پھر گئی ہے چنانچہ میں لوٹ پڑا اور درودانہ پر دسک دی مذ سے آواز آئی کون۔ جواب دیا عمر۔ یہ لوگ ایک صحیفہ پڑھ رہے تھے فوراً دھر دھر بھاگے اور بچنے لگے اندہ جا کر پھر پوری اوجھ بھائی بہن اور بہنوں کو خوب زد و کوب کیا جب فدا طبیعت سنہلی کہلا گیا پڑھا جا رہا تھا سورۃ ملہ کی ابتدائی آیات ایک صحیفہ پر لکھی ہوئی تھیں رجموٹے حروف میں لکھا جایا کرتا تھا آج کل کی طرح حروف چھوٹے اور شائیت نہ تھے۔ ستلی گئیں انہو پر خودی فرماتے ہیں نفع اسلام فی قلبی کل موقع۔ اس کے بعد اسلام میرے دل کے اندر پورے پورے طور پر اتر گیا یہ کون سی چیز تھی جس نے عمر جیسے ماہر کلام عرب اور عرب کے عکاظ کے میل کی اکاڈمی کے ممبر، ناقد اور بصیر اشعار عرب پر اثر کر گئی و ظاہر ہے کہ اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جذبان وحی الہی نے اختیار کی ہے ایسی ہی زبان اور ایسا ہی کلام تمام شعراء عرب و بلغارستان کے مطلب کرنے کے لئے ضروری تھی جس وقت سے قرآن کے جلال جہاں اترانے غیب کی نقاب الٹی اور لولا دوم کو اپنے سے روشناس کیا اس کا ہر ابرہہ ہی دھوٹے سہا کہ میں خدائے قدس کا کلام ہوں اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے ٹھیک اسی طرح خدا کے قون جیسا قون بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی قرآن میں دھول الی اللہ اور تنظیم و نہایت خلاق کے وہ تمام قوانین و طرق موجود ہیں جن سے آفرینشِ عالم کی عرض پوری ہوتی ہے اور جن کی ترتیب و تدوین کی ایک امی قوم کے امی فرد سے کبھی امید نہیں کی جاسکتی ہے۔ اور تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

دس سال کا زمانہ گذر گیا مگر فریش اپنی ضد اور ہمت پر سختی سے برابر قائم تھے بلکہ مستہزہ اور مذاق پر اتر آئے اور ہر ممکن طریقہ سے قرآن کے اثر کو ختم کر رہے تھے۔ اس مصیبت جاہلیہ سے آپ تنگ آ گئے اور طائف ہجرت فرمائی وہاں بھی اشرار نے کوئی دقیقہ اٹھا د رکھا۔ واپس تشریف لائے قیام کر رہی ہیں اور دھرم سے بہت سے دھوٹاتے رہتے آپ ان کے سامنے قرآن پیش فرماتے۔ انہیں لوگوں میں سے ایک شخص سوید بن الصامت تھا جو علم اور عقل میں کامل گنا جانا تھا

قرآن سمجھنے کے بعد کہا کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی چیز ہے جو آپ کے پاس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون سی چیز ہے؟ پاس ہے؟ سوید نے کہا نعمان کی حکیمانہ باتیں آپ نے فرمائی کہ پیش کر دو۔ اس نے پیش کیا آپ نے فرمایا یہ کلام بھی اچھا ہے۔
 عَلَّامُ الْغُيُوبِ اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ الَّذِیْ هُوَ اَفْضَلُ مِنْ
 عَلَیْهِ عَلَّامُ الْغُیُوبِ اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ الَّذِیْ هُوَ اَفْضَلُ مِنْ
 لٰكِن مِّمَّا فَرَغَ مِنْهُ لَیْسَ بِمِثْلِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِکَ
 مَوْجُوْدٌ یَّهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ
 مَوْجُوْدٌ یَّهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ
 مَوْجُوْدٌ یَّهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ

علی ہو ھدی و نورا

اس کے بعد چند آیات تلاوت فرماتیں جس کو سوید نے پورے دھیان اور توجہ سے سنا اور پھر یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا کہ ”یہ کلام بہت خوب ہے“

فرض و فود اگر متاثر واپس جاتے اور قرآن کی دعوت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس اثر کو اور زیادہ ترقی دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعب بن عمیر کو قرآن کا پہلا معلم قرار دیا چنانچہ لوگوں میں آپ قرآن اور تعلیم اسوہ پھیلانے اور سکھانے لگے اور بطور علم ”المفری“ کے نام سے موسوم ہوئے۔
 قرآن مجید کا پہلا مدرسہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یعنی آسمانی کتابیں آئیں جن کی حفاظت ان کے علماء کے ذمہ تھی، اور وہ کتابت کا سلسلہ تھا قرآن عزیز کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہمنام رکھی اور اس کی صورت پیغمبر اسلام نے حفظ اور زبانی یاد تجویز فرمائی۔ حالانکہ قرأت اور کتابت جانتے والوں کی فہرست میں اولین نام حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ و حضرت زبیرؓ کا موجود ہے۔ اور کتاب الاسلام والحضارة العربیہ“ سے ۲۴ اسماء کا تبین کا ذکر مل سکا ہے اسی طرح قرآن حکیم سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان حضرات صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن نازل ہوا اور آپ اس کے حفاظ کے مکلف تھے اور ساتھ ہی آپ کا یہ بھی فریضہ تھا کہ آپ قرآن لوگوں کو یاد کرائیں، اس کے معانی و مطالب کی شروح و تفسیر فرمائیں، یہ کہ بعض کتابت قرآن میں ہے، وَكَذَٰلِكَ نَقُفُّ عَلٰی خَلِیْقٍ اٰخَرٍ اللّٰهُ مَصْنُوعًا لِّمَنْ یُّدَبِّرُہٗ (بقبرہ)

۴۲) قُلْ بِهَذَا فَتُحْجِ الْأُمِّيْنَ عَلَى قَلْبِكَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ . (الضحراء)

۴۳) اَلَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (الحجرات)

اس موقع پر ہم ایک بات صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ قرآن میں لفظ ”صحیفہ“ اور دوسرا لفظ ”قرطاس“ آیا ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی بہن کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا اور قریش نے اقتصادی و اجتماعی کاروبار کے لئے جو تحریر کیا تھا وہ بھی صحیفہ ہی کہا جاتا تھا اس لیے شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن صحف اور قرطاس کی صورت میں نازل ہوا ہو۔ اصل یہ ہے کہ صحف جمع ہے صحیفہ کی جس کے معنی لکھے ہوئے اوراق کے بھی آتے ہیں اور اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو پہلی ہوئی، اٹھانے میں ہلکی اور جس پر آسانی سے لکھا جاسکے یعنی آج کل کی کتابوں کی طرح نہ ہو پس قرآن سر جو بات معلوم ہوئی ہے وہ یہ کہ قرآن نہ تو قرطاس میں نازل ہوا جیسے توریت اور نہ بطور حصہ کے کہا جاسکتا ہے کہ تمام قرآن صحف اور قرطاس میں لکھا گیا تھا بلکہ قرآن تو صاف صاف اپنا بیان دے رہا ہے۔

۱) اَلَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (الحجرات) اس کی یہ ہے کہ محمدؐ صلعم نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں بلکہ وہ وحی جو ان پر آئی ہمیشہ کو بن لکھے سینہ بسینہ جاری رہی اور رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ و قرار کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے کیونکہ یہ صرف قرآن کا امتیازی وصف ہے اور کتابیں حفظ نہیں ہوتیں تحریر کا موقع مل گیا۔ یہ آیت کچھ صاف دلالت کر رہی ہے کہ حفظ ہی اصل و اساس تھا اور ہے قرآن کے بقا و تحفظ کا۔ ولیست التلاوة من صحف مستطوره۔

خط قرآن مجید نبیؐ میں | قرآن مجید کے حفظ اور تعلیم کا جو طریقہ آج جاری پایا جاتا ہے آنحضرتؐ صلعم کے زمانہ باسعادت میں یہ نقشہ نہیں تھا حضرت ابو عبد الرحمنؓ سلمیٰ صحابہ کرام کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرتؐ صلعم سے قرآن مجید کی دس دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ الفاظ کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی سیکھتے جاتے تھے جب ہم قرآن کا ایک حصہ ختم کرنے تو الفاظ و معانی کے ساتھ اس کے

طریق عمل سے بھی واقف ہوتے جاتے دابن جریر حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں خدا کی قسم قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری اور کس کے متعلق۔ اگر مجھ کو یہ علم ہو جائے کہ حج سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن حاصل کر دوں تاہم صحابہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ میں سب سے قرآن کی بابت زیادہ واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔ (صحاح ابوالنباری عبادہ بن الصامتؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابو زیدؓ۔ سالمؓ۔ ابو درداءؓ) آنحضرت کی زندگی ہی میں قرآن حفظ کر لیا تھا موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر کا قصہ مذکور ہے کہ آپ نے بارگاہ رسالت میں ۷ سال تک سورہ بقرہ حفظ کی اور جب تک ایک ایک آیت کو خوب نہیں سمجھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے مسند احمد میں حضرت انسؓ کا یہ قول موجود ہے "کان الرجل اذا قرع البقرة وال عمران جلد فی اعیننا" جب کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نظروں میں اس کا مرتبہ زیادہ ہو جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مردوں کے لئے تعلیم قرآن کا اہتمام فرمایا اسی طرح عورتوں کی تعلیم کے لئے حضرت سیدہؓ کو مخصوص کر دیا تھا۔ کیونکہ حکام قرآنی و احادیث نبوی قرآن کی تلاوت اور حفظ پر کثرت سے وارد ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی بلا معنی سمجھے بھی تلاوت کرتا ہے اس کو کبھی ثواب ہوتا ہے باقی یہ غلط منطق ہے کہ بلا سمجھے پڑھنا اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس خیال عام کی تردید کے لئے قرآن مجید کی ایک آیت جس کا ترجمہ یہ ہے "جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور غازی باندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے پرشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کسی ماندہ ہوگی بلکہ ان کی اجرتیں بھی پوری پوری دیں اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیں بے شک وہ بڑے بخشش والے قہدان ہیں (سورۃ فاطر)

اور ایک حدیث منخبرہ کو من تعلم القرآن وعلمہ (بخاری) تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے پڑھے اور پڑھائے۔ درج کر دی گئی ہے۔ قتال

انہیں آیات و احادیث کی بنیاد پر سلف اور خلف نے حفظِ قرآن پر کافی توجہ فرمائی چنانچہ کتبِ نعت و متونِ حدیث سے حفظِ قرآن کو لفظِ جمع، عمل، دعی، ایعار، احکام، انظہار، استظهار اور حفظِ قرآن کو آلِ القرآن، اہل القرآن، صاحب القرآن، جامع القرآن، داعی القرآن، ماہرِ قراری و در سفرہ سے تعبیر و موسوم کرتے رہے ہیں۔

قرآن کے معنی و اہل نعت نے حسبِ مادّاتِ لفظ "القرآن" پر مفصل کلام کیا ہے چند کو ذیل میں اصطلاحی معنی اہم درج کرتے ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کا خیال ہے کہ لفظ "القرآن" نہ تو ہمزہ ہے اور نہ مشتق ہے بلکہ مَلم ہے اور نام ہے اس کلام کا جو آنحضرتؐ پر نازل ہوا۔

(۲) قراء کا خیال ہے کہ یہ قرأتیں سے مشتق ہے کیونکہ بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں (۳) زجاج کا قول ہے کہ فعلان کے وزن پر یہ صفت ہے ہمزہ اور مشتق ہے لفظ قراء سے اہل عرب بولتے ہیں قرأت الماء فی الحوض اذا جمعتہ "اس لئے قرآن اس کلام کا نام ہوگا جو آنحضرتؐ صلعم پر اترا اور تمام کتبِ سادہ کا جامع ہے۔

(۴) نحیانی کہتا ہے کہ یہ لفظ مصدر ہے اور ہمزہ ہے فقران کے وزن پر پڑھنے کے معنی میں مگر بعضی مفعول مستعمل ہو کر خدا کی کتاب کا نام ہو گیا ہے۔ اکثر لوگ اسی تخیق پر ہیں۔ اب ہم ذیل میں چند آیات ایسی پیش کرتے ہیں جس سے قرآن کے معنی کی تعین ہوتی ہے۔

وَلَا تَقْرَأُ كَيْدًا بِلِسَانِكَ لِتَحْجَلَ

يَهْدِيكَ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَاِذَا

قَرَأْتَهُ نَفَسٌ فَارِقٌ قُرْآنَهُ

سینہ میں اور پڑھتا تیری زبان سے بھر جب ہم پڑھتے ہیں

لگیں فرشتہ کی زبان تو ساتھ وہ اس کے پڑھنے کے

آیت مذکور سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے ظاہر میں اس موقع پر تلاوت اور قرأت کے ہیں

اس آیت کے رد سے قرآن وہ کلام الہی ہے جو لوگ بار بار پڑھتے رہتے ہیں آیت سورہ قیامہ کے

مئی کی تائید سورۃ الاسراء کی اس مشہور آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔

(۲) قُلْ لَّيْسَ اجْعَلْتُ الْإِنْسَ وَالْجِنَّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوهُم مِّثْلُ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَا كَانَ لَهُمْ بِهِ حَكِيمٌ أَعْلَمُ إِلَّا تَنْبَأُ سُؤْلًا۔

آیات بالا سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور جس کو لوگ پڑھتے ہیں۔ اس میں کوئی شرط نہیں کہ تلاوت لکھی ہوئی کتاب سے ہو۔
چند آیات اور ملاحظہ کی جائیں۔

(۳) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ۔ (بقبرہ)

(۴) وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ مَبْعَاثَ الْمُنَاقِبِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ۔ (مجر)

(۵) طه مَا أُنْزِلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ۔ (طہ)

(۶) وَإِنَّا أَنزَلْنَاهُ لِقُرْآنٍ فَخْرٍ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ۔ (نمل)

(۷) إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ لَا يَصْلَاهُ إِلَّا الْمُنْظَرُونَ۔ (داحقہ)

(۸) كَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ الْقُرْآنَ عَلَىٰ حَبْلٍ مُّبِينٍ خَشَعَتِ الْأَصْوَادُ لِصَوْرِهِ خَاشِعَةً مَّتَّصِلَةً۔ (حشر)

(۹) إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا۔ (دھیر)

(۱۰) وَإِذْ خَضَعْنَا إِلَيْكَ قُرْآنُكَ مِنَ الْجِنِّ يَسْقَعُونَ الْقُرْآنَ۔ (احسان)

مذکورہ بالا آیات سے اور بہت سی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے لفظ قرآن کا استعمال اس کلام پر کیا ہے جو بطریق نبی محمد صلعم پڑا ہے ہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن صرف اسی کلام کا نام نہیں رکھا جائے گا جو بغیر نبی محمد صلعم پر نازل ہوا بلکہ اور بھی اس کے نام میں مثلاً صفت، الکتاب، الذکر، فرقان، کلام اللہ۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن ہی وہ پہلی کتاب ہے جس نے اپنا تعارف کرا کے ہر نسبت کر دی کہ الفاظ اور نظم و ترتیب سب میں جانب اللہ ہے۔ قرآن میں ہے

وَأَنَّهُ لَنَتْلُوهُ نَزِيلًا مِّنَ الْعَالَمِينَ نَزِيلًا۔ (تیسرا قرآن نامہ جو ہے پروردگار عالم کا لیکر اترا ہے)

بِإِلَهِ الرَّسْمِ الْأَمِينِ عَلَى عِلِّيَّتِكَ كُنْ
مِنْ الْمُنْذَرِينَ يَلْبَسَانِ عَمْرِي
مَقِيلٌ (الشعراء)

اس کو فرشتہ معتبر ہے دل پر کہ تو ہو قد سناوینے
دلاکلی عربی زبان میں۔

لفظ معین سے مراد اس کے لغوی معنی نہیں ہیں بلکہ یہ لفظ بطور قلم کے ہے۔ کیونکہ عَمْرِي قَمِيلٌ اسی
زبان کو کہا گیا ہے جو فصیح ترین اور شیریں ترین زبان ظہور اسلام کے وقت اہل عرب کی تھی اسی طرح
لفظ کلام کا اطلاق بھی عرف عام میں لفظ و معنی اور نظم و ترتیب سب پر ہوتا ہے۔

وَكَيْفَ أَخَذْتَ مِنَ الْفُتُورِ كَيْفَ اسْتَعْبَلْتَ
فَأَخْرَجْتُ حَقِّي لَيْسَ كَلَامَ اللَّهِ (الزبور)

اے اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ
دے دے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا

چنانچہ اسی لفظ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں سے قرآن کا تعارف کرایا ہے حدیث میں مقرر
جائز سے مروی ہے کہ آپ موقف میں کھڑے ہو کر فرمایا کرتے۔

الاجر لرجل یحتملنی الی قومہ لا یبلغ کلام
ساری فان قرأ لیثا منھونی ان ابلغ
کلام ربی

کیا ایسا کوئی شخص ہے جو اپنی قوم کی طرف بھجولے
جسے تاکہ میں اپنے رب کا کلام پہنچا دوں کہوں کہ قریش
نے تو مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک لیا ہے

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب "اَلَمْ غَلَبَتْ اَلْهَمَمُ" سنائی تو کفار قریش نے پوچھا
یہ تمہارا کلام ہے یا تمہارے صاحب کا؟ آپ نے فرمایا اور جواب دیا۔

لیس بکلامی ولا بکلام صاحبی ولکن
کلام اللہ

نہ میرا کلام ہے نہ میرے صاحب کا بلکہ یہ اللہ کا
کلام ہے۔

سورہ طہ میں آتا ہے۔

كَأَنَّهُمْ يُلَاقُونَ اللَّهَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُلَاقِيَ
إِلَيْكَ رَحْمَةً لَمْ

اور تو جلدی ذکر قرآن کے لینے میں جب تک پہنچا
ہو چکے اس کا اتنا۔

غور کر دیہ آیت تو ولایت کر رہی ہے کہ قرآن ان الفاظ و معنی ہی کا نام ہے جو وحی کی صورت میں اترا

ہے اور قلب نبوی ہی اس کا نشیمن ہے۔ قرن بی دہی ہے اور انفنار دہی قرآن ہی کو کہا گیا ہے۔
ہذا دہی کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک علم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمد صلیم کی روح اور
قلب ہر ایک ایسے مخفی طریقہ سے طاری کر دیا تھا جو تحصیل علم کے مشہور کسی طریقوں سے مختلف
اور ان پہلوؤں سے بھی جدا ہے جو بعض خواص پر نازل ہو جایا کرتے ہیں۔

اب ہم سورہ طہ اور سورہ قیامہ کی مذکورہ بالا آیات کی کچھ اور وضاحت کر رہے ہیں تاکہ قرآن مجید
کے دلائل خود قرآن ہی سے ہو جائیں۔

ابتداءً نبوت میں قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ قرآن
کے مخاطب تھے اور تو ان کی استعداد عام تھی و بیش وہ نہایت بد شوق بلکہ قرآن سے سبزار تھے
ایسی حالت میں حکمت الہی کا تعاضد ہی ہو گا کہ ان کی تعلیم آہستگی و تدریج اور نرمی کے ساتھ ہو۔ لیکن کبھی
کبھی جب فترۂ دہی کا زمانہ طویل ہو جاتا۔ آنحضرت صلیم کے لئے موجب تشویش ہوتا کیونکہ آپ کا
تمام تر سرمایہ سکین و اطمینان قرآن ہی تھا۔ اور آپ اپنی قوم کے ایمان کی بے پایاں آرزو رکھتے تھے
اور اس کا تمام تر ذریعہ وحی الہی تھی آپ کو تکمیل دین کی تمنا تھی اور تمنا قدرتا مستعمل ہوتی ہے۔ ان
تمام باتوں کی وجہ سے نزول دہی کے وقت آپ کا جذبہ شوق و طلب بے اندازہ ہوتا یہاں تک کہ آپ
دہی کو زبان سے دہراتے کہ کوئی بات یاد سے رہ نہ جائے۔ اُس حضرت صلیم کی اس حالت پر سائنس
نے بار بار ٹوکا اور خداوندی امور میں ہمت اور تدریج کا جو معاملہ ہے اس کی حکمتیں بیان فرماتیں پس
سورہ طہ کی آیت ”وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ“ میں اجمال کے ساتھ بیان
کی حکمت بیان فرمادی کہ یہ انسان کے صغیر غم اور استواری عہد کی وجہ سے ہے اگر یہ بات مذہبی
تو وہ ایک ہی دفعہ میں سب کچھ بولیتا۔

اسی حقیقت کو سورہ قیامہ کی آیت ”لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَاءَ الَّذِي يُقْعَلُ بِهِ“ میں بیان فرمایا گیا ہے
اس سورہ کی تفسیر میں ترجمان القرآن حضرت موفیٰ فرمائی رحمۃ اللہ علیہ نے جن حقائق و معارف کا
انہما فرمایا ہے اس کے استقصا کا یہ موقع نہیں نظام القرآن سورہ قیامہ ملاحظہ کر لی جائے۔

البتہ استاد امام کی خاص تحقیق ہم یہاں پر درج کرتے ہیں جس سے تین باتیں نہایت واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں۔

الاول ان القرآن مجمع فی عہد
النبی وقرء علیہ نسق واحدا فانہ
لو انجز ہذا الوحد بعد عہد النبی
لہ یا مہرہ بالتباعہ۔
والثانی ان النبی مامور بالقراءۃ
حسب ہذا القراءۃ الثانیۃ التی
تکون بعد الجمع لیس للنبی ان یلقی
علیہ شی من الوحی ولا یبلغہ
الامۃ عقلا ولہا امرہ اللہ تعالیٰ
فی قولہ
”یا ایہا الرسل بلغ ما انزل الیک
من ربک وان لم تفعل فمابخت
رسالتہ“ اہل علما فلا بد ان علم
النبی الامۃ قراءۃ الاخیرۃ التی
علیہ اقر ان فی اللوح المحفوظ
فان امرضۃ الاخیرۃ لا بد ان
تکون مطابقہ بلاصل والثلاث
ان بعد ہذا الجمع والترتیب
بین ما شاء اللہ یمانہ من التعمیم

”قرآن آنحضرت صلعم کے عہد میں جمع ہو کر ایک خاص
ترتیب سے آپ کو سنایا جائے گا۔ اگر یہ وہ واحد آپ
کی وفات کے بعد پورا کرنے والا ہو تا تو آپ کو اس
قرأت کی پیروی کا حکم دیا جاتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس
دو آپ کو حکم دیا کہ جمع قرآن کے بعد دوبارہ میں طرح
آپ کو قرآن سنایا جائے اس طرح آپ پڑھیں اور
یہ بات عقلاً و نقلاً دونوں لحاظ سے خطا معلوم ہوتی ہے۔
کہ آپ پر کوئی بات بطریق وحی آئے اور آپ اس کو
امت کو پہنچائیں عقلاً تو اس کی فطری بالیدانہ واضح ہے
نقل قرآن مجید میں فرمایا ہے یا ایہا الرسل بلغ
یا ایک عام حکم ہے اس حکم عام کا تقاضا ہے کہ آنحضرت
صلعم نے امت کو اس ترتیب کے مطابق قرآن سنایا
ہو جس ترتیب پر اس کی آخری قرأت ہوئی اور جو قطعاً
لوح محفوظ کی ترتیب ہے کیونکہ آخری قرأت ہکا اکل
کے ٹھیک ٹھیک مطابق جو مامور دی ہے۔ نہ یہ بات
پہنچاتی ہے کہ اس جمع و ترتیب کے بعد اللہ تعالیٰ نے
وہ باتیں ہی بیان فرمادیں جو تعمیم و تخصیص و تحذیر
و تحکیم سے متعلق رکھتی تھیں۔“

والتخصیص والتکلیل والتخفیف

پھر فرماتے ہیں: یہ باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں اور ان کی تائید روایات سے ہوتی ہے کہ ہمارے پاس ٹھیک ٹھیک پوری ہوئی۔ چنانچہ آنحضرت معلوم قرآن مجید کی پوری پوری سورتیں لوگوں کو سناتے تھے اور یہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ آپ کو وہ اس خاص ترتیب پر سنائی گئی ہوں اور صحابہ اسی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کو سنتے اور محفوظ کرتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ آپ خاص خاص آیتوں کو سورتوں میں خاص خاص مقامات میں لکھواتے تھے اور صحابہ اس کی پابندی بھی فرماتے تھے اور پھر حجب کوئی تشریح کرنے والی آیت اتنی تو آپ اس کو بھی قرآن مجید میں لکھواتے اور ان کے لکھوانے میں مدد دیتے بطور تھے یا تو وہ ان آیات کے ساتھ عادی باتیں جن کی تشریح کرتے یا سورہ کے آخر میں رکھ دی جاتیں اگر ان کا تعلق سورہ کے مجموعی مضمون سے ہوتا۔

ان تشریح کرنے والی آیتوں کی ایک اور نمایاں علامت بھی قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں خود اس طرح کے الفاظ موجود ہوتے ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ یہ تشریح و بیان کے لئے نقل ہوئی ہیں مثلاً اس طرح کی آیات کے ساتھ اکثر فرمایا گیا ہے "کذلک یبین اللہ آیاتہ للناس"۔

اس طرح جب قرآن نازل ہو چکا تو آخر میں حضرت جبریلؑ نے آپ کو پورا قرآن اس کی اصلی ترتیب کے مطابق سنا دیا یہ بات صحیح اور متفق علیہ روایات سے ثابت ہے اور اس سے نظام قرآن کی بے شمار مشکلات آپ سے آپ حل ہوتی جا رہی ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت "کتاب یزید لا یشیہ الباطل من بین یدینہ ولا من خلفہم تنزیل من حکیم حکیم" بعد سے دوسری آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب الہی میں کسی کی بغی اور تبدیلی کا امکان نکت نہیں ہے۔ اور حضرت موصیٰ حمید الدین قزازی کی تحقیق سے یہ بات باپہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن عسکر مجید نبوی معلوم میں مدون و مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ نے اس کو آنحضرت معلوم پرستہ

۱۔ تفسیر سید قطب رحمہ اللہ من نظام القرآن ص ۱۵۰

باد پرٹھا اور سنایا تھا یہ وہی قرآن مجید ہے جو بیس آج ہمارے پاس محفوظ و موجود ہے۔ علامہ طبرسی جو امامیہ کے مسلم عقیدت امام ہیں مجمع البیان جلد اول میں لکھتے ہیں ”ان القرآن کان علی عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجروحاً و لقا علی ما ہو علیہ الان وان جماعۃ من الصفا حتموا القرآن علیہ عدۃ ختمات“ سید مرتضیٰ، شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی نے بھی اس کی تہجیح کی ہے۔ محمد بن علی بن بابویہ قمی کہتے ہیں ”ہمارا اعتقاد ہے کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتار دیا وہی ہے جو بائین المذہبن امت کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ قرآن مجید اس سے زیادہ ایک حرف نہیں تھا جو شخص ہماری طرف منسوب کرتا ہے کہ ہم قرآن مجید کے اس سے زیادہ ہونے کے قائل ہیں وہ جھوٹا ہے۔“

اسی بنا پر علامہ ابن حزم کی مثل و مثل جلد دوم میں یہاں تک موجود ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی وفات ہو جانے پر ایک لاکھ قرآن مجید مصر، عراق، شام، یمن وغیرہ میں پھیل چکے تھے۔ لوگ اس کی تلاوت، تعلیم، تفسیر وغیرہ میں مصروف تھے۔

قرآن کریم اللہ جل و علا کے قیوم کا کلام ہے جس سے روح القدس جبریل امین علیہ السلام کا اس کے سوا کوئی تعلق نہیں کہ انہوں نے اسے عربی لفظوں کے ساتھ اُفقی اعلیٰ کے آسمان سے لاکر اس زمین پر پہنچا دیا اور جس سے محمد رسول اللہ و خاتم النبیین صلوات اللہ و سلامہ علیہ و علیٰ آلہ کا تعلق اس کے سوا کچھ نہیں کہ آپ نے اسے لوگوں تک پہنچا دیا کہ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ پس یہ قرآن اپنے لفظ ترتیب، اسلوب، علوم، ہدایت ہر لحاظ سے تمام مخلوق کے لئے معجزہ ہے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت سے باہر تھا کہ اپنی کوشش، معلومات، فصاحت، بلاغت کے زور سے اس قرآن کی جیسی کوئی سورت پیش کر سکیں۔

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن تلاوت فرماتے یا آپ پر قرآن پڑھا جاتا تو گریہ پاری ہو جاتا۔ صحاح میں حضرت ابن مسعودؓ کا سورۃ النسا کی آیت تَکَلِّفُ إِذَا جِئْتَا مِنْ کُلِّ مَدِیْنَةٍ مَکْتُوبٌ لَکُم مَّا کُنْتُمْ تَعْمَلُونَ کا ترجمہ ہے کہ تم کو ہر شے سے آزاد ہے۔ کتب فائدہ حکیم سید مہدی حسین صاحب علیہ السلام

ہمیشہ شہید الم کا پڑھنا جانا ہے کہ آپ کی آنکھیں بہہ پڑیں اور آپ نے فرمایا ”محبک ہوں“ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں آپ کے الفاظ کو دخل نہیں اور نہ کبھی آپ اپنے الفاظ سے اس درجہ متاثر ہوئے یہ اللہ ہی کے کلام اور اس کے الفاظ و معنی کی خوبی و برکت ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے کلام ہی کا یہ جادو اور اثر تھا کہ قریش نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منع کر دیا تھا کہ وہ مسجد حرام میں قرآن کو نہ پڑھا کریں کیونکہ اس سے لوگوں کے دل خود بخود مائل ہوتے اور کھینچے جاتے ہیں۔ کلام الہی کی جہانگیری ہی کا تو یہ عالم تھا کہ ولید بن مغیرہ کو یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی کہ قرآن ایک الباقی ہے جو غالب رہنے والا ہے اور اس پر کوئی اور چیز غالب نہیں ہو سکتی ہے اور قرآن ہر دور کی چیز کو کھڑے کھڑے کر کے رکھ دینے والا ہے۔

یہ اثر اور نفوذ الفاظ و معنی خداوندی کے خصائص میں سے ہے اور منجملہ بہت سی آیات کے اَلَمْ يَخْلُقْنَا قُرْآنًا سب سے بڑا فریضہ ہے کہ قرآن کا اصلی معلم اللہ تعالیٰ ہے گو فرشتہ کے توسط سے ہو اور اس حضرت معلم نے الفاظ و معنی کو یقین فرما کر اسی کی تعلیم بھی دی کیونکہ یہ قرآن بلاشبہ وہی قرآن ہے جو ایک پوشیدہ کتاب میں لکھا ہوا تھا اور جو خدا کی طرف سے رمضان المبارک کی راتوں میں نازل ہوا تھا۔ قرآن خود شہادت دیتا ہے۔ اِنَّهُ لَقَوْلُكَ رَبِّهِ۔ فِي كِتَابٍ مُّكْتُوْبٍ۔ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ رُوحًا۔ بِیْنَلِیْلَةِ الْقَدْرِ۔ چنانچہ حضرت معلم کی زبان سے اعلان کرایا جا رہا ہے اَوْحٰی اِلَیْیْ هٰذَا الْقُرْآنُ معنی یہ قرآن اپنے الفاظ و معنی کے ساتھ مجھ پر اترا ہے۔ تلاوت اور تبلیغ آیات جس طرح میرے فرائض میں ہے اسی طرح تعلیم اور تمہیں آیات بھی ہے میں قرآن کو جیسے پہنچانے پر مامور اور مکلف ہوں اور جہاں کہیں ضرورت ہوتی ہے اس کی شرح و تفسیر بھی کر دیتا ہوں یہ شرح و تفسیر وحی غیر منقولہ ہے نہ کہ میں وحی الہی۔ اگر ایسا ہوتا کہ میں نے خداوندی مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کر دیا ہے تو کیا نقصائے عرب و عدنان ایک بات بھی جواباً پیش کرنے میں قاصر ہوتے اور قرآنی تفسیر و تبلیغ کے سامنے سہر ڈال دیتے؟

وزیر مامون احمد بن یوسف

از

ڈاکٹر مخدوم شہزاد احمد طارق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

(۳)

احمد کس طرح ان ماحول میں رچی ہوئی عیش پرستیوں سے بچ سکتا تھا پھر بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اپنی انفرادی زندگی میں وہ عام سطح سے کافی بلند تھا اور اس کا خاص سبب اس کی تربیت احمد اس کے گھر کے روایات تھے اس کا باپ یوسف اور اس کا دادا قاسم اپنی اپنی زندگیوں میں کافی معتدلا تھے اس کے دادا کی بابت تو یہ تصریح موجود ہے کہ اس نے اپنی ماں کی ہواکش پر شراب پی چھوڑ دی تھی اور مرنے وقت تک پھر کبھی نہ پی اس ترک میں زیادہ تر خاندانی واقعات اور مصلحتیں پوشیدہ تھیں اس کو کاراوی اس کا پوتا ہے وہ کہتا ہے: ”میرا دادا جب (عباسی) دفتر کے ساتھ کوڈ سے (بغداد) آیا تو وہ بہت احباب کی صحبت میں خوب پیئے پلانے لگا ایک دن اس کی ماں نے کہا: بیٹے تمہیں معلوم ہے ہمارا کنبہ کتنا بڑا ہے اور تمہارے اوپر کتنا بار ہے۔ اگر تم نے شراب (فینیک) چھوڑی تو ہم برباد ہو جائیں گے اور دنیا میں تمہاری جود سوائی اور آخرت میں تم کو جو سزا ملے گی وہ الگ ہے۔ وہ شاعر تھے لیکن انھوں نے جو نہیں کی میں سے شاید ہی کوئی شعر گو بچا تھا اور ان کے جو حالات ہم کو معلوم ہوتے ہیں ان سے ان کی سنجیدگی اور سہمت روی کا پتہ چلتا ہے لیکن جس طرح تمدن کے جلوے اور عشرت کی رنگینیاں ترقی کرتی گئیں اسی طرح خاندان کے ہر رکن کی امت بھی خویاں کھوتی اور خرابیاں اختیار کرتی گئی قاسم کے مقابلہ میں یوسف اور یوسف کے مقابلہ میں احمد اور احمد کے مقابلہ میں اس کا لڑکا عبداللہ اس کا ایک ہی نواسہ ہے اس نواسہ کی شراب نوشی کی بنا خاندان پر دستخطی کا نوازہ کیا جا سکتا ہے فی الحقیقت اس کا میں بلند نوشی اور شراب خوری میں تفرق و امتیاز قطعی تھا نہ معنوی درجہ ان ۳ صوفی ۱۲۱

سلامت رومی میں گرنے گئے جن کے لئے قاسم ممتاز تھا۔

خطیب مجنوں کی ۱۲/۴ھ نے احمد کی ذہنی، ادبی اور فنی قابلیت کا تعارف ان الفاظ میں کیا کہ
 "احمد امون کے قابل ترین، خوش فہم ترین، ذکی ترین اور زیادہ سے زیادہ خوبیوں والے سکریٹری
 میں تھا، اس کی گفتگو عمدہ ہوتی، اس کی زبان روان تھی، اس کے الفاظ خوبصورت ہوتے، اس کا خط
 دیدہ زیب تھا، غزل، مدح، ہجو میں شعر کہتا تھا، اس کے قصے ابراہیم بن جہدی، ابو العباس، محمد بن
 دغیرہ کے ساتھ مشہور ہیں۔"

سابق سکرٹریوں کی ادبی لیاقت کے بارے میں عباسی سکرٹریوں کی ایک مجلس میں جب گفتگو ہوئی تو سب نے متفقہ طور پر شہادت دی کہ عباسی دور میں احمد اور ابراہیم بن عباس سے زیادہ وہابی اور بلخ کا تب (سکرٹری) کوئی نہیں ہوا۔ نیز یہ کہ شوگرگونی میں اس عہد کے سکرٹری خواہیں احمد کانبر جو تھا ہے (شروع کے تین ابراہیم بن عباس، عبد الملک زیات، اور حسن بن وھب ہیں) عباسی دور کے ایک ناقد نے کہا: "ہم کہا کرتے تھے کہ محمد بن عبد الملک زیات (متوکل کا وزیر جس کو اس نے قتل کیا) سے پہلے کوئی وزیر احمد سے اچھا شااعر نہیں ہوا" کتاب الادراک کے مصنف مولیٰ کے دادا نے جو نہایت عمدہ شعور سخن کا ذوق رکھنا تھا، میرائے دی: نشر ونظم یوسف کے ترکوں میں بٹ گئی احمد خرمین اور قاسم داس کا ترجمانی جو جانوروں پر نہایت عمدہ شعر کہتا تھا، نظم میں سب سکرٹریوں سے بازی لے گئے" کہا گیا ہے کہ کدوس شخص طاغوت میں بے مثال گذرے ہیں ان میں سے ایک احمد تھا۔ مولیٰ نے احمد کے مدح کے کچھ اور پھر شروع دیے ہیں، یہ چیدہ شعریں اور عربی کے قریب ان کی توفیقاً (توقع اس اختلاف میں مختصر معنی میں مفصل (یعنی بلخ) حکم کو کہنے تھے جو وزیر باخلیفہ سرکاری کاغذات پر ثبت کرنا تھا خطوط اور بات چیت کے نمونے دے رہے ہیں ان میں سے چار سو شعور مذمتِ طاغوت

۱۰ ابراہیم خلیفہ ہمدانی کا زمانہ تھا، گاہے میلے گاہے ماہر تھا، شوگرگونی، موسیقی اور تغزیر اس کے خاص مداخلے تھے جب مامون نے حضرت علی کے غلامان کے ایک فرد کو خلاف کے لئے مار دیا تو عباسی مائدہ گرد گئے اس مامون کی بیعت شروع کر کے ابراہیم کو خلیفہ بنا دیا مامون اس وقت خراسان میں تھا اور مامون کے وزیر فضل کو قتل کروایا۔ علی مولیٰ روئے خدا

متاصول متاع صول ملک صومقاس از مقدر رسائل هفتاب

اور صنف نازک کے حسنِ جسمانی کے بلے میں ہیں، مائٹنیں جو بلع یا پھینکوں پر مشتمل ہیں یہ بڑی رائج نوعت صنف تھی اور بڑا مؤثر حربہ، پیچس فراق یا ارداسی قدردوست کی کج ادائیگوں پر ناراضی سے متعلق چند شعروں میں محبوبہ کے دئے ہوئے بھول کی صحبت میں شبِ باشتی کا دل کش نقشہ پیش کیا ہے کچھ میں ان نفسیاتی و معنوی تاثرات کی عکاسی ہے جو اختیار کے سامنے محبوبہ کی ملاقات سے پیدا ہونے میں متحد اشعار گانے بجانے سے دلچسپی، امد کا تہوں سے دلچسپی کے مشعر ہیں۔

تو قیامت چو کہ سرکاری احکامات ہیں، خطوط و کلام بھی چونکہ ایک ذمہ دار اور بادشاہ آدمی کے قلم اور زبان سے نکلے ہیں اس لئے وہ متانت و راستبازی کے مظہر ہیں۔

ہم یہاں ایسے اشعار کا ترجمہ پیش کرتے ہیں جن سے اس کی سیرت و ماحول پر روشنی پڑتی ہے

۱۔ جب مامون نے احمد کو وزیر مقرر کیا تو ایرانی عیدِ نوروز کے موقع پر احمد نے اس لاکھ دھم یعنی پانچ لاکھ روپے کا ایک تحفہ اس کو بھیجا اور چند شکر لکھے جن کا ترجمہ ذیل میں ہے نور دنیا ہر جان ان کسروی تہواروں میں ایک تھا جن کو عباسی حکومت نے اختیار کر لیا تھا۔ تحفے دینے کی رسم بھی ایران سے آئی تھی اور اس رسم سے بڑے بڑے بڑے ناجائز کام نکالے جاتے تھے۔ درحقیقت یہ ایک ہندو رشوت یعنی جو بڑے لوگوں کو دی جاتی تھی۔ جو لوگ تحفے قبول کرنے ایک طرف تو ان کی حسِ برتری اور ادانیت کو لطفِ آنا دوسری طرف اخلاقاً تحفے دینے والے کے ساتھ محابات دہری تھے پر مجبور ہوتے۔ تحفہ دینے والا اگر افسر ہوتا تو سرخروئی اور خود غرضی کے نشہ میں تحفہ کی قیمت، کمیت اور کیفیت بڑھانے کے لئے مانتوں کو خوب کھسکھساتا اور یہ مانت ٹیکس دینے والوں کو ظلم، بے ایمانی و زلف سے بے توجہی اس کے نتائج تھے جس میں لوٹیاں لگانے بجانے اور عسواظِ انکسار میں ہر قسم کے خاص طور پر تحفے میں دئے جاتے خراسان کے گورنر نے بقول مصنف عروجِ المذہب اقتباس از منی و سلام ۱/۹۱) خلیفہ متوکل کو ایک سونادہ غلام اور سونو بڑیاں تحفہ میں بھیجی تھیں۔

ظہم ہر ایک جن ہے جو وہ ادھر کے رہے گا چاہے آنا کشا ہی ذی جلال اور پر عظمت کیوں نہ ہو (۲) کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم اللہ کو اس کا دیا جو اہل تحفہ میں دیتے ہیں اگرچہ وہ بے نیاز ہے بلکہ

قبول کر لیتا ہے مگر شاہ کو اس کی نند کے مطابق ہدیہ دینے کی کوشش کی جائے تو
مستطینہ وسعت و عروق کے باوجود اس کا حق نہیں ادا کر سکے گا۔
(۱۱) ایک ٹیمے آدمی اسحاق بن سعید کی بھو۔

میرے قلع جنت کے مجھ سے دور ہو کر اور اخراج برت کر مجھ پر احسان کرو اور جب
اپنے محبوب کو تنہائی میں دیکھ کر دو خوب خوب میری برائی کرنا اور انی کے نقطہ سے کم
میرے لئے استعمال نہ کرنا، میں نے حد زنا سے کم کو مان دی۔

(۱۲) محبوب کے ہاتھ کا بھول۔

کل تم نے اپنے ہاتھ سے زنگس کا بھول دیا رات بھر وہ میرا ہم سیر اور مولس رہا۔ اللہ
نے رات کی تاریکی میں میرے لئے ایک مجلس نشاط فراہم کر دی جب اس کی ہلک آتی
میں کہتا میرے محبوب کی سانس ہے۔

(۱۳) ایک امرو کا تب محمد بن سعید کے بارے میں۔

(۱۴) محمد بن سعید جو گردن موڑنے وقت سارے جہان سے زیادہ حسین ہو جاتا ہے مجھ
سے روٹھ گیا ہے۔ (۱۵) بغیر کسی قصود کے مجھ سے مخوف ہو گیا، اس کا سبب پند از جن
کے طوطہ اور کچھ نہیں۔

(۱۶) محمد بن سعید کو زور احمد کے سامنے بیٹھ کر دفتر میں کھانا کھانا ایک دن احمد نے دیکھا کہ اس کے چہرہ
پر دھن نمودار ہو گیا ہے اس نے ایک پرچہ پر پر شکر کد کر محمد کے سامنے ڈال دیا۔
اے مالوہ خدا تبار بار کرے تم نے اس کے چہرہ کو مانی لباس پہنا دیا۔

(۱۷) تم نے اس کے رخسار کی سرخی پر حکر کر کے کالا کر دیا۔
لڑکے نے پرچہ کے نیچے کھو دیا، جناب کو خدا مجھ سے بہتر بدل چکا کرتے۔

(۱۸) فراق کا ایک سینہ

طہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار شاہ ۱۴۰۰ / ۱ محمد بن حمید، گئے صلی اللہ علیہ وسلم

جہانی سے پہلے جہانی آسان طر آتی تھی پھر وہ زہر قاتل بن گئی۔

۱۲) جہانی کے وقت انساؤس کے رخسار پر اس طرح نئے جیسے اوس سرخ گلاب پر

گر لڑی ہوئی۔

۱۳) احمد مامون کی کوٹری مونس سے التفات برتنا تھا۔ مامون کسی بات پر اس سے رد نہ کیا اور بار بار سفر محل سے شمسہ کیلے گیا اور مونس کو ساتھ لیا مونس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اس نے احمد کے پاس جا رہ جہانی کے لئے قاصد بھیجا۔ احمد کو جب حقیقت کا علم ہوا تو گھوڑے پر سوار ہو کر شمسہ کیلے مامون کے دار و غور سے کھلوا بھیجا کہ میں بحیثیت پیغامبر آیا ہوں مامون نے افسدہ بکرا کر پوچھا کیا پیغام ہے پس نے اپنے یہ شرح مونس کی طرف سے پڑھ سنائے مامون کی ناراضی و دودھ لگی اور مونس کو اس نے تھام لیا۔

۱۴) آپ کی غلطی پہلے پوشیدہ تھی آج (جب کاکا اب مجھے چھوڑ کر شمسہ کیلے گئے) صاف صاف کھل گئی۔

۱۵) دشمنوں کے دل کی آرزو پوری ہوئی یہ دیکھ کر کہ میں رہ گئی آپ جے گئے

۱۶) مان لیتے مجھ سے بھی زیادتی ہوئی لیکن آپ تو ہمیشہ زیادتی سمجھنے، درگزر کرنے اور مہربانی سے پیش آنے کے عادی رہے ہیں۔

۱۷) اچھا کہ اپنے دفتر کے ایک حسین کاتب سے محبت تھی؛ کسی دوست نے اس کو طاعت کی خواہش سے پرہیز کیا۔

۱۸) مگر میرا جیتنا ہے تو طاعت نہ کرو، کیونکہ طاعت دوست کے شاہان نہیں

اس لڑکے کو احمد نے کئی دفعہ میں دس لاکھ دہم یعنی تقریباً پانچ لاکھ روپے انعام دئے تھے۔

۱۹) ہر پرستی کو مستند سنت کی حیثیت رکھنے کے جانشین امین نے عطا کی تھی اس کے بارے

۲۰) اصل میں یہ کہ در شاہان بہت ہی مصلحتی تھے کہ وہ شاہان کو یہ کہ بہتر ہو کہ اصل میں یہ کہ

اس طرح کے عزائم سے غیر معمولی خفت کا اظہار کرتے۔ (میان)

میں طبری نے یہ عقائد لکھے ہیں: جب محمد بنی امین خلیفہ ہوا (۱۹۳۲ء) اور اپنے بھائی مامون کو اپنی خلافت تسلیم کرنے کے لئے لکھا اور اس نے تسلیم کر لی تو اس نے حسین خفصی لڑکوں کے کھوج میں لگا دیے اور ان کو بڑی بڑی قمیصیں دے کر خریدوا دے کھانے پینے اور دینی معاملات حکومت کے سارے امور ان کے سپرد کر دیئے اور ان کی ایک ملشیا تیار کی جس کا نام حیراویہ رکھا، دوسری ملشیا حبشی غلاموں کی بنائی اور اس کا نام غرابیہ رکھا اور آزاد عورتوں اور لڑکیوں کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ ان کی عصمت مٹوانی ہو گئی یہ سنت بعد ازاں الناس علی دین ملوکہم ولوگ اپنے بادشاہوں کے طور طریق پر چلتے ہیں حرم خلوت سے نکل کر فروغ پانے لگی اور اس کا ایک فلسفہ تیار ہوا احمد بھی اس سنت کا مقتول تھا اور شاید اپنی خواہش کے علی الرغم۔ ماحول کی ہوا میں جو زہر سرایت کر گیا تھا اس کے اثر سے وہ کیونکر بچ سکتا تھا۔

خلافت عباسیہ

جلد اول

تاریخ ملت کا پانچویں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء سفاح، منصور، مہدی، ہادی، ہادی، امین، مامون، معتصم، اور واقف باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی دور حقیقت میں دور عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا رعب تمام ہمسایہ سلطنتوں پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی و ادبی، تمدنی، اور اصلاحی کارناموں پر دلپذیر تبصرہ بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحات ۴۴۴ قیمت غیر ملکی

جلد دوم

ادب المفرد و امام بخاری کی ایک گراں قدر شرح

از

(مولانا ابو محفوظ المکریم صاحب مضمونی استاذِ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

امام الامام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن مشیر و حنفی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مفرد و بیگات سے امت مسلمہ تاقیامت فیض یاب ہوتی رہے گی، دنیا نے اسلام میں امام صاحب کی تصنیفات کو غمازِ اہمیت و عزیت حاصل ہے، الجامع الصغیر کے علاوہ آپ کی مختلف تصانیف میں جن میں سے بعض شائع ہو چکی ہیں اور کثرت و بیشتر غیر مطبوع یا مفقود ہیں۔

لے تصانیف کی فہرست مع اسامی و روایہ حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ الاحادیث المفردہ : راوی احمد بن محمد الجلیل (البیہم، البزار
- ۲۔ بر الوالدین : بروایت محمد بن ولویہ الوراق
- ۳۔ التماسیح الکبیر : یہ کتاب اٹھارہ برس کی عمر میں مزین بنوی کے پاس چاندنی شب میں تصنیف کی گئی، اس کے دو راوی ابو احمد محمد بن سلیمان اور ابو الحسن محمد بن سہل سنوی قابل ذکر ہیں (روایت المعارف جدیدہ) سے شائع ہوئی ہے۔
- ۴۔ التماسیح الاوسط : بروایت عبد اللہ بن احمد بن عبد السلام الخفاف و زین العابدین محمد بن عبد الواس کا علمی نسخہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ جدید آباد میں موجود ہے۔
- ۵۔ التماسیح الصغیر : راوی عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمن او شمر (ابو ہادی) ہے،
- ۶۔ خلق افعال العباد : امام بخاری اور محمد بن یحییٰ ذیلی التوفی حوالہ علی اصح او قول، کعبہ مدینہ یکدہ مباحث سے متعلق رسالہ راوی یوسف بن ریحان بن عبد الصمد اور فریری روٹی میں طبع ہوئی ہے،
- ۷۔ کتاب الضعفاء : راوی ابو بشر محمد بن احمد بن عاصم و ولوی، ابو حنیفہ بن سیدہ اور آدم بن حنیفہ
- ۸۔ مشکوٰۃ باہر کتب میں علامہ ابن حجر مستوفی کے مرویات سے ہیں دوسری تصانیف کے نام ان کے حوالہ میں دیے گئے ہیں۔
- ۹۔ الجامع الکبیر : ابن حجر نے اس کا ذکر کیا ہے۔
- ۱۰۔ المسند الکبیر : (تبعیاتی تصانیف)

امام صاحب کی وہ تصانیف جن کی طباعت ہو چکی ہے، ان میں سے ایک ادب المفرد ہے جس کا نام ابن النجیم نے کتاب ادب اور حاجی خلیفہ نے ادب المفرد بتایا ہے، امام سیوطی نے اسی کتاب کے منتخب ادب المفرد من ادب المفرد لکھا تھا

ادب المفرد مصر سے چھپ کر چل رہا ہے لیکن اس کی تصحیح و تفسیر میں بہت کم اہتمام کیا گیا ہے۔ نتیجہً سخت غرضت ملی کہ اس کی صحیح علمی خدمت کی جائے، الحمد للہ کہ اس خدمت کا بار گراں ملک کے گرامی عہد قاضی مولانا شاہ فضل اللہ نذریں حیدر آباد دکن نے اپنے سر لیا اور ایک مدت کی پیہم سرگرمی کے بعد اس کی ایک محقق و متین شرح پیش کی ہے، کتاب کا نام "فضل اللہ الصمدی فی توضیح ادب المفرد" ہے۔

خارج کی عرفی، محنت شاقہ، مہار طمانہ تحقیقات کا اعزازہ اہل ذوق حضرات ہی کر سکتے

(۱) ادب المفرد الکبیر: اس کا ذکر زبیری نے کیا ہے۔

(۲) کتاب الإشارة: دار فطنی نے المؤلفات و الفوائد میں ذکر کیا ہے۔

(۳) کتاب الهدی: اس کا ذکر امام بخاری کے مذاق محمد بن ابی حاتم نے کیا ہے

(۴) اسامی الصحابة: ابو القاسم ابن منذ نے اس کا ذکر کیا ہے ابن منذ نے اس کی روایت بخاری ابن خلدون کی ہے، ابو القاسم بخاری نے عجم الصحابة میں ابن منذ نے کتاب العرف اور کتاب الاصول میں ابن منذ نے کتاب المبسوط: خلیل نے کتاب الارشاد میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا کہ اس کے راوی حبیب

بن سلیم ہیں۔

(۵) کتاب العلل: ابن منذ نے اس کی روایت بطریق محمد بن عبد اللہ بن محمد بن ابی محمد عبد اللہ

بن بشر بن ابی حاتم کی ہے

(۶) کتاب الکلی: ابو احمد الحاکم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۷) کتاب الفتاویٰ و مختلف الامام: راوی محمد بن اسحق طوسی

(۸) کتاب الفتاویٰ: امام ترمذی نے کتاب الفتاویٰ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(۹) شیخ عبد بن خیر الصلاة: راوی ابو حامی مذکور۔

(۱۰) کتاب السنن فی الفقه: فہرست ابن بطریق مصری۔

(۱۱) کتاب الاصحاح و الامین: ابو حامی بخاری نے چھپ کر تصنیف، مقصد الفتح، خطیب بغدادی

لے مقصد الفتح مصری کشف الفتاویٰ ۱۱۳۸ ذیل الفتح تمام ادب المفرد چنانچہ منقذ السیوطی کے ساتھ الفتح نام

ہیں، یہ شرح ہند اور بیرون ہند کے اکابر طاعین شفا مولانا سید یوسف ہندوی طہر متقی علامہ عبد العزیز مین، سید سلیمان مدنی، سید مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر ایت، اکبر کوکوردہ مجتبیٰ خاں بارزہ سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔

کتاب شروع سے اخیر تک یکساں طور پر مسبوط تحقیقات سے آراستہ ہے، ضائع نے تصحیح، تخریج احادیث، اور ایضاً مطالب کے ساتھ ہر حدیث کی سند اور متن پر حسب ضرورت معتاد کلام کیا ہے جس سے معافی و مطالب کا ہر پہلو جھلک اٹھا ہے، رجال و سنن اور دیگر علم و فن کی مستند مطبوعہ وغیر مطبوعہ نادر کتابوں کے حوالے بکثرت دیتے ہیں ذیل میں شرح کے بعض اقتباسات بطور نمونہ ہدیہ ناظرین میں کان کو بھی اس کی اہمیت و خصوصیت کا اندازہ ہو جائے۔

(الف) بحث قبیل الایدی والاحمال: امام بخاری نے الادب المفرد کے متفرق مقامات

میں اس بحث سے متعلق احادیث بیان کی ہیں شارح نے ان سب کو اور اس صفحہ کی دوسری احادیث و آثار کو جو مختلف کتابوں میں مذکور ہیں یکجا کر دیا ہے، اور ہر حدیث و اثر پر ملا و ماہیہ نقادانہ کلام کیا ہے اس طرح اس مسئلہ کی پوری تیق و توضیح ہو گئی ہے۔ پوری بحث اہل اسکیپ سائنس کے اٹھائیس صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، یہ قصہ اختصار اس طویل بحث کا صرف ایک پیرا گراف نہیں کیجنا کہ

محمد شافعی بن حفص قال حدثنا طالب بن عجلان العبدی قال حدثنی

ہود بن عبد اللہ بن سعد مع جلد مزیدۃ العبدی قال جاء الامام

مفتی حق اخذ بیاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلها " الامام المفرد "۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے کتاب التاريخ (۲/۲۱۱) میں بھی کی ہے کتاب تاریخ میں یہ الفاظ ہیں۔

ابن ہرک بن کرم صلی اللہ علیہ وسلم کہا اس وقت

اتینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تو میں حضور کے قریب پہنچا آپ کے دست

فزلت الیہ فقبلت یدہ

میں ہاتھ کو پوس دیا۔

سند پختہ ابن الغطفان کا بیان ہے کہ مروان بن عبد اللہ مجہول الحال ہے، اسی طرح طالب بن مجر بھی مجہول ہے، گو ابن الغطفان نے ابن عبد البر کی توشیح کی طرف دھیان نہیں دیا،
حدیث فیہ ابن سعد امام ترمذی نے یزید بن الاسود کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ
 مختلف طریق سے سند امام احمد ۱۶۰/۴ میں موجود ہے، لیکن اس میں تغیل کا ذکر نہیں ہے البتہ
 ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں :-

فَعَثَا فَاذْهَبَ يَأْخُذُونَ بِيَدِهِ
 دیکھو نہ جھاڑو جھلکے
 دیکھو لوگ حضور کا دست مبارک تھامنے لگے اور
 اس کو اپنے چہروں پر ملنے لگے،

ایک اور روایت میں اسی کے ہم معنی الفاظ ہیں، ان دو کے علاوہ روایتیں اس مضمون سے خالی ہیں
ابن الاسود کی روایت صرف ان کے لڑکے جابر سے مروی ہے، پھر جابر سے عبد بن عطاء کے
 سوا کسی نے اس کی روایت نہیں کی، جابر کی توشیح امام نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے کی ہے
 اسی طرح امام ترمذی نے جابر کی بعض روایات کو صحیح کہا ہے،

مجموع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نسائی ایسے تابعی کی توشیح کرتے ہیں جس سے صرف ایک
 راوی نے روایت کی اور اس کی روایت کے معارض شواہد و متابعات موجود ہوں، لیکن ایک دو
 حدیثیں اگر شواہد و متابعات کی وجہ سے محض کوہنہیں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ راوی کے ملکہ صدق و ضبط کی
 سند نہ آگئی، اس لئے کہ جو لڑکے کی روایت بھی صحیح ہی ہو جاتی ہے اور منقول کبھی مصتبب بھی ہوتا ہے
 حوالہ ہر یہاں ایسے راوی کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی ایسی منکر روایتیں بھی ہوں جن کا علم موثق
 کو نہیں ہوا۔ اگر ان کا علم موثق کو ہوتا تو کبھی اس راوی کی توشیح نہ کرتا، اس قسم کی توشیح سے ایک عامی
 کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ جب کسی امام جرح و تعدیل نے راوی کی توشیح، اس کی بعض صحیح روایات
 کی بنا پر کر دی تو اس کی حد سری روایتیں جن کی اطلاع اگرچہ موثق کو نہ ہوئی ہو، صحیح و صحیح بہ ہو گئیں
 نہ اب تبتہ الیہ واللہ ص ۲۰۷ و ۲۰۸ جنابائی، امام ترمذی نے صفوان بن علی کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے

وَقَدْ عَلِمْتُ مِنْ يَزِيدِ بْنِ اسود و ابن عمرو و كعب بن مالك - ثم امام احمد نے ابن الاسود السوفی کی حدیث
 چھوڑنے سے روایت کی ہے، ۱۰، ششم ۲۱، عبد الرحمن بن عبدی، یزید بن ہارون ۱۰، محمد بن حنفیہ
 (یہ حاشیہ پر حضور آئندہ)

امام نسائی نے مذکورہ بالا اصول ہی کے مطابق خالد بن سمیر، رافع بن اسحق، زہیر بن الکمر، احمد سوید بن قیس الجعفی وغیرہ کی توثیق کی ہے،

ابن خزیمہ توثیقِ رواۃ میں امام نسائی کے قریب ہیں، لیکن بہ نسبت امام نسائی کے زیادہ سخت سے کام لیتے ہیں ابن حبان کا دائرہ توثیق اتنا وسیع کہ تسامح کر جاتے ہیں، امام ترمذی نے تفسیح کی جو شرط مقرر کی ہے وہ بہت ضعیف ہے۔

غلام یہ کہ ان موثقین کی توثیق کے باوجود، ابن المدینی، محمد بن یحییٰ، ابوحاتم، امام احمد جیسے اجلہ کبار کے نزدیک جابر بن یزید مہجول ہے،

جہات توثیق بہتر سے ایسے ائمہ توثیق ہیں جو صرف راوی کی روایات کا اعتبار کرتے ہیں، اگر کسی راوی کی روایتیں ایسی ہیں کہ ان کی تقویت شواہد و متابعات کے ذریعہ ہو جاتی ہے تو اس کی توثیق کرتے ہیں ان موثقین کے مختلف طبقات ہیں،

اعلیٰ و احوط طبقہ ان موثقین کا ہے جو راوی کی ایک دو حدیث کی صحت پر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ اس کی متعدد روایات کے شواہد و متابعات کی تفتیش کرنے کے بعد جب راوی کا صدق و ضبط معلوم کر لیتے ہیں تو اس کی توثیق کرتے ہیں، لہذا ہم کا شمار اسی طبقہ میں ہے۔

دوسرا طبقہ ان کا ہے جن کے نزدیک توثیقِ راوی کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ راوی کی ایک یا دو حدیث کی تقویت متابع و شاہد سے ہو جائے، اس طبقہ میں ابن معین اور امام نسائی ہیں۔

تیسرا طبقہ ان کا ہے جن کے نزدیک توثیق کے لئے متابع و شاہد کا وجود شرط نہیں بلکہ اتنا کافی ہے کہ حدیث کا مخالف موجود نہ ہو، ابن خزیمہ کا شمار اسی طبقہ میں ہو سکتا ہے، ابن حبان کا تعلق بھی اسی طبقہ سے ہے لیکن وہ ابن خزیمہ سے زیادہ سہولت برتتے ہیں، محلی اس معاملہ میں اتنے

دقیقہ و مشدد گشت ان چاروں کی روایتیں معنیوں میں سب سے خالی ہیں، وہ اسود بن عامر دانی، المنقر، ابن عدی کے اختلاف شراح نے نقل کئے ہیں (۶)، بہر کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: نہایت انتہائی انتہائی

حق و صحت اہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذت بیدہ فوضعتہا امام علی جہی ووصلتہا امام علی جہی (مسند امام احمد میں ص ۴۰۴)

ڈھیلے میں کہ بعض ایسے تابعی کی بھی توفیق کر دیتے ہیں جو عند الحدیث مطعون ہوتا ہے،

رحمہ اللہ! میں باب فضل صلۃ الرحمہ کی دوسری حدیث کی تخریج کا حظ فرماتے، اس کی سند

یہ ہے:

”حدثنا أصعب بن ابی اویس قال حدثني أخى عن سليمان بن بديل عن محمد بن

ابی عقیق عن ابن شہاب الزہری“

اس حدیث کی تخریج حاکم نے مذکورہ بالا سند اور مسند احمد کی سند دنا بشر بن شعیب بن ابی

عمرہ حدثنی ابی عن الزہری ج ۱ ص ۱۹۴ کے ساتھ ایضاً بطریق ابی الیمان عن شعیب (مسند رک ۴۸)

کی ہے اس کی روایت صحابہ بن یحییٰ حدثنی نے بھی امام زہری سے کی ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی

کتاب میں زمرہ ”رداد“ سے ظاہر ہے اس کی روایت مسند میں سند رج ذیل سند کے ساتھ بھی ہے۔

”حدثنا عبد الرزاق ابنا ثامر عن الزہری حدثنی ابو سلمہ بن عبد الرحمن أن ابا الرزاق الطیثی اخبرہ عن

عبد الرحمن بن عوف“ اسی طریق سے محمد بن المتوکل بن ابی السمری السعفی السعفی اور اسحق دہری کی سند

علی الترتیب ابو داؤد اور ابو عبد اللہ الحاکم (۴/۱۵۷) کے یہاں موجود ہیں، ان کے الفاظ ”ان حماد

الطیثی اخبرہ“ ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں: ”وروی معمر ہذا الحدیث عن الزہری

عن ابی سلمہ عن حماد الطیثی عن عبد الرحمن بن عوف“ ابن حبان ثقات الثابعتین میں کہتے

ہیں ”حماد الطیثی حفظہ معمر“ ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ بعض نے ”رداد“ اور بعض نے ”ابو داؤد“

کہا ہے (کتاب فی السنن)،

یہاں دو احادیث ہیں، ایک یہ کہ عمر نے ”رداد“ کہا اور عبد الرزاق نے بھی اسی طرح روایت

کی لیکن مسند احمد کے راوی ابو حمزہ الطیثی سے قلیط واقع ہوئی یا پھر ابن المذہب کی قلیط ہے

۱۵۷۶ ج ۱ ص ۱۹۴ مطبوعہ ۱۹۴۱ م، سنو علیا مصنف زہری، ایضاً کتاب المہرۃ نمبر ۳۵ (شارج) (۱۷) سن ابی داؤد

کتاب المہرۃ ص ۱۹۴ مطبوعہ ۱۹۴۱ م، حاکم نے اس روایت کے بعد کہا ہے: ”هذا ابو الزہری الطیثی الخ“

جس نے قطعی سے مسند کی روایت کی ہے، فرض جہد الزنا کی روایت میں ابن ابی الدرداء میں سے کسی ایک کی تخیل ہے، اور سزا احتمال ہے کہ مسند کی روایت کے الفاظ جہد ہی میں جو مسند جہد واقع ہیں، لیکن محمد بن المنوکل وغیرہ نے جب جہد الزنا سے سماع کیا تو انہوں نے ”رواد کہا“ ترمذی و ابو حیان کا خیال ہے کہ یہاں پر خود معرکہ دوم ہوا ہے، ہر حال صحیح ابو الدرداء ہے۔

اس کی روایت امام ذہری سے سفیان بن عیینہ نے بھی کی ہے، ملاحظہ ہو مسند درج اول ص ۱۱۲ اس کے الفاظ یہ ہیں: ثنا سفیان عن الزہری عن ابی سلمة قال اشفعنی ابو الدرداء فحادثا عبد الرحمن بن عوف فقال ابو الدرداء اخبرهم ما علمت ابو محمد فقال عبد الرحمن بن عوف المحدث،

ابن عیینہ کی روایت ترمذی میں بطریق ”ابی عمرو سعید بن عبد الرحمن قال ثنا سفیان بن عیینة“ موجود ہے، حاکم نے مستدرک میں بطریق الحمیدی عن سفیان اور ابو الدرداء نے بطریق مسدد و ابی بکر بن ابی شیبہ قال ثنا سفیان“ تخریج کی ہے، لیکن ابو الدرداء کے بیان میں قصہ مذکور نہیں بلکہ یہ ہے: قال عن ابی سلمة عن عبد الرحمن بن عوف قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم

ابن عیینہ عن الزہری کی متابعت سفیان بن الحسن نے کی ہے ابن الحسن کی روایت مستدرک حاکم میں ان فقرات میں موجود ہے: عن ابی سلمة قال عاد عبد الرحمن بن عوف ابو الدرداء فحادثا فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول

ابن عیینہ اور ابن الحسن کی روایتوں سے یہاں ہو گیا کہ صحیح ”ابو الدرداء“ ہے اب اس روایت کے اتصال و انقطاع سے بحث ضروری ہے،

ابن ابی عتیق، شعب بن ابی حمزہ، معمر، اور معاویہ بن سیميہ الصدیقی کی روایت کی بنا پر۔
ن من الزہری عن ابی سلمة قال اشفعنی ابو الدرداء فحادثا عبد الرحمن بن عوف الخ ترمذی ۳/۲/ طبع پندہ ترمذی
کے ہندی نسخوں میں پہلے ابو الدرداء کے ابو الدرداء لکھا ہے، یہ خطا طبعی ہے

پھر حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ شعیب بن ابی حمزہ کی روایت سے روایت مکررہ نقویہ ہوتی ہے لیکن مکررہ رواد کھنا خطا ہے۔

ابن حبان نے زہری کے جن اصحاب کی طرف اشارہ کیا ہے ان میں سے ابن عیینہ اور سفیان بن عیینہ کی روایتیں تو ہم پاسکے، ان دونوں کے ماسوا اصحاب زہری میں سے کسی اور کی روایت نہیں ملی، مستند حاکم میں بھی صرف ان دونوں کی روایتیں ہیں، ملائکہ حاکم ہر باب کی روایات بالا ستیاب ذکر کرنے کے شوگر ہیں، غرض مکرر کے خلاف صرف دو روای ہیں جن میں سے ابن عیینہ روایات زہری میں مکرر کے ہم مرتبہ ہیں، ابن معین کے نزدیک مکرر اثبت فی الزہری ہیں، اگرچہ یحیی القطان کے نزدیک ابن عیینہ "احب" ہیں

علامہ ازہری مکرر کے متابعین ہیں، شعیب جو اثبت اناس فی الزہری میں، محمد بن ابی عیینہ جن کے متعلق محمد بن یحییٰ جیسے "اعلم اناس بحديث الزہری" کی شہادت ہے کہ وہ "حسن الحدیث عن الزہری" ہیں، تیسرے متابع معاویہ بن یحییٰ الصدقی ہیں، یہ ضعیف ہیں البتہ ان کی وہ روایتیں جن کے راوی ہفطل ہیں قابل قبول ہیں لیکن اس حدیث کے متعلق خبر نہیں کہ ہفطل کی روایت ہے یا کسی اور کی،

سفیان بن عیینہ کے متابع صرف سفیان بن حسین ہیں مگر "ضعیف فی الزہری" میں، مکرر ادان کے متابعین کی روایتیں اگرچہ قوی و ثابت ہیں تاہم سفیان بن عیینہ کی طرف خطا کی منت نہیں کی جاسکتی ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابو سلمہ نے کبھی تو صرف حدیث کو بیان کیا وہ کبھی قصہ کی توضیح بھی کر دی لہذا زہری کی روایت میں کبھی قصہ بھی موجود ہے اور کبھی صرف حدیث ہے،

خصوصہ المقال یہ کہ مکرر کو خطا وار ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے، اگرچہ اس قصہ کی وجہ سے پیچیدگیاں بڑھ گئی ہیں لیکن صرف قصہ کی بناء پر مکرر اور ان کے متابعین کو خطا وار نہیں کہہ سکتے۔ ہفطل یا مکرر بن زیاد بن حبیہ مدائسکی، ہفطل نقب، ام محمد یا عبد اللہ ہے خلافت بنی امیہ میں سے ہیں معلوم ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں: مغشیت ابن یسلفی وقال كذا ان حق ما مضى فبفسد۔ احفظوا احوال۔
 ہے کہ شاید یہ باتیں ہوں گی جن کو ابن یسلفی علی اللہ علیہ وسلم جو چیز کے دن لکھا جا چکا ہے۔
تصحیح مترجم اس حدیث کی متن فور طلب ہے چنانچہ عبارت الی لا حفظ من ذراعی احوال
 کان سراسرہ بین ذراعیہ وعندی میں شاید اس میں نے تطبیق کر دی ہے، اصل عبارت اس
 طرح ہوگی: اللی لا حفظه ولکن سراسرہ بین ذراعیہ وعندی، بامش لا اصل من لفظ احفظوا
 کہ طریق کی تفسیر ہوگی، اسی طرح لفظ مترجم ذراعیہ کے عوض دوسرا نسخہ دیا، لیکن تاہم
 نے عندوں نسخوں کو عبارت کا جزو سمجھ کر غلط کر دیا اور اس طرح اصل عبارت نسخ ہو گئی، تصحیح میں
مسند امام احمد کے ان لفظوں سے بھی مدد ملی ہے: مغشیت ابن یسلفی، قال قلت الی
احفظوا احوال قال احوال بالصلوة۔

امراء خدا فرمان نبوی، انفی بکتب کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی کریم علی اللہ علیہ وسلم یا تو اپنے
 خلفاء کی تصریح یا دین کے ضروری احکام لکھانا چاہتے تھے ہر حال یہ امر ارشادی تھا کہ چاہا ہی
 لے کر اگر ارادہ جوی تھا تو معاویہؓ حضرت عوفؓ سے خلافت امر نبوی کرنے کی ترغیب کیسے ہو سکتی ہے بین
 کے منع کرنے پر حضور اکرم علی اللہ علیہ وسلم کہیں سکوت فرماتے طواہہ بریں یہ کہ اس واقعہ کے بعد
 چندوں تک آپ بقید حیات رہے پس اگر کسی مصلحت کی بنا پر کھانا ضروری ہو تا تو آپ بھی
 مزدور کھانا پیتے کہ وہ ان مزدوری ہدایات کی تحریر و تفصیل سے پہلے آپ کی وفات کیوں کر نصیب ہو سکتی
 ہے جن کے بغیر دین کا نظام مناسطہ و اکمل نہ ہو پائے چکا آپ ہی پر نبوت ختم ہوئی، لہذا ظاہر ہے کہ جب تک
 کتابت ہی میں حضور اکرم علی اللہ علیہ وسلم کو مصمت نظر آئی یا آپ کو فہم نہ ہوئی معلوم ہوا کہ کھانا
 کو مزدوری نہیں، چنانچہ آپ کے قول: بأني الله والمؤمنون الا ابا بكر ہے ایسا ہی معلوم ہو چکا
 رہے احکام کی کتابت کے متعلق دواجنہاد کا دوازدہ شائع علیہ السلام نے کھانا دیا ہے
 بعقول کا خیال ہے کہ حضور پر تو ر علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
 خلافت کا تحریری حکم نامہ چھوڑ جانا چاہتے تھے لیکن صحابہ کرام علیہم السلام اس میں کفایت نہ

اور خدمتِ حق کے باعث حرفِ مشغول فی مصلوٰۃ پر اکتفا فرمایا کہ یہ امامتِ کبریٰ کی روح اور اصل جوہر ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان ہے کہ اہلِ نبی نے پیغمبری کا حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ بشارتِ کبریٰ کے وہی الفاظ جوئے کی گھڑی تھی لیکن خود صحابہ کرام دریاں کے بعد تبیین نے من کی زمین کی جانچ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مجلس میں یہ ذکر آیا تو آپ فرما تھیں:

مقی اوصیٰ ابیہو قل کنک مسندہ	پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ان کے مشتق و مبعود
الی صدی ہی غد عا بالطست لظفر	فرمائی؟ جالیگر میں اپنے سینہ سے آپ کو نکالنے لگی
انفخت فی جھری فدا شحرت	کہ آپ نے طشت طلب کیا اس کا خاتمہ جسدِ مبارک
وہ لکسات مقی اوصیٰ الیہ	سیری گو میں آ رہا ہوں میں نہ بھی کہ آپ جاں بحق ہوئے
	پھر کتاب آپ نے ان کو وصی بنایا۔

خود حضرت علی نے اپنے وصی ہونے کا دعویٰ نہ تو زمانہ خلافت سے پہلے اور نہ خلافت ہی کے زمانہ میں کیا، اسی طرح نقیبہ بنی ساعدہ میں جبکہ صحابہ کرام کا اہم اجتماع ہوا تھا تو اس وقت بھی کسی صحابی نے حضرت علی کے وصی ہونے کا ذکر نہ کیا،

ابن ابی شیبہ اور ابن ماجہ نے یہ سند قوی حضرت ابن عباس سے اور رقم بن شریک کی یہ روایت نقل کی ہے۔

عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وہو یوصی	وصیت نہ کی

حضرت عمر کی روایت "انما اوصیٰ الذبیہ" میں ہے کہ:

ابن کثیر صلی اللہ علیہ وسلم نے (شارح) نے بخاری کتاب الوصایا، ۴۰۲/۱، میں حضرت علی کے وصیت طلب کرنے کی ثابت ترقی کی اس روایت سے واضح ہو جاتی ہے جس کے متعلقہ میں: خدا عا بالطست لظفر

نقل عن عائشہ صلی اللہ علیہ وسلم در شاکی باب ماجاء فی وفاة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وحبائہ

صحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی صاحب
 ولہ بسفطاف۔
 نے کسی کو ظیفہ نافرود کیا۔

ہلین یا سود بن قیس عن عمرو بن ابی سفیان عن علی بن ابی حمزہ اور سہیل بن ابی ہاشم نے "اللہ تعالیٰ" میں ترجمہ کی ہے
 کہ حضرت علی جنگ میں بنو دہر جوئے کو آپ نے فرمایا:

"یا ایھا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم
 اللہ علیہ وسلم لہ بعد الینانی ہذا سے اس "امامت" کے بارے میں کسی قسم کا جھگڑ
 الامارہ مشہد" نہیں لیا۔

وصیت بنو النضر حضرت کے باسواد بنجر امویکی وصیت روایات و سنن میں ثابت ہے، ان صحابہ
 میں سے بعض کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔

امام احمد شادی السری (دی الزہد) ابن سعد (طبقات)، اور ابن خزمیہ نے اتفاقاً التہذیب
 کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے۔ اس حدیث کے بعض طریق کے
 الفاظ ہیں

"الغنی جہا علی بن ابی طالب اس کو علی بن ابی طالب کے پاس بھیج دو کہ وہ
 لیتصدق بہا" تصدیق کر دیں۔

وصیت کی ایک اور روایت مندرج ذیل ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین باتوں کی وصیت فرمائی (۱) دار میں، (۲) رباؤ میں، (۳) اور
 اشتر میں سے ہر ایک کو۔۔۔۔۔ سود سن عبید کے (دو تھے) جاتیں (۱) جزیرۃ العرب
 میں دو دین باقی در کے جاتیں۔ (۲) اسامہ اپنی قوم پر بھیج دے جاتیں"

مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین
 باتوں کی وصیت کی ایک یہ کہ خود کو اسی طرح جو آئندہ جائے جاتیں جس طرح میں وصیت اللہ تعالیٰ
 ابن ابی لوطی رضی اللہ عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور نے کتاب اللہ کی

وصیت فرمائی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:-

”وفات کے وقت آنحضرتؐ صلعم کی عام وصیت نازل اور ”ملک بین“ کی تھی، حضرت

انسان کا بیان ہے، کہ حضور اکرمؐ نے اس حال میں کہ زبان مبارک سے کوئی کلمہ نہ نکل

سے نکل پاتا تھا، مجھے نازل اور ”ملک بین“ کی وصیت فرمائی داسی روایت کے الفاظ یہ بھی

میں کہ، ”الفاظ سبہ اقدس میں گونستے تھے لیکن زبان مبارک ان کو ادا نہ کر پاتی تھی“

مذکورہ بالا حدیث پر حضرت علیؓ کی وہ روایت شاید ہے جس کی تخریج ابو داؤد اور ابن ماجہ نے

کی ہے، امام احمد و امام بخاری سے اس کتاب میں حضرت علیؓ کی روایت مطہریہ نعیم بن زید بیان کی

ہے۔ ”تعمیم کی روایت میں“ ”ذکرۃ“ کا لفظ زائد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ نے مرض الموت میں

مقتولوں سے ڈرایا، اور لزوم جماعت و طاعت کی تاکید فرمائی، علامہ ابن عبد الرحمن مرستار روایت کرتے

ہیں کہ سرور کائنات صلعم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ وصیت کی کہ جب میں مراؤں تو

۱۲ اللہ وانا للہ ساجدون پڑھو، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں

حضور اکرمؐ سے یہ درخواست کی کہ وصیت فرمائیں، تو حضورؐ نے فرمایا: اوصیکم بالما تعین الایمان

من المہاجرین وانبائہم بعدہم میرم دوگوں کو ہاجرین سابقین اولین اور ان کی اولاد

حضرت علیؓ کی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

اذا مات فاعسلونی بسمیع قہب میں جب مراؤں برزخ محمد کے صفائے شگ

من بئذخر من دکان بقیہ دکان پانی سے مجھ کو غسل دو، یہ کواں قہار میں تھا

بغیرت منہا، اسی کا پانی پیا جاتا تھا۔

مسند ابی داؤد مستدرک حاکم میں آنحضرتؐ کی یہ وصیت بہ سند ضعیف منقول ہے کہ آپؐ کے جنازہ

کی نماز خیر الام کے ”اربعین“ میں چلتے رنج کباب الہی (جہاد) میں تھے، یہ ایک حدیث بھی ہے کہ:

نہ عن محمد بن معروف قال قلت لابن ابی لوی، اوصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: لا وقت وکيف، بل ثبت لوصیہ وکيف
مروان قال اوصی بکتاب اللہ وحدثت مع حسن، ترمذی باب ما جاءہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم، ۲/۲۳ مجتہبی

”لا تغفلوا قبری وثناً“

میری قبر کو بت کی طرح پڑ جانا شروع نہ کرو۔“

روایتوں میں آتا ہے کہ دو فوات کے وقت، آپ نے مع الذین انعم اللہ علیہم لایہ تکوین کی، امام احمد کی تخریج میں مع الہوفین الاعلیٰ مع الذین انعم اللہ علیہم لایہ ہے ایک روایت میں اس طرح ہے:

اللهم اغفر لی وارحمنی والحقنی
بالہوفین الاعلیٰ
اے اللہ مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، اور حق
اعلیٰ سے مجھے ملے۔“

حضرت انس فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات ”جلال ربی الہوفین“ تھے
دنہ قارمن جامع بخاری میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت ہے
”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر اچھی طرح مسواک کرتے کبھی نہیں دیکھی
تھی آپ نے فارغ ہوتے ہی ہاتھ دیا انگشت مبارک اوپر اٹھا کر فرمایا ”فی الہوفین الاعلیٰ“
پھر فنگر لگے، حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ میں وقت آپ کا حاصل ہوا، سر اقدس میرے
”عائشہ“ اور ”فاطمہ“ کے درمیان تھا۔

افطابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذکورہ بالا بیان کو حاکم اور ابن سعد کی تخریج
وہ حدیث کہ آنحضرت سیدنا علی بن ابی طالب کی گود میں داخل ہوئے، سے قارمن ہے
لیکن اس حدیث کے تمام طرق میں شمی راوی موجود ہے لہذا یہ حدیث قابل اتقائے نہیں
ہے، حافظ حینی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو مجمع ماننے پر بھی قارمن ختم نہیں ہو سکتا ہے، اس
نقل کی بناء پر کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اخیار نے آنحضرت کے پاس رہے یہاں تک کہ آپ
صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر اقدس کو اپنے سینے سے لگائے کیا
ابن سعد نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے تخریج کی ہے کہ حضرت عمر فاروق کے مہر فوات
ہلک و خوکب الاحبار نے یہ جوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات کیا تھے؟
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علی سے یہ جوچا کہ میں نے حضرت علی سے دریافت کیا

نواب نے فرمایا :

اسند تہذیبی صدری فوض
میں نے آنحضرت کو سہارا دیا ہے سینہ سے
مؤسسہ علی منکبہ فقال الصلاة
نواب نے اپنا سر میرے موٹے پر رکھا اور
الصلاة، فرمایا ناز، ناز، ناز۔

امید کہ اقتباسات بالا جو اصل کتاب کے مختلف مباحث کے ترجمہ یا خلاصہ کی صورت میں
پیش کئے گئے، شرح کے قیمتی معامین اور شارح کی علمی و فنی تحقیقات اور ذہنی رجحانات کا ایک
اجلی نقشہ پیش کر دینے کے لئے کافی ہوں گے والحقہ تذل علی البیدر الکبیر۔

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بمثل تحفہ
ارباب علم کو مہیوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ بانی ہنسی کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں
کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گہرنا باب کی تھی اور ملک میں
اس کا ایک علمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ - ساہا سال کی عرز زریہ کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم نشانِ تفسیر
کے شائع ہو جائے گا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ و دیگر
سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں پہنچی ہیں۔

ہد فیہ جلد اول قطع ۱۹۲۲ء سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد ثالث
سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثالث و رابع زیر کتابت ہیں۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ادبیات

مغفط سیرت

(جناب الم مغفط بھجری)

میں حسن ازل کا جلوہ ہوں ہر جلوے میں پوشیدہ ہوں
 بیدار شبابِ گل میں چوں اور تاروں میں خوابیدہ ہوں
 میں بن کے ہنسی آجاتی ہوں پھولوں کے لبوں پر وقتِ بحر
 اک جوشِ تکلم ہوتی ہوں خاموش نشاؤں کے اندر
 کلیوں کی صبوحی میں رکھتی ہوں بادۂ رنگیں پوشیدہ
 پھولوں کی رنگوں میں دوڑاتی ہوں برقی جمالِ تابدیدہ
 رقصاں ہوں بگولے جنگل میں یا شمع پر لرزاں پروانے
 میرے ہی اشارے میں غنّی یہ دولتِ دجّین کے ہنگامے
 طوفانِ حوادث کی موجوں میں راہِ منسا بن جاتی ہوں
 ہر دہشے والی کفّتی کو ساحل کی راہ دکھاتی ہوں
 میں رازِ بقائے ہستی ہوں احکامِ فنا کے دامن میں
 فندوں سے آگاتی ہوں لے صحر کو سجا کے گلشن میں
 یہ پھولوں کے برگِ درزاں کچھ ٹکڑے ہیں پیماؤں کے
 کچھ آئینہ شمعِ محض کے کچھ داغِ جگر پر دانتوں کے

یہ کہہ کر کھنڈ رہ دیا نے اتنا کسی محض کے ہیں
 ہر مروج رواں کے قطروں میں ذرے خاکِ ساحل کے ہیں
 دستورِ نظامِ ہستی سے واقف ہی نہیں لیکن انسان
 یہ اس کی نظر سے مخفی ہے قہر میں ہی تعمیر ہیں
 تغیر کا قانونِ ازل ہے اس کی نگاہوں میں خطرا
 غوطہ ہے اس کی روحِ مگر وہ موت سے ہے گھبرا جاتا
 آمیری طرف غافل اتنا گمراہ نہ ہو اس منزل میں
 دکھلاؤں تجھے عینِ منزل ہر ذرۂ جادۂ باطل میں
 قطرے کی تارک موجوں کے دامن میں دریا پہنچا ہے
 ذرہ نہ سمجھ ہر ذرے کو خورشیدِ حقیقت تاباں ہے
 ہوشِ کام کہ صبحِ نورانی سب حسنِ ازل کے جلوے ہیں
 معمورِ نواہں سے اس کی سازِ ہستی کے پردے ہیں
 جب ایک حقیقت کے پر تو میں دونوں جہاں کے نظارے
 تینیزِ غلط کا مجرم تو ہوتا ہے جہاں میں کیوں پیارے
جذباتِ مائل
 (جوابِ مائل انصاری خیر آبادی)
 بے جاتے ہیں دل اہل وفا کے کیسے بیٹھے ہو مٹی میں ملا کے
 ڈرانے پر انھیں غمخیز دکھا کے ازل سے منتظر ہیں جو قصا کے
 وہ پہنچتے کہ رہے ہیں عاشقوں کو بہر انداز و غمزہ آزما کے
 مسلمان کی نظرِ اللہ اکبر! ذرا اٹھی کہ رخِ پردے جوا کے
 ”جنوں کی ہنگام اور نجد سے مائل!
 کہ اللہ اللہ اے بندے خدا کے!

تبصرہ

مرزا شوق لکھنوی | از پروفیسر خواجہ احمد فاروقی - دہلی یونیورسٹی قلعہ خور و ضمانت منہ
صفحات کتابت، طباعت، کاغذ نفیس قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے
شے کے پتے :- دا، مکتبہ برہان، اردو بازار - جامع مسجد - دہلی ۲، محمد اسلم - محلہ لکھ
روڈ پورٹی درسم، علی گڑھ (۳)، علی کتاب خانہ اردو بازار - دہلی ۱

غالب مرزا شوق لکھنوی اردو کے ان بدنام شاعروں میں سے ہیں جن کی کتابیں ایک خاصہ
نک منورغ الاشاعت رہیں اور ان کو پڑھنا محبوب سمجھا گیا لیکن عجیب لطیف ہے کہ اس "رغیہ
خرابی" کے ملاطفتوں کو دور کرنے میں جس نے پہل کی وہ اردو کا نامور نقاد اور صاحبِ اہل رائے
ادیب حالی تھا، جس کے "زاہد منا جاتی" ہونے میں شبہ نہیں۔ مقررہ شروع شاعری کے یہ الفاظ
دہرانے کے لائق ہیں۔

"غالب مرزا شوق نے جو... خنویاں... لکھی ہیں ان کو میں مدغمہ اور مجاہدہ کی صفائی،
قافیوں کی نشست، ترکیبوں کی چستی اور مصرعوں کی برجستگی کے لحاظ سے تمام اردو کی موجودہ خنویاں
سے بہتر سمجھتا ہوں"

اس کے بعد مولانا عبد الماجد دریا آبادی مدیر صدیقی نے سبیل مرحوم میں ایک متحرک گزارش
مضمون اردو کے ایک بدنام شاعر کے عنوان سے لکھا اور ساری اردو دنیا کو شوق کی طرف
نہج کر دیا، یہ بھی اور اس حالی کے قلم کی آواز بارگشتِ حق جو عبد الماجد جیسے نقاد اور شہید ادیب
لے لے دہلیس راہ بنی۔

لیکن یہ کوئی غلط فہمی نہیں اور اشارات تک محدود نہیں مرزا شوق کی اہمیت اس

کی سفر شاعری بھی کہان کے نتائج فکر پر ایک علیحدہ اور مستقل کتاب لکھی جاتی جس سے ان کے کلام کا اندازہ ہوتا اور جدید تنقید کا بھی پورا حق ادا ہوتا۔ خصوصاً ان کی غزلیں بہارِ عشق کہ اس کی ذہنی ابلیج تک کسی صاحبِ فن کو نہ ملے۔ غلام اور سیکے شاہِ تنقید کی منت پذیر تھیں ہیں خوشی ہو کہ خواجہ احسان علی صاحبِ اہم۔ اے جیسے شگفتہ مزاج صاحبِ قلم نے ادھر تو جہکی، موصوف نے اس کی کوشش کی ہے کہ مرزا شوق کی غزلوں کو ان کے تاریخی اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ جانچیں اور ان کی صحیح فہم و قیمت متعین کرے۔

مرزا شوق کی غزلیں زیرِ عشق اور بہارِ عشق، جانِ عالم و اجد علی شاہ کے اس لکھنؤ سے متعلق ہیں جب بغول پر پیسیر فاروقی۔ ذہن نسیم اور جلوہ گل کی کمی نہیں تھی۔ ہر منظر، جنتِ نگاہ اور ہر گوشہ بہارِ دامنِ باغیاں بنا ہوا تھا۔ جہاں نظارہِ جمال بھی تھا اور شوقِ وصال بھی تمام بلور بھی تھا اور ذہیرہ صبح بھی۔ مراچی سے ناب بھی تھی۔ اور سفینہ غزل بھی۔ لوگ ماضی و مستقبل کو حال کی بدستور اور نگینوں میں سجلا چکے تھے اور دستِ افشانی اور پاکوئی کا مفہوم صرف یہ رہ گیا تھا کہ۔

بیانا ایک امشب تماشا کنسیم جو سرورِ آشود، فکرِ فردا کنسیم فاروقی صاحب نے جا جا اس بات پر زور دیا ہے کہ ان غزلوں کو انیسویں صدی کے اس ماحول سے جب کہ زندگی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اس کا سارا رس سچوڑ لیا گیا تھا الگ کر کے دیکھنا تاریخ اور تنقید دونوں کا خون کرتا ہے۔

لیکن قاضی نقاد کی نظر صرف و اجد علی شاہی لٹریچر کی منفی رنگینوں میں الجھ کر نہیں رہ گئی۔ انھیں نے اس کے مثبت پہلوؤں پر بھی نظر ڈالی ہے۔

قلمی صاحب نے مرزا شوق کی کردار نگاری، زبان و بیان اور آرٹ سے بھی مفصل بحث کی ہے اور مقامِ مسرت ہے کہ انھوں نے اس کلمت بنا کر اس کی پرستش نہیں کی بلکہ جہاں کہ پہلو نظر آئے ہیں ان پہلوں تک چھینی کی ہے۔

شوق کی زبان ایسی پاکیزہ ہے کہ دہائے اردو اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

یہ کمال معمولی نہیں ہے کہ اس نے اس میٹھی بول چال کے راگ اس وقت چھیڑے جب ناسخ کا مولیٰ بول رہا تھا۔ اودا بل دوبار سے لے کر عوام تک سب اسی کی تقلید کو فرماتے تھے۔ عشق کی مانع تھی کی داد دینی چاہئے کہ آج زبان کا کارواں اسی منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔

مولف کی زبان جرأت و جہل اور حسن و جمل کا آمیزہ ہے اودا بل کی رائے میں بڑی حد تک توازن و اعتدال ہے۔

سچ تو یہ ہے فاروقی صاحب کا ادب لطیف کے عطر میں مہکا ہوا یہ شاہکار و کچھ کراب سے چھتیس سببیتس سال پہلے کے مہرِ طفولیت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم گیا اور زمانہ شباب کے دھندلے دھندلے سائے اندلے نظر آنے لگے، یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا عشق کی عشوی زہر عشق کا گھر گر چکا تھا اس کی اشاعت ممنوع قرار دی جا چکی تھی اور زندہ دل یا یوں کہہ لیجئے کہ دھڑاقریں ادب کے دل دادہ اسے پوشیدہ پوشیدہ طریقہ کر پڑھتے اور سر دھنتے تھے،

ہمارے فارسی کے بالکال استاد مولانا محمد حسین صاحب مرحوم خدمتِ درس کے ساتھ کتابوں کا کاروبار بھی کرتے تھے یہ کاروبار اپنی گوناگوں خصوصیات کے لحاظ سے بے حد دلچسپ تھا، موصوف کی عادت یہ تھی کہ ہر عبارت کو ایسے لڑکوں کو اپنے قریب لے جاتے کہ ان کی شکل میں بٹھایا کرتے تھے جن کو کتابیں پڑھنے اور خریدنے کا شوق ہو خوش قسمتی سے میرا شمار بھی ایسے ہی طلباء میں تھا ہم سب ساتھی بے پناہ ادبی کتابیں خریدتے تھے اور ایک ایک ناول بار بار پڑھتے تھے، شہرہ راشد الخیری، بریم چند اور اس وقت کے تقریباً تمام مشہور ناول نویسوں کی کتابیں مطالعے میں رہتی تھیں موصوف کے پاس زہر عشق کا بھی ذخیرہ ذخیرہ رہتا تھا چنانچہ ہم نے یہ ناول دوز عشوی سب سے پہلے اپنے استاد ہی سے خریدی اور اس کے بہت سے متفرق حصے حفظ کر کے ۲۶ سال کے بعد پھر ان کتاب سامنے آئی تو اس کے حبد حبد مگرے بے ساختہ یاد آ گئے۔

پناب میں واقع مولف کا محلہ شخصی طور پر بھی مہربان احسان ہوتا تھا ہے کہ ان کے رعایت میں میرا ڈیڑھ سو روپے ادب پاروں کے دیکھنے سے ایک بے زمانہ کی یاد تازہ ہو گئی ہے دنیا کی ادب کا

کا نام کہا گیا ہے اور جس میں مکر فروا کے گرد غبار کا کہیں آس پاس بھی گزر نہیں ہوتا۔

آخر میں اس حقیقت کا اھدے استعجاب کے ساتھ اظہار کر دینا بھی شاید کچھ زیادہ مناسب نہیں ہو گا کہ ”قطعی سالی ۱۲ اور بیگانہ خیزی کے اس دور میں ہمارے نہایت سنجیدہ پروفیسر نے عشق و محبت کے اس تاریخی سبق کو جو اچھے وقت میں بھی گہرے گہر خالی کر دینے کا عادی ہے کیوں کر دہرانا پسند کیا شاعری بڑا ناگوار بھی بڑی نہیں ہوتی لیکن شاعری کی اخلاقی تہذیب سے محاصرہ ہر قسم کی حدود سے آزاد نہیں ہو سکتی،

یہ گلدستہ عشق و محبت جناب نیاز فتح پوری کے مفید مقدمہ اور جناب جوش ملیح آبادی کے دیباچہ کے ساتھ نگار تک ایجنسی سے شائع ہوا ہے۔ ع۔ س۔

رہنمائے انسانیت یعنی دین فطرت | از جناب صفوة الحق صاحب صابر مدیر المیہ القطیع
ظلال کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۳۰ صفحات

قیمت بجا رہے :- ادارہ الحق ڈپور بھی شہر بہار جنگ محلہ سلطان شاہی ڈاکخانہ شاہ علی زندہ حیدر آباد کٹہ۔

مختلف اسباب و وجوہ سے مسلمانوں میں آج کل عقیدہ و عمل کی بہت سی گمراہیاں پیدا ہو گئی ہیں جن کے باعث ان کا شیرازہ ملی پرگندہ ہو کر رہ گیا ہے مثلاً کچھ لوگ ہیں جو وحدتِ ادیان کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ مروجہ مذاہبِ عالم میں سے کوئی شخص کسی بھی مذہب کی پیروی کرے اس کی نجات ہو جائے گی کسی حلقہ میں دین اور سیاست ان دونوں کو الگ الگ دو حقیقتیں تسلیم کیا جاتا ہے کہیں تقصوت کے رموز عارفانہ کو اصل اسلام مانا جاتا ہے اور کہیں سرے سے مذہب کو ہی غیر ضروری چیز قرار دے دیا گیا ہے یا اور اس قسم کے بہت سے افکار و عقائد ہیں جو کہ اس کتاب میں تردید کر کے اسلام کی اصل تعلیمات کی نشان دہی کی گئی ہے اس سلسلہ میں علوات اور اسلامی اخلاق و فضائل کی تشریح و توضیح اور ان کے رموز و حکم پر بھی گفتگو ہو گئی ہے اس اعتبار سے اپنی مصنف کا مقصد بے شبہ نیک اور قابلِ داد ہے اور خود کتاب بھی بہت سی باتیں پرور معلومات پر مشتمل ہے لیکن مصنف کا حامی و ترغیر خیر اسد علی و برہانی ہونے کے

پچائے معصن خطابی اور جدلیاتی ہے اس بنا پر اس سے وہ ہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو پہلے سے مصنف کے ہم خیال ہوں علاوہ بریں کتاب افراط و تفریط سے بھی پاک نہیں ہے متعدد مقامات پر مصنف کا قلم اعتدال کے راستے سے ہٹ گیا ہے مثلاً کفر، شرک اور نفاق کے جو وسیع معانی انھوں نے بیان کئے ہیں ان کے پیش نظر غور کرنا ہو گا کہ دنیا کے کرداروں مسلمانوں میں سے اصل مسلمان کتنے سو یا کتنے ہزار ہیں۔ پھر بعض جگہ بعض حقائق کی تعبیر بھی غلط یا بالکل یک طرفہ ہے خصوصاً ۳ پر سیاست کی یہ تعریف کرنا کہ ”ہم رب و مہ کے عہد مہلک و محکوم بن کر اس کے آثار بن بعدوں پر حکومت کریں“ یا مثلاً ۲ پر لفظ سیاست کی یہ نئی تعریف ”تحقیق کر“ خود آزار دہ کر دوسروں کو اپنا محکوم و غلام بنانا“ نہ صرف یہ کہ غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ اسلام کی اسپرٹ کے باطل خلاف ہے ان احکمالا للہ کے مطابق مالکیت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اسی طرح مصنف نے متعدد مقامات پر اسلام کی حقانیت پر زور دیتے ہوئے دوسرے مذاہب و ادیان کو بالکل باطل اور غلط کہا ہے۔ مصنف کا یہ دعویٰ بھی نہ مطلقاً صحیح ہے اور نہ قرآن کے ارشاد کے مطابق ہے۔ اگر سب مذاہب بالکل غلط ہیں تو آخر وہ کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن غیر مسلموں کو تھالو الی کلمۃ سواء بنیاد بینکھ کہہ کر دعوت دے رہا ہے مصنف نے زور قلم میں بعض ایسے اہم مسائل کو بھی چھپوڑ دیا ہے جو ظاہر ان کی بساط سے باہر ہیں مثلاً مسئلہ پر عالم آخرت کے جسمانی دروہانی ہونے کی بحث ایسی نہیں جو محض تخیلی آمیز چیزوں سے ملے ہو جائے سلف میں بڑے بڑے علماء روحانی ہونے کے قائل ہیں۔ مثلاً ۷ سے لے کر ۱۵ تک مصنف نے دو کالم بنائے ہیں جن میں سے پہلے کالم میں نمبر وار باطل افکار اور دوسرے کالم میں ان کے مقابلہ میں الہی قرآنی تعلیمات بیان کی گئی ہیں اس حصہ میں بھی بعض چیزیں مثلاً نمبر ۶-۷-۸-۹-۱۰ ایسی چیزیں پر مفصل اور جامع گفتگو کی ضرورت تھی۔ چند سطروں سے ان مسائل کا حق ادا نہیں ہوتا اور گفتگو بالکل یک طرفہ ہو گئی ہے۔ ان چند خامیوں اور فروگزاشتوں سے قطع نظر کتاب بحیثیت عمیدی مطالعہ کے لائق اور مفید ہے۔

۱۹۴۰ء کے مہینہ | از محترمہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔ تفتیح خرد کتاب طباعت
بیت صفات قیمت ۱۲ روپے :- مکہ مصنف علی گڑھ

۱۹۴۰ء کی جنگ آزادی میں جن مجاہدین وطن نے انگریزوں سے سرورِ شانہ مقابلہ
کیا اٹھان میں نواب: اجدر علی شاہ کی سلیم حضرت محل: جنرل بخت خاں اور جنرل محمود خاں بھی
ہیں اس کتاب میں انھیں شہیدوں کے مختصر حالات مع ان کے کارناموں کے بیان کئے گئے ہیں
اس ضمن میں خاندانِ اودھ کی مختصر تاریخ اور اس دور کے چند اور دوسرے مجاہدوں کے حالات
کا تذکرہ بھی آگیا ہے، زبان و بیان صاف و سلیس اور شگفتہ و دلچسپ ہے۔ ایک سنجیدہ موضوع
پر اور اس پر ایہ میں ایک خاتون کے قلم کی یہ کاوش بہر حال لائقِ تحسین و آفریں ہے۔ موجودہ
دل شکستگی کے زمانہ میں مسلمانوں کے لئے اس کا مطالعہ حوصلہ و دلور پیدا کرنے کا موجب ہوگا۔

خلافت عباسیہ

جلد دوم۔ تاریخ ملت کا چٹنا حصہ جس میں اٹھائیس حکمرانوں متوکل سے لے کر مستعصم
تک کے تمام تاریخی حالات بڑی کاوش سے جمع کئے گئے ہیں اس حصے میں بھی پہلے حصے کی تمام
خصوصیتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وفاق بالند کے زمانے تک ایک صدی کو چھوڑ کر عباسی خلافت
کے ۴۲۲ سال کے دور حکومت کی تاریخ آپ کو اس میں ملے گی جس سے اندازہ ہوگا کہ بغداد
و مسلمانوں کی عظمت و اقتدار کا گہوارہ اور مشرقی ملکوں کا سمرناج تھا کس طرح دیرین دریا گندہ
ہو کر ان منفرق جماعتوں کا مسکن ہو کر رہ گیا جو ہلاکو خاں کی فوج کے سالن آئی قبی سلطان بویہ، سہجہ
نگی، ابوبی، طوین، ہاٹینہ وغیرہم عصرِ اول اسلام کے حالات کا جامع خلاصہ بھی آپ کو اس کتاب
میں ملے گا کتاب کے آخر میں عباسی خلافت کے تمام دوروں پر ایک سیاسی اور تاریخی نظر ثانی
کئی ہے جو کم و بیش ہشتاد ہشت صفات ۶۶ قیمت غیر جلد چار روپے بارہ آنے قیمت پندرہ روپے
مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد علی گڑھ

خلافت راشدہ و تاریخ ملت کا دوسرا حصہ جدید ایڈیشن

قیمت پچھراں ہے۔ مضبوط اور عمدہ جلد للہم

سلسلہ مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد اول

لغت قرآن پر بنے مثل کتب ہے جلد للہم

سروایہ۔ کارل مارکس کی کتاب کپٹل کا مفصل ششہ

ورفتہ ترجمہ، جدید ایڈیشن۔ قیمت غیر

اسلام کا نظام حکومت۔ اسلام کے ضابطہ حکومت

کے تمام شعبوں پر دفعات وار مکمل بحث ہے جلد للہم

خلافت بنی امیہ۔ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ ہے

جلد ہے مضبوط اور عمدہ جلد للہم

سلسلہ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد اول۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب للہم

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد ثانی للہم

قصص القرآن حصہ سوم انبیاء حلیم السلام

کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآن للہم

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد ثانی ہے جلد للہم

جدید اور محققانہ کتاب علم جلد سے

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰؑ اور یوں

صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا بیان ہے جلد ہے

انقلاب روس۔ سے

سلسلہ ترجمہ ترجمان السنہ۔ ارشادات نبوی کا جامع

اور مستند ذخیرہ جلد اول سنہ جلد ہے

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ جلد سوم

للہم

مسلمانوں کا نظم ملک للہم

تحفۃ النظائر۔ یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ

قسم اعلیٰ سے قسم دوم دور در دور آئے۔

مارشل ٹیٹو۔ یوگوسلاویہ کی آزادی اور انقلاب پر

نیچہ خیز اور دلچسپ کتاب۔ دور در دور۔

مفصل فہرست کتب دفتر سے طلب فرمائیے

اس سے آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل

بھی معلوم ہوگی۔

نیشنل بک ڈپوٹ

NADWATUL MUSANNIFIN

Urdu Bazar, Jinnah Masjid, Delhi.

مختصر قواعد نذرۃ المصنفین دہلی

(۱) محسن خاص۔ جو محض ہر حضرت کم سے کم پانچ سو روپے کی شہادت فرمائیں گے وہ نذرۃ المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور کتبہ برہان کی تمام مطبوعات تنہا جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں کو مستفید ہوتے رہیں گے۔

(۲) محسنین۔ جو حضرات یکس روپے سال مرحمت فرمائیں گے وہ نذرۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضے کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ ادارہ کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد اوسطاً چار ہوگی۔ نیز کتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ برہان کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

(۳) معاونین۔ جو حضرات اشعار روپے سال پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار نذرۃ المصنفین کے طے معاوضہ میں ہوگا۔ ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان رجس کا سالانہ چندہ پانچ روپے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

(۴) احباب۔ نذر روپے سالانہ لاکرنے والے اصحاب نذرۃ المصنفین کے احباب میں داخل ہوں گے ان حضرات کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور ان کی طلب پر اس سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔

قواعد

- (۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو طرہ شائع ہو جاتا ہے۔
- (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین بشرطیکہ مہربان ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں
- (۳) باوجود اتمام کے بہت سے رسائل ڈاکٹروں میں شائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے، وہ زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں ان کی خدمت میں رسالہ دوبارہ بلا قیمت بھیج دیا جائے گا اس کے بعد شکایت قابل اعتبار نہیں بھیجی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امر کیلئے ۱۔ کراکٹ یا جوئی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ پانچ روپے۔ ہر ششماہی دو روپے بارہ آنے (مع وصولہ ٹیک) فی پرچہ ۸

(۶) سنی آمد روا کر کے وقت کو بن پر پتا مکمل پتہ ضرور لکھئے

مولوی محمد ادریس صاحب پرنٹنگ پریس جید برقی پریس دہلی میں طبع کر کے دفتر رسالہ برہان دہلی کو پیش کرنا ضروری ہے۔

Sep. 50

18 SEP 1950

پندرہ روزہ
مستند و علمی دینی مآہنامہ
ندوة ایین دینی کا علمی دینی مآہنامہ

برکات

مرتب
سید احمد بک آبادی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ، مطبوعہ
سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت جلد ۱۲۰ روپے
فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے
اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو اندر فر
مرب کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیل
بیان - جدید ایڈیشن قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
اخلاق و فلسفہ اخلاق - علم الاطلاق
پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب
کو زیادہ دل نشیں اور سہل کیا گیا ہے۔

قصص القرآن جلد اول بحسب ایڈیشن
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات
واقعات تک - قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
قصص القرآن جلد دوم حضرت یونس سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک بحسب ایڈیشن -

قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام
کے واقعات کے علاوہ باقی قصص و آئی کا بیان
قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید
ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں۔ قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
سلسلہ تاریخ ملت - مختصر وقت میں تاریخ
اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی
ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر اہوا اور شگفتہ
نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشیں انداز میں لکھا

گیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان - قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ،
قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰

خلافت ہمسانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
خلافت عباسیہ جلد اول تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ، قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰
خلافت عباسیہ - جلد دوم تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ، قیمت ۱۲۰ روپے جلد ۱۲۰

برہان

جلد سبست و پنجم شمارہ (۳)

ستمبر ۱۹۵۰ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین

- ۱- نظرات سید احمد ۱۳۰
- ۲- تدوین حدیث حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۱۳۳
- ۳- غفلت حدیث پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم۔ اے ۱۳۵
- ۴- طائل القرآن جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی ۱۵۹
- ۵- دیوان غلط کا ایک نادر نسخہ مولانا امتیاز علیاں صاحب عرشی ۱۷۴
- ۶- تفسیریں و ترجمہ ہندی اسبکتی میں مسلمانوں کے حق میں ۱۸۰
- ۷- باب التقریظ و الاستعداد (بیان اللسان) مولانا محبوب الرحمن ممتاز دہری کبیر علی سید مالک ۱۸۶
- ۸- ادبیات - قزل جناب الم منظر نگر ۱۹۲

نَظَرِ

افسوس ہے گذشتہ مہینہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شیرانی نے نہ سال کی عمر میں وفات پائی۔ صاحب کے ہنگامہ کے بعد جن اکابرِ علم ادب نے اس ملک میں ان کی نشاۃ ثانیہ کا سر و سامان کیا تھا مولانا ان کے گزمرہ میں ایک نوجوان رفیق کی حیثیت سے شامل تھے اس لئے انہوں نے اس دور کی بہار سامانیاں خود اپنی آنکھ سے دیکھی تھیں بعد اپنی خدا داد صلاحیت و قابلیت سے کام لے کر ان کی تعمیر ترقی میں خود بھی عملی حصہ لیا تھا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مدرسہ اسلامیہ دارالمصنفین اعظم گڑھ، مسلم ایجوکیشن کالج فرنس، دارالعلوم دیوبند، حیدرآباد کا حکمہ، یونیورسٹی یہ سب ادارے مرحوم کی اصلاحی و تدبیری کاوشوں اور گونا گونیہ خدمات و کمپیوں کے جواہر نگاہ تھے دولتِ زر کی بہتات کے ساتھ دولتِ علم و فضل سے بھی مالا مال تھے مرحوم کا کتب خانہ ہندوستان کا ایک بہترین کتب خانہ تھا جہاں ریسرچ اسکالرز اگر مطالعہ و تحقیق کی تشنگی بھگتے تھے کتابوں کی حفاظت و نگرانی امدان کی ترتیب و فہرست سازی کا خاص اہتمام کرنے تھے ذوقِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ضعف و کٹا، اور بیماری کے باوجود روزانہ چند گھنٹے کتابخانہ میں یا بندی کے ساتھ بیٹھتے اور مطالعہ کرتے تھے متعدد کتابیں اور بہتر سے مقالات بھی ان کے قلم سے نکلے اردو کے صاحب طرز ادیب تھے۔ فارسی اور عربی شعروادب کا شگفتہ ذوق رکھتے تھے دینداری اور مذہبی شاعر و آداب کا احترام ان کی فطرت تھی، حقوق و عادات، طور و اطوار کے لحاظ سے اب سے ڈوبائی سو تین سو برس پہلے کی اسلامی تہذیب و شرافت کا زندہ نمونہ تھے خود داری کے ساتھ فلسفہ کی تمکنت و عروج و گاہ کے ساتھ ادب و علم ادب کے ساتھ انکساری ان کی طبیعت کا جوہر تھا انہوں نے اپنے علم و فضل سے بھی ملتی خدا کو فیض پہنچایا اور دولت و ثروت سے بھی ان چند در چند خصوصیات و کمالات کے جامع ہونے کے اعتبار سے مرحوم مسلمانوں کے اس دور میں و مبارک کی یادگار تھے جبکہ لوگ "صاحب اسلامین" تو حال میں

ہونے لگے اب جو اس جن میں موسم خزاں کا دور دورہ اور باد صحر کی تباہ کاریوں کا غلبہ ہے توخ نہیں کیا ایسے جامع کلمات بزرگ بہر کہیں دیکھنے میں آئیں گے حد حیف کہ جو سند خالی ہوتی جاتی ہے اسے بزرگ نے دلا کوئی نظر نہیں آتا حق تعالیٰ اس مرحوم کو بیش از بیش رحمتوں سے نوازے اور غفر میں وصلی اس مقام نصیب فرمائے۔ آمین

اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ بعض اخبارات نے اپنے تقرری نوٹ میں نواب صاحب مرحوم اور مولانا آزاد کے تعلقات کا بھی حاصل تمام سے تذکرہ کیا ہے۔ گویا مولانا آزاد کا صدیق حبیب ہونا بھی ایک فضیلت ہے حالانکہ گستاخی معاف مولانا مدظلہ کے دیرینہ بلا کشان محبت کا تجربہ تو یہ ہے کہ مولانا کا صدیق ہونا فضیلت نہیں بلکہ ایک لطیف قسم کا ابتلا ہے۔

جس کے تم دلبر جو حسن دل میں تنہا رہی ہو وہ ہمیشہ خاک چھانے اور سدا برباد ہو یاد ہو گا مسئلہ کے آخر میں بھارت گورنمنٹ نے یونیورسٹی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے لئے ایک کمیشن سربراہ کرنل کی صدرت میں جو ملک کے مشہور فلسفی اور انگریزی زبان کے شعلہ بیان مقررین مقرر کیا تھا کمیشن نے جو یونیورسٹی کمیشن کے نام سے معروف ہے نوہین کی محنت و محاکا ہی کے بعد ایک نہایت ضخیم رپورٹ مرتب کی جس کی پہلی جلد جو بڑی ضخامت کے ساڑھے سات سو صفحات پر مشتمل ہے گورنمنٹ کی طرف سے چند ماہ ہوئے شائع ہو چکی ہے کمیشن ہندوستان اور سیرونی ممالک کے نامور ماہرین تعلیم پر مشتمل تھا اس بنا پر رپورٹ بھی نہایت جامع اور کامل اور تعلیمی مسائل و مباحث پر ایک دقیق مبصرانہ تنقید و تجویز کی حامل ہے اس میں شبہ نہیں کہ وزارت تعلیم کا یہ کارنامہ بجائے خود مدد و حفاظ قابل قدر سائنس ہے ضرورت ہے کہ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو تاکہ اردو میں طبع و انگریزی نہیں جانتا وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

رپورٹ میں مذکور تعلیم کون سی زبان ہوتی جاتی ہے اس موضوع پر ۲۲ صفحات میں بڑی طویل اور مفصلانہ بحث ہے جس میں بھارت کی ہر قابل ذکر زبان کی وسعت اور اس کی استعداد و صلاحیت پر گفتگو کی گئی ہے اس ضمن میں ایک مقام پر ہندی اور اردو کا تقابلی تذکرہ بھی آگیا ہے ہم ذیل میں اس

محکمہ کا ترجمہ پیش کرنے ہیں۔

”ہندی اقلیت کی زبان ہے اگرچہ ایک بڑی اقلیت ہے بد قسمتی سے ادبی اعتبار سے یا تاریخی لحاظ سے اس زبان کو دوسری ہندوستانی زبانوں کے مقابلہ میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے خلاصہً پرانی زبان ہے اور ادبیات کا ایسا ذخیرہ رکھتی ہے جو سنسکرتی ادبیات کے ساتھ چٹمک زنی کر سکتا ہے۔ مہرٹی زبان تیرھویں صدی سے رائج ہے اور بنگالی زبان نوویں صدی سے اب تک مسلسل ترقی کرتے رہنے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔ پندرھویں صدی میں اردو اور دسویں صدی میں بھٹی میں برج رائج تھی قرون وسطیٰ میں اردو اور برج پورے ملک اور قوم کی زبان بنی اس کے برخلاف اعلیٰ ہندی لہجہ ڈیڑھ سو سال کی پرانی ہے ہرج اور اودھی دونوں نے بڑے بڑے قابل ادیب پیدا کئے اعلیٰ ہندی میں ان کی ٹیکہ کا کوئی ادیب پیدا نہیں ہو سکا۔ بنگالی میں ٹیکہ پیدا ہونے اور اردو میں اقبل۔ اعلیٰ ہندی میں اب تک ان جیسی کوئی شخصیت پیدا نہیں ہو سکی۔ اردو کی نسبت کمیشن کا یہ بیان پڑھنے کے بعد اب ذرا اس ہتاد کا جائزہ لیجئے جو اس کے ساتھ خاص اس کے وطن میں کیا جا رہا ہے تو آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے۔“

ہندی بے ادبیات مگر خوبی نہیں

توقع کے مطابق ٹنڈن جی کانگریس کے صدر منتخب ہو گئے اگرچہ آجاریہ شکر راؤ دیوجو گاندھی جی کے سچے پیروکار اور حقیقی معنی میں کانگریسی تھے ان کا شکست فاش کھا جانا انتہائی افسوسناک اور شرم انگیز ہے کہ اس ملک نے اپنے ہاتھ اور ان کے اصول زندگی کو اس قدر جلد بھلا دیا ہم جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں خوش ہونا چاہیے کہ اب تک عوام کی ذہنیت اور لیڈر شپ میں کشمکش کے باعث انھیں جو دشواریاں ہوتی تھیں اب ان کے پیش آنے کا احتمال کم ہو گیا ہے۔ اب جو کچھ ہو گا صفائی، بنگلی اور یکسانی کے ساتھ ہو گا۔

ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا!!

تدوین حدیث محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ جدیدہ اکبرین)

(۸)

میرے خیال میں حضرت ابو بکرؓ کے یہ الفاظ معمولی الفاظ نہیں ہیں، بلکہ انگریز قدسی اختلافات کو ذریعہ بنا کر مسلمانوں میں ارادی و اختیاری مخالفتوں کے طوفان جو اٹھائے گئے ان ہی اختلافات کی طویل تاریخ میں یوں سمجھنا چاہئے کہ یہ دوسرا حادثہ تھا جس سے مسلمان دو چار ہوئے تھے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پہلا حادثہ تو اس سلسلہ کا دہری تھا جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی قرآن کے قرآنی اختلافات سے قریب تھا کہ پھوٹ پڑے، اور قریب تھا کیا معنی بہن واقعات کا ذکر کر چکا ہوں، ان کو دیکھتے ہوئے تو کہا جاسکتا ہے کہ قتنہ کی آگ بھڑک چکی تھی، اور آپ نے دیکھا کتنی بڑی بڑی ہستیاں اس مخالفت کی شکار ہو چکی تھیں، بلکہ بعضوں کا تو ایمان ہی خطرے میں آچکا تھا، وہ تو نبوت کا مبارک عہد تھا، سر اٹھانے کے ساتھ ہی نبوت کی طاقت سے فساد کے شعلوں کو دبا دیا گیا میں تو سمجھتا ہوں کہ

اتزل القرآن علی سبحة احرام اٹار گیا ہے قرآن سات حرفوں پر نہیں ہے بن

لیس منها الاشارات کاف حروف میں کوئی حرف مگر سب کے سب خفا

(مشکوٰۃ بحوالہ ابو داؤد و مسند و السنن) بخش اور کافی ہیں۔

کے مسلسل اختلافات کے ساتھ ساتھ اعلیٰ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرأت قرآن کے قدسی اختلافات کی برداشت کرنے کی صلاحیت و عادت صحابہ میں اگر پیدا نہ کر دیتے، تو

مسلمانوں کی ارادی مخالفتوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت شاید یہی اختلاف حاصل کر لیتا کیوں کہ براہ راست اس کا تعلق قرآن سے تھا، جھگڑا اور اختلاف پسند طبائع کے لئے قرآن کا لفظ ایک ایسی طاقت کی حیثیت رکھتا تھا کہ چاہنے والے جتنا چاہتے اسے بڑھا سکتے تھے، لیکن فتنہ کی اس آگ کو چوں کہ ابتدا ہی میں نبوت کی قوت سمجھا چکی تھی گریختہ والوں نے گو پھیلی صدیوں میں کرید کرید کر اس کو بھڑکانے کی کوششیں کیں لیکن رائے عامہ نے ان اغوائی کوششوں کی طرف کبھی توجہ نہ کی، کم از کم میں نہیں جانتا کہ قرأت قرآن کے قدرتی اختلافات نے کسی اسلامی ملک میں کسی زمانے میں کسی اجتماعی فتنہ کی شکل اختیار کی ہو۔ اب ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قرآنی اختلاف کے مندرجہ بالا حادثہ کے بعد

ٹھا اور چاہنے والوں نے اس سلسلہ میں کمی کیا کی؟ جن لوگوں نے قرآنی الفاظ کے خاص تلفظ اور خاص لہجوں کی مشق کو اپنا پیشہ بنالیا ہے، اور ”القرآن“ کا لفظ جو اسلام کی ابتدائی صدیوں میں عام علماء کے مفہوم کو ادا کرتا تھا، تدریج عام علماء سے ہٹتے ہوئے خاص ان ہی پیشہ وروں کے لئے مختص ہو گیا، یعنی خاص تلفظ اور خاص لہجہ میں قرآن پڑھنے کی مشق جن لوگوں نے حاصل کی ہے ان ہی کا نام ”قاری“ ہو گیا خواہ اس مشق کے سوا اسلامی علوم میں سے کسی علم کا ایک حرف بھی ان کو نہ آتا ہو اس میں شک نہیں کہ عرب جس طریقہ سے عربی الفاظ کا تلفظ کرتے ہیں، اسی تلفظ کے ساتھ قرآنی الفاظ کو ادا کرنا ایک اچھی بات ہے اور میرے نزدیک تو ایسے لہجہ میں قرآن پڑھنا جس سے اس کی تاثیر کی کیفیت میں اضافہ بھی ہو، یہ بھی کوئی بری بات نہیں ہے اگر بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے، بہر حال بجائے خود تلفظ اور لہجہ کے متعلق ”القرآن“ کی کوششیں محمود کوششیں ہیں۔ لیکن یہ کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا، اس نے تو قرآن و حفاظ بار بار اس پر اصرار کیا کہ تلفظ کے قدرتی اختلافات کو ارادی مخالفتوں کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور جس سے جس طرح بن آئے اسی طرح قرآن پڑھنے کی اسے اجازت دی جائے۔ عربی لہجہ یا تلفظ میں قرآن پڑھنے والوں کو ان بے جا قیود کے تلفظ اور لہجہ کو برداشت کرنا چاہیے جو فاضل عربی تلفظ کے ساتھ قرآنی الفاظ کو ادا نہیں کر سکتے ہیں حضرت جابر بن عبد اللہ سے ہوا وہ دوسرے صحابہ کی کتابوں میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ قرآن پڑھ رہے تھے وہ فیاض اموی دالہ عجمی یعنی ان پڑھنے والوں میں سے ایک عربی دھڑلے کے باشندے، تھے اور بعض اجمعی (غیر عربی ملک کے) بھی لوگ تھے آگے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو خطاب کر کے فرمایا ”قرآن نقلی حسن“ پڑھے جاؤ سب ٹھیک ہے، صحابہ کی مختلف

مسلمانوں کی ارادی مخالفتوں کی تاریخ میں یہ دوسرا حادثہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافتِ حدیثی کے زمانہ میں رونما ہوا جیسا کہ حدیثِ اکبر کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی مخالفت کی اس شکل نے ان ہی حدیثوں کی راہ سے سراٹھایا تھا جن کا علم کسی ہزار صحابہ میں بکھرا ہوا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ان حدیثوں کے پہنچانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خاص طریقہ اختیار کیا تھا، یہ اس کا لازمی نتیجہ تھا، یعنی عام طور پر ان حدیثوں کے متعلق معلومات کے علم میں لوگوں کی حالت متفاوت اور مختلف تھی، اختیار فرمایا گیا تھا یہ طریقہ اس لئے کہ مسلمانوں کی زندگی میں اس سے سہولت پیدا ہوگی بڑھنے والوں کے لئے بڑھنے کی راہیں کھلی رہیں گی یقیناً لیکن اسی کے ساتھ مجرم ہونے سے ان لوگوں کو بچالینا مشورہ

دقیقہ حاشیہ مسئلہ فقہی کتابوں مثلاً ترمذی میں ہے کہ اس کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے ہوئی کہ قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا ہے اور سب کافی اور شافعی ہے تو بارگاہِ الہی میں یہ اس پر کھڑا کے جواب میں بشارت ملی تھی جو حضور نے یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ میری امت میں بڑے بڑے مرد بھی ہیں بڑے بھی ہیں بھی ہیں جو ان کے اور روکیاں بھی ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ لہذا فقہان کا تبادا میں نے کوئی کتاب نہیں پڑھا یعنی ہمارے لوگ بھی ہیں جو چہتا ہوں کہ ایسی صورت میں ایک عجیب مسلمان پر اس نے طعن کرنا کہ وہ بے چارہ خدا کے خوف کو اس عروج سے ادا کرنے پر قادر نہیں ہے جس سے وہ اس لفظ کو نکالتے ہیں، کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے، علیٰ ہذا ائمہ میں امام ابو حاتم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بعض کم علم لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ حدیث میں سببِ طعن کے الفاظ چوتھے ہیں ان سے وارد قرأت کے مشہور سات مکاتیب ہیں انھوں نے بعض لوگوں کی اس جرأت کی شکایت کی ہے جو کہتے ہیں کہ ”مقرء“ قرأت کے لفظوں سے جو قرآن نہیں پڑھتا وہ خطا کا ہے بلکہ بعضوں نے تو کوثر تک کا آخری صاعد کر دیا دیکھو بخاری ص ۱۰۱۔ کچھ بھی پیدا ہوا ہے اور جو اللہ مسلمانوں پر سنی کی تعلیم کا یہ انہی ہے کہ ان پیشہ ورانہ ہیں نے جیسا کہ آپ نے دیکھا اگر کوئی بات پیمانے کے لیکن محض اس لئے کہ ان کے طریقے سے قرآن پڑھنا جو کہ نہیں پڑھتا اس لئے قرآن کی حکمت کسی سے رکھ نہیں کی ہے میرا خیال ہے کہ وقتِ ابد متعہ ہو قیامہ و کاروں سے امدادی ضرورت مشورہ لئے لیکن (ان کی غلطی کو ان کے مشورہ پر موقوف نہ رکھو۔

تھا جو آگے بڑھنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں رکھتے۔

مگر حیا کہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اس قسم کی حدیثیں کایا اختلاف اور تفقہ کے حسبِ
دعا کے کو قیامت تک پیش آنے والی دینی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے مقرر رکھا گیا تھا جس کی
وجہ سے ظاہر ہے کہ ہر شخص کا شرعی کلیات و تفصیلات کی روشنی میں ایک ہی نتیجہ تک پہنچنا ضرور
ہے تھا مگر یہ اختلافات کی یہ دونوں شکلیں ایسی تھیں کہ کبھی سی انفرس سے یا قس مثلان پہاڑوں
کی شکل اختیار کر سکتے تھے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان اس کی ایک تاریخی شہادت ہے کہ سابق للذکر
یعنی حدیثوں والے اختلاف سے ارادی مخالفت کی بدائش کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے بعد ہی ان کے زمانہ میں شروع ہو چکا تھا۔ اسی لئے ”مقدمین حدیث“ کی تاریخ
میں ان کی تہدیدِ تقریر کے ان الفاظ کو ایک خطرناک منہل کا نشان سمجھتا ہوں ظاہر ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ طیبہ میں جن بزرگوں کی تربیت ہوئی تھی خصوصاً قرآنی
قوت کے اختلافات کے ذریعہ سے اس قسم کے اختلافات کی برداشت کرنے کی صلاحیت
جن لوگوں میں آپ پیدا کر چکے تھے جب ان ہی میں حدیثوں کے اس اختلاف نے یہ رنگ اختیار
کرنا شروع کیا تھا تو آئندہ اختلاف کی اس شکل میں کتنی شدت پیدا ہو جائے گی، حضرت
ابوبکر سے زیادہ اس کی پیش بینی اور کون کر سکتا تھا، انھوں نے اس کی اہمیت کا
اندازہ کیا اسی لئے باہمانابلہ صحابی کی ایک مجلس کو انھوں نے مدعو کیا ان کی پیش بینی نے جس
خطرے کو ان کے سامنے بے نقاب کیا تھا مجلس کے سامنے اسی کو واضح کرنے ہوئے اس
خطرے کے اندازہ کی جو تدبیر ان کی سمجھ میں آئی تھی، اسی کو ایک تجربہ کی شکل میں ان لوگوں
کے سامنے آپ نے رکھا میں سمجھتا ہوں کہ ان کی تہدیدِ تقریر کے مطلب کو سمجھ لینے کے بعد
ان کی استدلالی تدبیر کے کچھ نہیں کوئی دشواری باقی نہیں رہی، کیوں کہ جس خطرے کے پیش
آ جانے کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ دے رہے ہیں اس خطرے

ستاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کو دو متافوقتا دو چار ہوتا پڑا ہے، حتیٰ کہ ابھی کچھ دن پہلے اسی سرزمین ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا اقتدار میں وقت ختم ہوا خواہ بجائے خواہ اسلام و مسیحی قوانین سے اس حکومت کے تعلق کی نوعیت کچھ بھی ہو لیکن انسان تو ہر حال ہر شخص محسوس کرتا تھا کہ کسی نئی بات کو چھیڑ کر مسلمانوں میں اختلاف و افتراق کی آگ کا بھڑکانا آسان نہیں ہے لیکن حکومت کے اس دباؤ کے ختم ہونے کے ساتھ ہی جائز یا ناجائز مزامینوں کا اندیشہ طوں سے نکل گیا۔ اور خواہ نیک نیتی سے ہو یا بد نیتی سے طرح طرح کے مشورے مسلمانوں کو ملنے لگے اسی سلسلہ میں جو کچھ ہوا، یا ہو رہا ہے یہاں سب سے مجھے بحث نہیں ہے، بلکہ ان احباب سے معافی چاہتے ہوئے جن کے دل کے آگینوں کو ٹھیس لگاتے ہوئے مجھے خود تکلیف محسوس ہو رہی ہے مگر کیا کروں، واقعہ کے اظہار کے بغیر شاید صحیح طور پر میں اس چیز کے سمجھانے میں کامیاب بھی نہیں ہو سکتا جس کے سمجھانے کے لئے اس تازہ تاریخی مثال کا میں نے انتخاب کیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس تاریخی مثال کے جو اعظم رجال و اکابر ابھال تھے اب وہ بے چارے تو دنیا میں موجود بھی نہیں ہیں پھر بھی بچے کچھ ان کے نام یواؤں کا خیال آہی جاتا ہے، جو اپنے گندے ہوئے ان ہی بندگانوں کے نشان سرخسار کی حیثیت سے اس طویل و عریض ملک کے بعض گوشوں میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں، اب کچھ بھی ہو کہنا یہ چاہتا ہوں کہ احیاء سنت و قیام بدعت اور خدا جانے کن کن الفاظ کن کن ارادوں کن کن نیتوں کے ساتھ کچھ دن پہلے اسی ملک ہندوستان میں اٹھنے والے یہ کہتے ہوئے جواٹھے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی زندگی جس کے صدیوں سے وہ پابند چلے آ رہے ہیں غیر سنو زندگی ہے، پھر اس غیر سنو زندگی کو سنو زندگی بنانے کے لئے اسی خبر انعام، یا خبر الواحد بعد الواحد والی حدیثوں کے ذخیروں سے ان بزرگوں نے جن جن کر ان ہی حدیثوں کا انتخاب کیا جو ابتداء اسلام ہی سے ناگزیر قدرتی اختلافات کے رنگ سے رنگین تھے، وہ خود بھی جانتے تھے یا ان کو جانتا جا رہے تھا کہ اختلافات کی یہ صورت کوئی نئی بات نہیں ہے، نیز

اٹکا کرنے والے ہر زمانہ میں جیسے مسلمانوں کو اٹکاہ کرتے چلے آئے تھے ہندوستانی مسلمانوں پر بھی جہاں تک میں جانتا ہوں کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا تھا جس میں ان کو چوچنکانے والے یہ کہہ کہہ کر نہ چونکاتے رہے ہوں کہ ان اختلافات کی حیثیت وہ حیثیت نہیں ہے جو کفر و اسفا بلکہ طاعت و عصیان کے اختلافات کی ہوتی ہے خود حضرت شاہ ولی اللہ نور اللہ ضریحہ جن کی طرف منسوب کرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ اس غلط تحریک کی قیادت اور اولیت کو منسوب کر دیں وہی ایک جگہ نہیں بلکہ اپنی مختلف کتابوں میں صاف صاف لفظوں میں یہ اعلان کر چکے تھے کہ ان اختلافات کی ہر صورت اور ہر شکل صحیح اور درست ہے صرف ان ہی مسائل اور نتائج کی حد تک شاہ صاحب کا یہ فیصلہ محدود نہ تھا، جن کا تعلق فقہ اور اجتہاد کو تھا میں نے اپنی کتاب تمدین فقہ میں فقہی و اجتہادی اختلافات کے متعلق شاہ صاحب کے اقوال مختلف کتابوں سے نقل کر کے ایک جگہ جمع کر دئے ہیں، اور صمیم محل ان کے ذکر کا وہی کتاب غنی بھی، بہر حال ان ہی اجتہادی مسائل کی حد تک نہیں بلکہ خراج داد والی حدیثوں کی بنیاد پر جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، ان کے متعلق بھی شاہ ولی اللہ اس قسم کی عبارتیں چھوڑ کر دنیا سے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ روانہ ہوئے تھے مجھے خیال آتا ہے کہ اسی کتاب میں کسی موقع پر شاہ صاحب کے اس قول کو ان کی کتاب انصاف سے میں نقل کر چکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ

”اے اختلافی مسائل جن میں صحابہ کے اقوال ہر پہلو کی تائید میں ملتے ہیں مثلاً عیدین و تشریق کی تکبیریں محرم کا درجہ اہرام حج، نکاح کرنے کا حکم، یا تشہد (انہیات) کے کلمات جو ابن مسعود اور ابن عباس کی طرف منسوب ہیں یا آمین یا بسم اللہ کو آہستہ یا زود سے پکار کر کہنا یا نماز کی قنات میں پہلے دُؤد و دُخ کے ایک ایک عوض اقامت کے کلمات کو ادا کرنا یا نہ اور اس قسم کی ساری باتوں میں اختلاف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی صورت یہ سمجھی جاتی ہے کہ شریعت کے مطابق ہے اور اس کی مخالفت شکل غیر شرعی شکل ہے بلکہ سلف کا اختلاف اگر تھا بھی تو اس میں تھا کہ ان دو مختلف صورتوں میں اولیٰ اور بہتر شکل کیا ہے ورنہ دونوں شکلوں کو شرعی شکل قرار دینے

پر سب ہی متفق تھے۔ (انصاف ملت)

اسی موقع پر شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا تھا کہ یہی وجہ تو ہے کہ ہر مسلک کے فقیہوں کے فتوے اور ہر مسلک کے تافہیوں کے فیصلوں کی سب ہی تصحیح کرتے ہیں، بہ ضرورت ایک امام کے مسلک کو ترک کر کے دوسرے امام کے مسلک کے اختیار کرنے کی مسلمانوں کو جوازات دی گئی ہے تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ فقہ کے سارے اختلافی مسائل کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ شریعت کے دائرہ سے کوئی باہر نہیں ہے۔

اور ایک شاہ ولی اللہ صاحب کیا؟ اسلام کے جلیل القدر ائمہ ابو حنیفہ، مالک، شافعی، امام احمد بن حنبل ان سارے بزرگوں کے اقوال اسی نقطہ نظر کی تائید میں کتابوں میں موجود ہیں ان ائمہ سے پہلے تبع تابعین تابعین بھی ہمیشہ مسلمانوں کو یہی سمجھاتے رہے جو کچھ زیادہ تر ان اقوال کا تعلق ان اختلافات سے ہے جن کا اجتہاد و تفقہ کے نتائج سے تعلق ہے اس لئے بجائے تدوین حدیث کے جیسا کہ میں نے عرض کیا ان کے ذکر کا موزوں مقام دہی کتاب کئی۔ لیکن خبر آحاد کی حدیثوں سے اختلافات کے متعلق یہی شاہ ولی اللہ تنہا آدمی نہیں ہیں ان سے پہلے بھی علماء اور ائمہ نے اسی نقطہ نظر کا اظہار ان اختلافات کے متعلق کیا ہے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان مسائل میں بہتر شکل کیا ہے، بغیر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ مطابق صورت اس مسئلہ میں کیا ہو سکتی ہے؟ ابو یوسف ابوالحسن خبر الواحد بعد الواحد کے اختلافات کا تذکرہ کر کے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان حدیثوں کی بنیاد پر مسائل کی حتمی شکلیں پیدا ہوتی ہیں۔

”مسلمانوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان میں جس شکل کو چاہیں اختیار کریں فقہاء اور ائمہ میں یہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ ان شکلوں میں افضل و بہتر شکل کیا ہے (تفسیر جصاص ص ۱۱۱) بلکہ جصاص اصحاب انصاف کے سوا محض علماء کا ایک گروہ وہ بھی ہے جو خبر آحاد کی ان اختلافات و اجتہادوں کے متعلق ایک خیال یہ بھی رکھتا ہے کہ

”مختلف روایتیں کا یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ یہ بتانے کے لئے کہ مسلمان ان شکلوں اور پہلوؤں میں سے جس شکل اور جس پہلو کو چاہیں اختیار کریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی کو کے دکھایا ہوتا کہ معلوم رہے کہ ساری صورتیں جائز ہیں (تفسیر حصص ص ۱۷۷ ج ۱)۔
 ائمہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ان اختلافی آثار و روایات کے متعلق زیادہ تر یہی تھا جس کی تفصیل مدوین فقہ میں ملے گی کیونکہ امام کی اہمیت فقہ کے باب میں زیادہ تر ان کے اسی رجحان کی وجہ سے ہے۔

یہی نہیں بلکہ براہ راست جن لوگوں کی دینی و علمی تربیت صحابہ کرام کے زیر سایہ ہوئی تھی اپنے زمانہ میں ان کی طرف سے بھی بار بار اسی نقطہ نظر کا اعلان ہوتا رہا، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے قاسم بن محمد کا شمار مدینہ منورہ کے فقہار سبعہ میں ہے وہ کہیں ہی میں اپنی بھوپتی ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آخری تربیت میں یتیم ہو جانے کی وجہ سے آگئے تھے اجتہادی مسائل کے اختلافات کے متعلق ان کے اور عمر بن عبدالعزیز کے جو اقوال کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان دونوں حضرات میں جو گفتگوں اختلافات کے متعلق ہوئی اور آخر میں دونوں نے ان اختلافات کے ہر پہلو کے حوازی پر جو اتفاق فرمایا، بعد حضرت ابن سیرین کے قصوں کو اپنی کتاب ”مدوین فقہ“ میں نسبتاً زیادہ تفصیل سے میں نے بیان کیا ہے، یہی نہیں کہ صرف اجتہادی و فقہی نتائج ہی کی حد تک ان بزرگوں کا یہی نقطہ نظر تھا بلکہ خبر اتحاد والی حد تک ان کا مکتبہ محمد بن عبدالبر نے اپنی متصل سند کے ساتھ جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے یہ فقہ نقل کیا ہے کہ عمر بن عبدالبر نے خلیفہ اسحاق بن محمد دونوں حضرات جمع ہوئے اور حدیثیں کا تذکرہ شروع ہوا۔ عمر بن عبدالبر نے خود کچھ جابراں مذاکرہ مسموم حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے عمر بن عبدالبر اس کے مقابلہ میں ایسی روایت پیش کر دیتے ہیں کہ مسموم مقام کی پیش کردہ روایت کے خلاف ہوتا خود ایک جب گفتگو ہی رنگ میں ہوئی رہی تو عمر بن عبدالبر نے موسیٰ کہا کہ قاسم بن عثمان کے طریقہ کار سے کچھ گرائی محسوس کر رہے ہیں یہ دیکھ کر عمر بن عبدالبر نے قاسم سے کہا کہ ہر کتاب میں کئی گرائی کہیں محسوس کر رہے ہیں خود میں جو ان کا سنیل متاثر ہوا ہوں اس کو تاہر فرماتے تھے۔

”صحابہ کی روایتیں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں یہ سب کچھ کہتا ہوں کہ ان اختلافات کے (تفسیر حصص ص ۱۷۷ ج ۱)۔

سے جو اختلافات پیدا ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی اس کا اندازہ حافظ ابو عمرو بن عبد البر کی اس روایت سے ہو سکتا ہے جس کا ذکر اپنی کتاب جامع بیان العلم میں متھقل سند کے ساتھ انھوں نے کیا ہے یعنی اسامہ بن زید کہتے ہیں

سألت القاسم بن محمد عن العلاء
خلف الإمام في المصحف فيه قل
ان قرأت فلك في رجال من
أصحاب رسول الله صلى الله
عليه وسلم أروا إذا لم يقرء
فلك في رجال من أصحاب رسول
الله صلى الله عليه وسلم أروا
میں نے قاسم بن محمد سے پوچھا کہ بن فرض
نازول میں مذکور سے قرأت نہیں کی جاتی ان میں
بھی بڑھنے کا یہی معنی سورۃ فاتحہ کے پڑھنے
کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے اس پر قاسم بن
محمد نے فرمایا کہ اگر تم پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے صحابیوں میں تمہارے لئے نمونہ
ہے اور نہ پڑھو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابیوں میں بھی تمہارے لئے نمونہ ہے،
(جامع مش ۲۷)

جانتے والے جانتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کی قراۃ کے مسئلہ میں جو اختلافات ہیں ان اختلافات کا تعلق نفقہ واجتہاد سے نہیں بلکہ خبر آحاد کی حدیثوں کے اسی ذخیرے سے ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)
”سرخ ادنٹ“ میں سرخ ادنٹوں سے میں اتنا خوش نہیں ہو سکتا جتنا کہ ان اخلاقی روایات سے خوش ہوں۔
”سرخ ادنٹ“ ایک عربی عاودہ تھا انہوں جس کی قیمت کا مقابلہ کوئی دوسری چیز نہ کر سکے اسے عرب
”سرخ ادنٹ“ کہتے تھے کیونکہ سرخ ادنٹ سے زیادہ قیمتی چیز عرب کے نگاہ میں کوئی دوسری چیز
ذاتی ہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ عربین جہانگیری کی اسی گفتگو ہی کا شاید پلغہ تھا کہ بعد کو قاسم بن محمد
مختلف مجلسوں میں اس کا اظہار کرتے کہ

عربین جہانگیری کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں
روایات کا اختلاف اگر نہ ہوتا تو میرے نزدیک یہ کوئی خوشگوار بات نہ ہوتی۔ آج ان ہی اختلافات
کا نتیجہ ہے کہ لوگ اس سبکی میں نہیں ہیں جو ایک ہی قول یا روایت کی وجہ سے پیدا ہو جاتی اب تو آزادی سے
ان بندگان کے مختلف اقوال میں سے جس قول پر بھی عمل میسر آ جائے وہ کامیاب ہے جیسے جاتا یا ائم

جس میں امام کے پیچھے پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں طرح کی ایسی حدیثیں ملتی ہیں جنہیں دانت کرنے والوں نے قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ اگر میں یہ دعویٰ کر دوں تو اس کی شکل ہی سے تردید ہو سکتی ہے کہ خبر آماد کی روایتوں سے جتنے اختلافات پیدا ہوئے ہیں، ان میں قرأت خلف الامام کا مسئلہ غالباً سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے نہ صرف پچھلی صدیوں میں بلکہ عہد صحابہ میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ خصوصی طور پر بحث و تحقیق کا مرکز یہ مسئلہ بنا ہوا تھا مگر اس سلسلہ میں ایسے شدید خلافیہ کے متعلق بھی ہمارے پاس اتنا واضح اور صاف تاریخی فیصلہ جب موجود ہے تو نسبتاً ان ہی حدیثوں کی بنیاد پر جن اختلافات کی اہمیت بہت کم ہے ان کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ حدیثوں ہی کی بنیاد پر سہی، جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی نوعیت ایسے حلال و حرام امور کی ہے جن پر حرمت و ملت کا حکم شریعت کے اس حصہ کے نصوص پر مبنی ہے جس کی تعبیر قرآن نے "البیانات" سے کی ہے۔ امام مصریٹ بن سعد جن کے حالات کا تذکرہ کسی موقعہ پر گذر چکا ہے، ان کے حوالہ سے سہی بن سعید انقطان نے یہ کتنی نکتہ بات نقل کی ہے یعنی لیٹ کہا کرتے تھے۔

فتویٰ دینے والے لوگ ہمیشہ سے فتویٰ دیتے ہوئے اگر کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام ٹھہرانے چاہے آ رہے ہیں، لیکن ان فتویٰ دینے والوں میں سے کسی کو نہیں پایا گیا کہ حرام قرار دینے والے یہ سمجھتے ہوں کہ حلال ٹھہرانے والے تباہ ہو گئے دینی دین سے خارج ہو کر کجبات سے عروم ہو گئے، اسی طرح حلال ٹھہرانے والے کے کہیں یہ نہ سمجھا کہ اسی مسئلہ کے متعلق حرمت کا

ما برح ألو الفتوى فيحل
هكذا ويجرام هذا فلا يرى المحرم
إن المحل هلك لتحليه ولا يرى
المحل إن المحرم هلك لتحريمه
(جامع بيان العلم وفضله)

فتوے دینے والے ملک و نواح ہو گئے۔

اور صحیح پوچھتے تو کتابوں میں اگرچہ اس قسم کے اختلافی نتائج پر بھی حلال و حرام کے الفاظ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے لیکن یہ صرف خطرناک قسم کی غلطی ہی نہیں بلکہ میرے نزدیک تو بڑی جسارت ہوگی، اگر حرام و حلال کے الفاظ کا وہی مطلب یہاں بھی سمجھا جائے جو شریعت کے ”بینائی“ حصہ میں حلال و حرام کے الفاظ کا مطلب ہوتا ہے، آخر اتنی بات تو قرآنِ مبارک میں مسلمان بھی جانتا ہوگا کہ جس چیز کو ”البنات“ کے نفوس صریحہ میں مثلاً حرام قرار دیا گیا ہے اس کی حرمت کا انکار کر کے جو اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دے گا، یا برعکس اس کے ”ہیبتاً“ میں جو چیزیں حلال ٹھہرائی گئی ہیں ان کو حرام قرار دینے والا دونوں کا اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا وہ گناہ کے نہیں بلکہ جرمِ بغاوت کے مجرم بن جاتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا جو انجام ہو گا وہی انجام اس قسم کے باغیوں کے سامنے بھی آئے گا۔

پھر کیا کسی حدیث کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مگر کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اور حنفی مذہب میں بجائے حلت کے اسی چیز کی حرمت کے پہلو کو ترجیح دی گئی ہو، کیا حلت و حرمت کے یہ اختلافات جو خبرِ آحاد کی حدیثوں پر مبنی ہیں، شخص ان کی بنیاد پر مجال ہے کسی حنفی کی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس کا بھی اندیشہ کر سکتا ہے کہ اس فتوے کی وجہ سے فضل و قرب کے مدارج و مراتب میں ان کے کسی قسم کی کوئی کمی ہو گئی ہے، یقیناً نہ کوئی حنفی یہ تصور کر سکتا ہے اور نہ کرتا ہے اسی طرح میں نہیں جانتا کہ باوجود ان تمام اختلافات کے حضرت امام ابو حنیفہ کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا دمارِ خیر کرنے سے کسی شافعی کے دل میں تنگی پیدا ہوتی ہو فقہی مسائل کے اختلافات کی کیا نوعیت ہے اور خود ائمہ اجتہاد و ائمہ سے ان اختلافات کے متعلق جو باتیں کتابوں میں ملتی ہیں میں نے کتاب ”تدوین فقہ“ میں سب رسیمٹ کر ایک ہی جگہ پر جمع کر دیا ہے یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی معلومات کے تازہ کرنے کے لئے اس کا مشورہ ضرور کروں گا کہ ناظرین ”تدوین فقہ“ کے

اس حصہ کا اس موقع پر مطالعہ کر لیں۔

میں ذکر مسلمانان ہند کی تاریخ کے اس حادثہ کا کہ رہا تھا جس میں زویل حکومت کے بعد چانگ اس ملک کے مسلمان مبتلا ہو گئے تھے وہی حادثہ جس میں دیکھا گیا تھا کہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں نے رزمگاہوں کا قالب اختیار کر لیا نازکی صفیں نماز کی صفیں نہیں بلکہ باضابطہ جنگ کی صفیں بن گئی تھیں جو نماز نہیں پڑھتے تھے ان کو نہیں بلکہ نماز پڑھنے والوں کو نمازوں ہی کے پڑھنے والے اٹھا اٹھا کر زمین پر ٹپک رہے تھے۔ (باقی آئندہ)

۱۔ "ندوین فقہ" میں مولانا ابراہیم دوسرے اندراج تہاد کے اقوال بھی آپ کو ملیں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کہنے والے یہ جو کہتے ہیں کہ مارتے لختوں کیا بجائے اس کے یہ کہتا زیادہ بہتر ہو گا کہ علماء فاضلین سے کام لیا۔ امت کے لئے سہولت بہم پہنچائی ہے، امام احمد بن حنبل سے پوچھنے والے نے جب پوچھا تو کہہ کیا کیا آپ ایسے شخص کے پیچھے ناز پڑھ سکتے ہیں، جس کا وضو آپ کے فتویٰ کی رو سے باقی نہیں رہا ہے اگر دوسرے اللہ کے قول کے مطابق اس کا وضو تو ناجوہود بعض خبیثات کا اس نے ذکر بھی کیا جواب میں فرماتے لکھ گئے شخص تو کیا کتاب ہے میں سعید بن المسیب جو افضل نقابین سمجھے جاتے ہیں ان کے پیچھے ناز پڑھوں لکھو بخیر اس مسئلے میں سعید کا مذہب بھی یہی تھا کہ وضو نہیں ٹوٹتا، اسی میں نے یہ بھی نقل کیا ہے اور تو بتایا یہ روایت حدیث شہرت تک پہنچی ہوئی ہے کہ امام مالک سے عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے باصرار پوچھا کہ آپ کے فقہی اجتہاد کو میں بظہر مسلمانی میں چاہتا ہوں کہ تاذ کر دوں اس پر امام مالک نے شدت سے اس کو منع کیا اور کہا کہ جس علاقہ کے مسلمان جن امور کے باندہ ہو چکے ہیں ان کو اسی حال میں چھوڑ دو میں پوچھتا ہوں کہ امام مالک اگر ان مسائل کو جو ان کے اجتہادی مسائل سے مخالفت تھے قطعی طور پر خلاف شرع سمجھتے تھے تو کوی وجہ ہو سکتی تھی کہ ان کے نفاذ کا ایک بہترین ذریعہ ان کو مل گیا تھا اس سے قطع نہ اٹھاتے اور مسلمانوں کو غلط مسائل پر قائم رکھے ماسخورہ دینے؟ انقض اسی قسم کی باتیں تقریباً تمام ائمہ کے حوالے سے اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں کتاب "ندوین فقہ" جو ابھی غیر مطبوعہ نامکمل حال میں ہے اس کا حصہ جس میں غلطی اختلافات کے اس پہلو کا ذکر آیا ہے جلد تصدیقات طلب جامہ افتادہ حیدر آباد کن میں شائع ہو چکا ہے جامعہ کے تحقیقاتی شعبہ نے غائبہ مل سکنا ہے نیز برہان وغیرہ شہری مجلات میں بھی قسط وار یہ سلسلہ شائع ہو چکا ہے۔ ۱۱

عظمتِ حدیث

۱۱

(جنابِ پرفیضہ فیاض صاحبِ بدایونی ایم۔ اے کچھ شیعہ جہاد پر مبنی ہو گئے۔)

قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کے لئے ایک مکمل جامع قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قانون ماضی طور پر انسانی زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ اصلاحِ عقائد۔ تصحیحِ عبادات۔ درستیِ معاملات۔ مجموعہ تفریبات۔ آئینِ سیاست۔ آدابِ معاشرت اصولِ اخلاق غرض کوئی گوشہ اس کی حدود سے باہر نہیں مگر جس طرح ہر قانون کی کچھ *Rules* یا نظائر ہوتی ہیں جن کو اس قانون کی شرح یا عملی شکل سمجھنا چاہئے اسی طرح اس قانونِ الہی کی بھی ایک شرح ہے جس کو حدیث کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آج کی صحبت میں ہم جانتے ہیں کہ حدیث اور اس کی تاریخ کے بارے میں چند ضروری باتیں گوشہ گذار کر دیں تمام مذاہبِ عالم میں اسلام ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے دنیا کو ایک مکمل قانون دینے کے ساتھ ایک ایسا مکمل و کامل معلم بھی عطا کیا جس کا ہر قول و فعل جو قانونِ مذکور کی صحیح تصویر ہے آج ہمارے سامنے آئندہ ہے۔ قرآنِ اقامتِ صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ حج و جہاد۔ اہل زندگی اجتماعی مسائل سب کی نسبت ہدایات و تعلیمات پیش کرتا ہے۔ لیکن یہ تعلیمات نظری رہتیں اگر وہ معلمِ ربانی خود اپنی زندگی میں ان کو برت کر نہ دکھا دیتا خدا قرآن کا حکم ہے کہ اگر کسی کے ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے ساتھ برتاؤ میں عدل اور برابری فرض ہے لیکن جب ہم احادیث میں پڑھتے ہیں کہ رسول مقبولؐ کھانے کپڑے۔ رہنے سہنے میں کس طرح ازواجِ مطہرات

۱۱ حدیث کا اطلاق حضرت کے قول۔ فعل اور تقریر پر ہوتا ہے صحابہ اور تابعین کے قول۔ فعل اور تقریر کو بھی حدیث کا اثر رکھتا ہے۔ حدیث کو سنت و خیر بھی کہا جاتا ہے۔

کے ساتھ صل فرماتے تھے تو اس حکم کی عملی تفسیر نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ مہدی ست سے لے کر ہر زمانے میں امت نے حدیث کی روایت و حفاظت کو ایک مذہبی فریضہ قرار دیا۔

روایت کے بارے میں مسلمانوں کی احتیاط اس حدیث کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ سیر و مخازی نو و رکنا رعام غلناہ و سلاطین کی تاریخ میں بھی اس پابندی کو سختی سے ملحوظ رکھتے تھے چنانچہ مقدمہ عربی مؤرخین کی کتابوں میں آپ دیکھیں گے کہ کوئی واقعہ اس وقت تک بیان نہیں کیا جاتا جب تک اس کا سلسلہ آخر آدمی سے لے کر حنیم وید گواہ تک منہی نہ ہو اسی بنا پر مستشرقین نے اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کے بعد احادیث کے حفظ و ضبط میں جو جہرت انگیز سعی کی ہے اس کی مثال کسی قوم کی مذہبی و علمی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس دینی شغف میں سب سے پہلے صحابہ کرام کا نمبر ہے انہوں نے خود حضور کے حکم کی تعمیل میں آپ کے ارشادات کو یاد رکھا۔ قلب بند کیا اور دوسروں تک پہنچایا چنانچہ محدثین کا بیان ہے کہ ایسے صحابہ کی تعداد جنہوں نے سن کر یاد رکھ کر آپ کے اقوال و افعال کو روایت کیا ایک لاکھ سے اوپر ہے صحابہ کے بعد لاکھوں تابعین اور تبع تابعین آتے ہیں جو اپنی مقدس زندگیاں اسی خدمت دین کے لئے وقف کر چکے تھے جو ایک ایک حدیث بلکہ ایک ایک لفظ کی تحقیق کے لئے سیکڑوں کوس کی مسافت برداشت کرتے تھے اور جو علم نبوی کی نشر و اشاعت کی خاطر ہزاروں خرچ کرتے تھے یہی زمانہ کتب حدیث کی باقاعدہ تالیف و تدوین کا تھا۔ ان حضرات کے ذوقِ علم کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک ایک شہر میں ایک ایک ہزار شیخ حدیث کی روایت کی خدمت انجام دیتے تھے اور ایک ایک فرد اپنے وطن میں اور وطن سے نکل کر دودھ ہزار اساتذہ و شیوخ سے حدیث افروز کرتا تھا۔

آج کل ہم تحریر پر تمام وارد و مدار رکھنے کے باعث حلقے کی کمزوری میں مبتلا ہیں اس

ذبح لگوں نے حالت اسلام میں رسول خدا کو دیکھا وہ صحابہ کہلاتے ہیں۔ صحابہ کے دیکھنے والے تابعین اور تابعین کے دیکھنے والے تبع تابعین کہلاتے ہیں۔ کل احادیث کی تعداد تقریباً ۱۰ ہزار اور صحیح احادیث کی تقریباً ۱۰ ہزار بتائی جاتی ہے

لئے شاید مشکل سے ان واقعات کا یقین کریں۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ امام احمد بن حنبل کو سات لاکھ احادیث یاد تھیں اور اتنی ہی امام ابو زہرہ کو امام بخاری اور مسلم کو قن بن وکعہ تھیں از بر تھیں اسی پر دوسرے بزرگوں کو قیاس کیجئے۔ اللہ تعالیٰ علمائے اسلام کی تربتوں کو منور کرے جنہوں نے علم نبیؐ کی خدمت میں عربی دقت کر دیں اور جانیں لڑا دیں۔ مصنفات۔ مسانید اور سنن کی جمع و تدوین و ترتیب و تنویب کے علاوہ ان علماء نے حدیث سے متعلق جو علوم وضع کئے ان کی تعداد سو تک پہنچتی ہے اور جو تصانیف چھوڑیں ان کا شمار ہزاروں سے متجاوز ہے۔ فن روایت۔ اصول و روایت۔ رجال حدیث۔ لغات حدیث۔ مصطلحات حدیث۔ اصول حدیث پر اس وقت جو سرمایہ مسلمانوں کے پاس ہے اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے ڈاکٹر اسپرنگر نے سچ کہا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گندی نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اساء الرجال کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پنج لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے حدیث کے رجال یعنی راویوں کی باجوہ گرائی کا یہ زبردست ذخیرہ جس کی مدد سے ہر روایت کا صدق و کذب آپ آج بھی جانچ سکتے ہیں صاف بتا رہا ہے کہ مسلمانوں کا وہی شغف اور علمی ذوق کس قدر بلند تھا۔ ان حضرات کی جستجو و استقصا کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رجال کی صرف ایک مختصر سی کتاب تقریب التہذیب میں محمد بن اسماعیل کے ۸۵۶ اور عبد اللہ بن اسماعیل کے ۶۰۸ راویوں کا ریکارڈ موجود ہے دوسرے اسماء سعد۔ سعید۔ عمر۔ عمرو۔ عبد الرحمن وغیرہ کا بھی کم و بیش یہی حال ہے راویوں کے نام و نسب و سکونت کے علاوہ ہر ایک کے بارے میں نقد و نظر۔ جرح و تعدیل کے سرمایے کی بنا پر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے کون فقہ ہے کون غیر فقہ۔ کس کی روایت معتبر ہے اور کس کی غیر معتبر۔ اگر کسی راوی پر کذب، غیبت، فسق، بدعت، گناہی، قحط، غلطی، ثقات کی مخالفت، وہم یا حافظہ کی کمزوری کا الزام ہے تو محدثین نے بے دردمانیت اس کو موجود اور اس کی روایت کو مردود ٹھہرایا ہے۔ احادیث کی تقسیم۔ مرفوع و موقوف و مقطوع۔ قولی و فعلی و تقریری۔ اسی طرح احاد و متواتر۔ مشہور و عزیز و غیب

صحیح و حسن مقبول و مرؤود و غیرہ تبارہی ہے کہ علمائے اسلام کی نفوس قید گہری اور عیار نقد کس قدر مکمل تھا در احادیث کی اقسام میں جن کی قرین طوالت کے خوف سے ترک کیا جانی ہیں فن روایت کے بعد اصول و روایت کا نمبر آتا ہے۔ یعنی اسناد ایک حدیث کے راوی سب ثقہ و مستند ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ حفاظ اس کے اند کوئی نقص ہو۔ اس صورت میں بھی وہ پائے اعتبار سے ساقط سمجھی جائے گی اس کی علمائے اسلام نے مختلف صورتیں قرار دی ہیں۔ مثلاً

(۱) کوئی حدیث صریح عقل کے خلاف ہو۔

(۲) مشاہدے یا واقعے کے خلاف ہو۔

(۳) اصول مسند کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید کے خلاف ہو۔ مثلاً دنیا کی عمر کے متعلق احادیث۔

(۵) احادیث میں صریح صریح کے خلاف ہو۔

(۶) واقعہ جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہو اس کی شان یا عادت کے خلاف ہو۔

(۷) حدیث میں کوئی فضول یا رکبیک بات بیان کی گئی ہو۔

(۸) حضرت خضر کے متعلق احادیث۔

(۹) قرآنی سورتوں کے فضا کی احادیث۔

(۱۰) اطباء کے کلام سے مشابہت رکھنے والی احادیث۔

(۱۱) وہ حدیث جس میں معمولی نیکی پر بڑے اجر کا وعدہ یا خفیف سی غلطی پر سخت عذاب کی

دھمکی ہو۔

(۱۲) جس درجے کا اہم واقعہ ہو شہادت اس درجے کی نہ ہو مثلاً روایت ایسی ہو کہ تمام علماء کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت تھی تاہم ایک راوی کے سوا کسی اور نے نہ روایت نہیں کیا یا ایسا اہم واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں شخص اس کو روایت کرتے۔ اس کے باوجود صرف ایک شخص اس کا راوی ہے۔

۱۳) راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی۔
 ۱۴) وہ روایت جس کے منقطع ہونے کے دلائل موجود ہوں۔ یا جس کی تردید کے قرائن
 زیادہ ہوں خفا ہو و غیر سے جزیر معاف ہونے کی روایت۔

۱۵) روایت میں اصل واسطے کے علاوہ راوی کی ذاتی رائے بھی شامل ہو۔
 ۱۶) فقہ راوی سے روایت کے سمجھنے یا بیان کرنے میں غلطی کا احتمال ہو۔ مثلاً حضرت
 ابن عمر کی روایت کہ اہل بیت کے مدینے سے بیت پر عذاب ہوتا ہے۔

محدثین و محققین کو روایت و درایت کے قواعد مرتب کرنے کی ضرورت اس لئے پیش
 آئی کہ خواص و عوام میں حدیث کی مقبولیت کو دیکھ کر بہت سے دجالین و منافقین نے ملا
 کامیاب ہونے پر اپنے دل سے احادیث تراشنے اور نادانوں کو گمراہ کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔
 رسول مقبول کا ارشاد ہے کہ من کذب علی متعلد آفتیہ و مقعدا من النار۔ یعنی جو

مجھ پر قصد آجھوٹ جوڑے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے گا حدیث اتنے صحابہ سے مروی ہے
 اور صحابہ کے بعد بھی ہر عہد میں اتنے اشخاص نے اس کو روایت کیا ہے کہ یہ درجہ تو ان کو پہنچ گئی
 ہے دیکھ لیں صحابہ سے جو دین کے حامل ہیں اس کی ترقی نہیں ہو سکتی کہ ان میں سے کوئی کمتر درجہ
 کا شخص بھی آنحضرت پر بالقصد افترا کرے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ العصا بآلة کلمہ عدل علی
 سبہ صحابہ حدیث کے پہنچنے میں لائق و فوق و قابل اعتبار ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر جلیل القدر صحابہ حضورؐ سے حدیث روایت کرتے وقت کمال احتیاط
 برتتے تھے اور اپنی ذمہ داری کے خوف سے کانپ اٹھتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ حضرات مشرور
 مبشرہ سے جو مقررین بارگاہ رسالت تھے بہت کم ٹھیک تعداد میں احادیث مروی ہیں، درایسے
 اصحاب جو اکثر حاضر باش رہتے تھے اور جن سے زیادہ احادیث مروی ہیں چھ سات سے زیادہ
 نہیں البتہ قولنا بعد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنی اعراض نفسانی کی خاطر احادیث وضع کرنے
 میں بے باک تھے و وضع احادیث کے مختلف اسباب تھے۔

۱، بعض علمائے سنی نے حدیث کو امر اور سلاطین کے درباروں میں تقرب کا ذریعہ بنایا۔
 سبوطی نے تاریخ الخلفاء میں ایک فقرہ لکھا ہے کہ خلیفہ ہمدانی کو کبوتروں کا بہت شوق تھا ایک
 دن غیاث بن ابراہیم محدث کو باریابی کا موقع ملا۔ جب حدیث سنانے کی فرمائش کی گئی تو غیاث
 نے کہا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ گھوڑہ دوڑ۔ تیرا تازی۔ اور کبوتر بازی کے علاوہ شرط بنانا جائز
 نہیں۔ ہمدانی نے خوش ہو کر دس ہزار درہم عطیہ کئے۔ جب شخص مذکور چلا گیا تو ہمدانی نے کہا میں
 گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص کذاب ہے اور اس نے محض میرے خوش کرنے کو کبوتر بازی کے لحاظ
 اپنی طرف سے بڑھائے ہیں یہ کہہ کر سب کبوتر و ذبح کرادے۔

۲، مشاجرات و نزاعات صحابہ کی بنا پر سلاطین میں دو فریق ہو گئے تھے اور ہر فریق کے
 لوگوں نے دوسروں کے خلاف اور اپنے موافق روایت سازی سے کام لیا۔

۳، حکومت وقت نے اپنے پر دہاگنڈے اور اپنے حرفیوں کی اہانت کی عرض سے اس
 مشنری کو حرکت دی۔ چنانچہ متعدد احادیث جو بنی امیہ یا بنی عباس کی حمایت میں ہیں اور جن کو
 ناقدین حدیث نے رد کر دیا ہے۔ اسی قبیل سے ہیں۔

۴، بعض سادہ لوح افراد نے نیک نیتی سے اس گناہ کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ لوگوں نے
 مسجد کو ذمہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ بازار دردم تھا۔ جب درجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ میں احادیث
 وضع کیا کرتا تھا اب تائب ہو چکا ہوں۔ لیکن ہزاروں حدیثیں جو فضائل قرآن میں تصنیف کر
 ملک میں پھیلا چکا ہوں ان کا اب کیا تدارک ہو۔ لوگوں نے کہا آخر یہ حرکت کی ہی کیوں تھی
 جواب دیا کہ لوگ قرآن چھوڑ کر فخر و عجب میں مشغول ہو گئے تھے اس لئے فضائل قرآن میں
 احادیث وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی لہذا احادیث جو صوفیہ سے مروی یا ان میں راجع
 ہیں۔ ان کا بھی یہی حال ہے۔ مثلاً من عرف نفسه فقد عرف ربه جس نے اپنے نفس کو پہچان
 لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ سمعنا ما قول ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ یحییٰ بن معاویہ کا قول
 ہے من هتق نفع نکتم منات مات شهيدا جو عشق میں پاکباز رہے اور اس کو چھپاتے

تو اس کی موت شہید کی موت ہو گئی۔ یحییٰ بن معین نے یہ روایت سن کر فرمایا کہ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو میں اس کے راوی سے جہاد کرتا۔ ملا علی قاری نے ان دونوں امر سے پہلے مراد۔ یا کنت لکنزاً مخضیاً الخ۔ حدیثوں نے ان حدیثوں کو بے اصل قرار دیا ہے اسی طرح، روایت بھی کہ حضور پر فوسنے سماع میں شرکت فرمائی اور حالت وجد میں گریبان چاک کر ڈالا مرامرا خزا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ خدا اس کے وضع کرنے والے پر لعنت فرمائے۔

(۵) داعظا اور فقہ خواں اپنی گری بازار کے لئے روایات گھر گھر آنحضرت سے منسوب کر دیتے تھے اس لئے حضرت ملا نے ایسے واعظین کو مسجد سے نکال دیا۔

(۶) متعدد گمراہ فرقوں نے اپنی بدعات کی تردیح کے لئے اس شخص کو اپنا آئہ کار بنایا جیسا کہ کتب حدیث کے مطالعہ کرنے والوں سے نئی نہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا طائے امت نے بروقت اس قتنے کی روک تھام کی اور ایسے عمدہ اصول مرتب کئے جن سے حق و باطل جدا جدا ہو گئے۔ ملا علی قاری۔ علامہ ابن جوزی۔ علامہ سیوطی اور دوسرے بزرگوں نے موضوعات کو کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد احادیث جو ہمارے یہاں میلاد شریف کی محافل میں بیان کی جاتی ہیں یا معجزات و فضائل سے متعلق ہیں یا حضرات صوفیہ کی تصانیف میں داخل ہو گئی ہیں سرے سے بے اصل ہیں۔

اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ شبہات جو حدیث پر بعض مستشرقین یا نو تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے وارو کئے جاتے ہیں صاف کر دئے جائیں یہ شبہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) احادیث کے ذخیرہ کی اس حد کثرت کو دیکھتے ہوئے حفاظ حدیث کا ان کو محفوظ رکھنا

نہایت مستعجب اور مباغذ آمیز معلوم ہوتا ہے۔

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے لوگوں کو کتابت حدیث سے ہمیشہ منع فرمایا

ہمد سادات سے مدوں بعد یعنی تیسری صدی ہجری میں کتب احادیث کی تدوین ہوئی۔ ایسی صورت میں ان کے مستند ہونے کی کیا دلیل ہے۔

(۴) اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ ذخیرہ مستند ہے۔ تاہم اس کی حیثیت ایک تاریخی ریکارڈ کی ہے۔ مذہباً حدیث کا ہم پر محبت ہونا اور واجب العمل قرار پانا گہرے کھوکھلے کی طرح ہے۔ پہلے شبہ کے متعلق ہیں یاد رکھنا چاہئے کہ محدثین نے اکثر یہ کوشش کی ہے کہ ایک ہی روایت کی توہین کے لئے اس کے جتنے طرق و اسناد ہوں سب کو محفوظ رکھا جائے۔ جیسا کہ علامہ ابن حزمی کا قول ہے ان المراد بهذا العدد الطرق لا المتن یعنی حدیثوں کی اتنی بڑی تعداد سے مراد اسناد ہیں نہ کہ متن۔ مثلاً مشہور حدیث انما الاعمال بالنیات ۱۰۰ طرق سے مروی ہے یعنی اگرچہ حدیث ایک ہی ہے۔ مگر راویوں کے متعدد سلسلوں کی بنا پر اس کو ۱۰۰ شمار کیا جاتا ہے اسی کے ساتھ عربوں کے غیر معمولی حافظے اور مذہب کے ساتھ ان کے زبردست شغف کو دیکھتے ہوئے ان کا محفوظ رہنا بعید از عقل نہیں معلوم ہوتا یہاں یہ بات اور صاف کر دینی چاہئے کہ جب ہم لاکھوں حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد صرف اقوال نبوی نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کا لفظ رسول پاک کے قول۔ فعل اور تقریر دینی جس کا ہم کو آپ نے دوسرے کو کرنے دیکھا اور انکار نہ فرمایا سب پر حاوی ہے۔ بلکہ آپ کے علاوہ صحابہ اور تابعین کے قول۔ فعل اور تقریر کو بھی محدثین نے حدیث کی تعریف میں داخل کیا ہے دوسرا شبہ بھی قلت تدبر کا نتیجہ ہے یہ درست ہے کہ آنحضرت نے شروع میں کتابت حدیث کی ممانعت فرمائی تھی۔ کیونکہ قرآن سے لوگوں کی توجہ ہٹ جائے اور قرآن و حدیث کے مخلوط ہو جانے کا خطرہ تھا لیکن جب یہ خطرہ رفع ہو گیا تو حکم امتناعی واپس لے لیا گیا۔ یہی نفس روایت اس کی اجازت بلکہ حکم برابر بانی رہا۔ یہ مزور ہے کہ محتاط اور دور میں صحابہ خلفاء حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ قبول روایت میں پوری احتیاط برتتے تھے۔ اور صحابہ سے بغیر گواہ اور قسم کے حدیث قبول نہ فرماتے تھے۔

عام خیال یہ ہے کہ تدوین حدیث تیسری صدی ہجری کا واقعہ ہے کیونکہ جامعین صحاح ستہ

ان العہد قل خفت بالخط۔ یعنی عرب حاکم کے بارے میں مخصوص درجہ رکھتے ہیں ۱۱

۲۵۶ قمری صدی کے لگ بھگ وفات پائی ہے چنانچہ امام بخاری کا سال وفات ۲۵۶
 امام مسلم کا ۲۶۱۔ ابن ماجہ کا ۲۴۳۔ ابوداؤد کا ۲۴۵۔ ترمذی کا ۲۴۹۔ اندلسی کا ۳۲۳ ہجری
 ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہہ لیجئے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث کی تدوین اسلام
 زہری کے ہاتھوں پہلی صدی ہجری کے آخر میں عمل میں آئی۔ بہر صورت جب حضورؐ سے اتنی
 مدت کے بعد یہ سرمایہ مدون ہوا تو اس کی صحت کا کیا اعتبار لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ
 ہمدنوت اور عہد صحابہ میں حدیث کا کافی ذخیرہ تحریر و تدوین کے مراحل طے کر چکا تھا خود امام بخاری
 نے اپنی صحیح میں باب کتابہ العلم باندھا ہے جس میں حضرت علیؑ کے پاس ایک صحیفے کا موجود
 ہونا بیان کیا گیا ہے۔ اس صحیفے میں دین و غیرہ کے احکام قلمبند تھے۔ ایک دوسری حدیث
 میں حضورؐ کے خطبہ فتح مکہ کا ذکر ہے اس موقع پر ایک شخص ہوشامہی عرض کرتے ہیں کہ یا حضرت
 یا احکام میرے لئے لکھوا دیجئے۔ جس پر آپؐ فرماتے ہیں اکتبوا لا بی فلا یعنی ان کے لئے یہ
 احکام قلمبند کر دئے جاتیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بھی اپنی مرویات جو بائخ ہزار سے اونچی
 تھیں کتابی صورت میں موجود تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اپنی مرویات جو حضرت
 ابوہریرہؓ کی مرویات سے بھی زیادہ تھیں حضورؐ کی اجازت سے لکھ لی تھیں۔ حضرت انسؓ جن سے
 تقریباً سوا حدیث مروی ہیں خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کو لکھ کر رسول مقبولؐ کی خدمت
 میں پیش کر دیا تھا۔ حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی حال تھا۔ آخر الذکر بزرگ
 کے پاس اقوال نبویؐ کے علاوہ حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کے قاعدے بھی قلمبند تھے۔ یہ تحریری مجموعے
 ان مراسلات اور معاہدات کے علاوہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ کر سلطان
 کو بھیجے گئے تھے یا بعض جماعتوں کو سپرد کئے گئے تھے۔

جو حضرات ہمد سالیت میں اس مقدس سرمایے کا قید کتابت میں آنا تسلیم نہیں کرتے
 انہیں چھوٹیں کی جج کہ وہ کتب حدیث جو انہیں کے نام سے مشہور ہیں معاجر ستہ کھلاتی ہیں مگر
 کفر فی الحدیث اس ترتیب سے ہیں عبداللہ بن عمرو۔ تقریباً چھ ہزار، ابوہریرہؓ ۸۵۴۴، عبداللہ بن عباسؓ ۶۰۰
 عائشہ صدیقہؓ ۶۰۱، عبداللہ بن عمرؓ ۱۶۳۰، جابرؓ ۱۵۰۶، انسؓ ۱۲۸۶۔

حیاتِ مبارک ہی میں ایک طرف قرآن مجید تمام سببوں اور سفینوں میں محفوظ ہو کر پوری اسلامی آبادی میں دائرہ سار ہو چکا تھا اور دوسری طرف احادیث کا مکمل نہیں تو بڑا حصہ قیدِ تحریر میں بچا تھا۔ پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب صحابہ کی جماعت کے کثیر افراد وفات پا چکے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس خوف سے کہ علمِ حدیث دنیا سے مٹ نہ جائے ابو بکر بن حزم کو احادیث کی جستجو کا حکم دیا اور ابن شہاب زہری کو مدینہ پر مامور کیا۔ امام زہری اور ان کے رفقاء نے اس دور میں علمِ حدیث کی بڑی خدمت کی۔ مگر افسوس کہ اس دور کے اکثر کارنامے زمانہ کے ہاتھوں تلف ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام بخاری اور ان کے رفقاء کا عہد آگیا۔ غیر مناسب نہ ہو گا اگر مثال کے طور پر یہاں بخاری کی تالیف کا واقعہ مختصر آئفل کر دیا جائے جس سے سلف کے حیرت انگیز مانتے اور غیر معمولی احتیاطِ کتابت کا اندازہ ہو سکے گا خود ان کا بیان ہے کہ شیخ اسحق کی مجلس میں بعض دوستوں نے کہا کہ اگر احادیث کے دفتر میں سے ایک مختصر اور مستند انتخاب کر دیا جائے تو کیا اچھا ہو۔ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے تقریباً سات ہزار حدیثیں جھانٹ لیں اور ان کو اپنے ادرعی ثعالیٰ کے درمیان محبت قرار دیا۔ ایک مرتبہ لوگوں نے ان کے مانتے کا امتحان کرنے کے لئے سو حدیثوں کو اس طرح الٹ پلٹ دیا کہ ایک کے متن میں دوسری کے اسناد ملا دیے۔ امام بخاری نے تمام حدیثوں کو صحیح متون اور اسناد کے ساتھ سنا دیا کہ کتابت میں اس قدر احتیاط مد نظر تھی کہ صرف وہ حدیث درج کرتے جو صحت کے اعلیٰ درجے پر ہوتی اور جس کے اسناد متصل ہوتے اور ہر حدیث کہنے سے پہلے فصل کر کے دور کھین ادا کرتے اور عمبرِ دقیر نبوی کے درمیان بیٹھ کر مصروفِ تحریر نہ ہو کہادات کو حذف کرنے کے بعد چار ہزار کے قریب ہوتی ہیں۔

ہوتے اس طرح یہ کتاب سولہ سال میں تکمیل کو پہنچی۔ اسی احتیاط کا نتیجہ ہے کہ حدیث کی چھ مشہور کتابوں و صحاح ستہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اہل حدیث و فہم صحیحین کہلاتی ہیں اور ان میں بھی صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد آسمان کے نیچے اصح و مکتب تسلیم کی گئی ہے۔

محدثین کا قول ہے کہ دنیا کے حافظ چار گندے ہیں۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ میں۔ مسلم بن الحجاج میں۔ دارمی مرقم میں۔ اور بخاری بخاری میں اور ان میں آخر لڑکر علم و فہم میں سب سے بہتر ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ظل و اسانہ حدیث کے علم میں وہ اپنے عہد کے امام تھے چنانچہ مشہور ہے کہ عہدِ طلب میں ایک مرتبہ ان کے شیخ اپنی کتاب سے ان کو حدیث پڑھا رہے تھے کہ ان کی زبان سے نکلا سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ بخاری نے ٹوٹا اور کہا کہ ابو الزبیر نے ابراہیم سے سماعِ حدیث نہیں کی ہے۔ استاد انصاف پسند اور ہر دانشناس تھے خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ صحیح کیا ہے۔ جواب دیا سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراہیم۔ اسٹان کی معلومات دیکھ کر حیران ہوئے اور اپنی کتاب میں تصحیح کر لی۔

اسی سلسلے میں ان کا ایک خواب دلچسپی سے غالی نہیں وہ یہ کہ انھوں نے دیکھا کہ میں رسول مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپؐ کو کچھ جمل رہا ہوں۔ جس کی ایک شخص نے تبصرہ کیا کہ تم احادیثِ نبویہ سے و مناعین و جالین کا کذب و دفع کر دو گے۔

ایک جگہ خود امام بخاری نے لکھا ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں اور یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب ان کی عمر سولہ برس کی تھی۔ انھیں کا بیان ہے کہ میں نے مختلف بلادِ اسلام میں جا کر متعدد شبو بخ سے (جن کی تعداد اٹھارہ سو تک پہنچتی ہے) حدیث اخذ کی اور ہر حدیث کی سند مجھے ازبر ہے۔

ان کی صحیح بخاری فائز صحیح احادیث کا پہلا مجموعہ ہے جس میں قبولِ روایت کی شرط بہت سخت رکھی ہیں اس میں انھوں نے صرف صحیح احادیث کو لیا ہے۔ اور بعض صحیح احادیث

لوگوں کی وجہ سے ترک کر دیا ہے اس کتاب کی مقبولیت کا یہ حال ہے کہ جن لوگوں نے خود توفیق سے اس کی روایت کی ہے ان کی تعداد نوے ہزار۔ با ایک لاکھ بتائی جاتی ہے جن میں بڑے بڑے علمائے اہل اسلام مثلاً مسلم۔ حرذی۔ نسائی وغیرہم شامل ہیں۔

امام بخاری کے اسی تہجد اور احتیاط کا نتیجہ ہے کہ دنیائے اسلام کے اکابر نے ہر زمانے میں ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے ابن خزیمہ کا قول ہے کہ میں نے آسمان سے نیچے بخاری سے بڑا عالم حدیث نہیں دیکھا امام مسلم جب ان کے پاس آتے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور کہتے کہ مجھے اجازت دو کہ تمہارے قدم چوموں۔ انھیں کا ارشاد ہے کہ آپ سے حاسد کے سوا کوئی بغض نہ رکھے گا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی تقیر نہیں جعفر حرذی زمانے میں کہ اگر ممکن ہوتا تو میں اپنی عمر میں سے بخاری کو دے دیتا۔

مشہور ہے کہ امام بخاری کی وفات پر لوگوں نے حضور سرور عالم کو خواب میں دیکھا کہ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن اسماعیل بخاری کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

باقی کتب صحاح کے جامعین کے تہجد و توہر کا بھی کم و بیش یہی حال ہے لیکن وقت کی کمی کے باعث ہم اس کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہیں۔
اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تیسرے شعبہ کی طرف متوجہ ہوں اور حدیث کا مذہب محبت جو تائید کریں۔

جن لوگوں کی احادیث نبوی پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ سنت رسول کو جانتا وہ اس پر کار بند ہونے کی کس قدر تاکید کرتی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو مین کا حاکم مقرر فرمایا۔ روانہ کرنے سے پہلے سوال کیا کہ وہاں لوگوں کے مقدسات کا فیصلہ کیوں کر کر دے گے۔ جواب دیا کہ کتاب اللہ کے ذریعے سے دریافت کیا اگر کتاب اللہ میں کوئی صریح حکم نہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ سنت رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ اس پر آپ نے من

کی تھوہب و تحسین فرمائی۔

ایک حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص مسندِ رنانہ و غور سے متکبر ہو اور میرا حکم اس کے ردِ و پیش کیا جائے اور وہ کہے کہ میں قرآن کے علاوہ کچھ نہیں جانتا ممکن ہے کہ کوئی منطقی دوست مجھ پر دو درجی *argumenta in circle* کا الزام لگائیں اور فرمائیں کہ خوب! حدیث کا حجت ہونا ثابت کیا جائے اور حدیث ہی سے دلیل لائی جائے۔ اس لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

قرآن حکیم میں ایسی آیات بکثرت ہیں جن میں لطاعتِ خدا و اطاعتِ رسول کی تاکید و تاکید آئی ہے کہیں فرمایا جاتا ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا رسول نہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس کا منہ سے منع کریں اس سے باز رہو۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رسول اللہ تمہارے لئے عمدہ نمونہ ہیں۔ متعدد مقامات پر آنحضرت کا منصب یہ بتایا گیا ہے کہ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ جو حضرات صرف کتابِ الہی کو واجب العمل مانتے ہیں خدا را بتائیں کہ حکمت سے کیا چیز مراد ہے؟ بعض لوگ دہی زبان سے فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر اور اس کے مطالب کی تشریح ہے۔ لیکن آخر ہمارے لئے اس تفسیر تک پہنچے گا ذریعہ کیا ہے۔ وہی حدیث یا کچھ اور اگر غلط دیکھا جائے تو بھی حدیث کی اہمیت سے انکار نہیں ہو سکتا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آپ ایک قانون کو تو تسلیم کریں اور اس کی تطاّر کے ماننے سے انکار کر دیں جبکہ آپ کو یہ ثابت ہو چکا کہ وہ نظائر مستند طور پر قانون کے اولین ترجمان کی طرف مضموب ہیں۔

اس امر کو اس پہلو سے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ جو ہم پر کتاب نازل کر سکتا تھا کیا اس پر قادر نہ تھا پیر کی وساطت کے بغیر مخلوق کے درمیان کتاب بھیج دینا تاکہ لوگ اس میں دیکھ و بیکھ کر اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے بلکہ یہ صورتِ اعجاز پرست لوگوں کو اور زیادہ ساکت کر دیتی ان کو تو بھی اعتراض تھا کہ ہمیں جیسے انسان کو وحی سے کیوں مشرف کیا گیا ہے۔ چاہے خدا

نے ایک رسول کو بھی مبعوث کیا تاکہ وہ اس الہی تعلیم کا صحیح و کامل نمونہ بنا کر خود کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ خدا خود فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِبَيِّنَاتٍ اللَّهُ

یعنی ہم نے جتنے رسول بھیجے وہ صرف اس غرض سے بھیجے کہ ہمارے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے بے شک خدا نے پاک نے ہمیں نماز کا حکم دیا اور زکوٰۃ کی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن خبر کی دور رکعتیں پڑھی جائیں اور زکوٰۃ رقم کی چم ہو یہ ہیں رسول خدا نے اپنے قول و فعل سے بتایا ہے۔ تمام عبادات و معاملات کا یہی حال ہے یعنی قرآن نے عموماً کلیات سے اقتضا کی ہے اور جزئیات کی تفصیلات اسوۂ رسول سے ماخوذ ہیں۔

نبائی حدیث بعد از یومنون

اس مقالے کی ترتیب کے وقت کتب ذیل پیش نظر تھیں۔ قرآن مجید۔ صحیح بخاری مع مقدمہ مولانا احمد علی سہارنپوری۔ نخبۃ الکریم زبیرہ النظر۔ المطالعہ فیہ۔ نیل الامانی۔ تدریب الراوی۔ عمدۃ الماصول۔ معرفۃ علوم التہذیب۔ موضوعات علامہ علی قاری۔ تاریخ الخلفاء سیرۃ النبی۔ تدوین حدیث۔ موجودہ تصوف (درجہ خود)۔ انسانی کلوپیڈیا آف اسلام۔ مجاہد اعظم۔

جلد اول

خلافت عباسیہ

تاریخ ملت کا پانچویں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء سفاح۔ منصور۔ ہمدانی۔ ہادی۔ ہارون امین۔ مامون۔ معتصم اور اتق باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی دور حقیقت میں دور عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا رعب تمام ہمسایہ سلطنتوں پر چھایا ہوا تھا کتاب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی، مذہبی، تمدنی اور اصلاحی کارناموں پر دلپذیر تبصرہ بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز خلافت کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحات ۲۴۴ قیمت غیر مجلد ۲۲ مجلد ۲۴

دلائل القرآن

۱۸

(نجم الدین امجدی)

(۲)

تھی اپنی قرآنی پہنچ | منکرین قرآن ابتداء نزول ہی سے قرآن پرست نئے اعتراضات اور شکوک و شبہات
دارد کرتے رہے اور باوجود اہل زبان ہونے کے قرآن کا چیلنج قبول کرنے سے قطعاً عاجز تھے۔ آخون
کا یہ عجیب و غریب بنا پر تھا اور کہیں اس کے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی دراصل ایک ان کا یہ کہنا تھا: لَوْ
نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا "بھریوں نہیں بنائے جبکہ قرآن سارے قصوں کا خاتمہ اسی پر کر رہا تھا و
بیا یک اہم اور مشکل سوال ہے جس پر علمائے اسلام نے ہر دور میں داد تحقیق دینے کی سعی
فرمائی ہے اور دعوہ اعجاز قرآن برد جانے کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ امام عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ
بالقادی، استاد مصطفیٰ صادق رافعی اور حضرت علامہ مولانا حمید الدین فراہی کی تحقیقات خاص
طور پر قابل ذکر ہیں۔

ذیل میں ہم پہلے ان آیات کو ترتیب وار درج کرنے میں جن میں قرآن عزیز نے تھی کی ہے
(۱) قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَبْتُهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۰۸)
(۲) قُلْ لَّيْسَ اجْتَمَعَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَآ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ
وَلَوْ كَانَتْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (۱۰۹) (نبی اسرار)
(۳) أَمْ يَقُولُونَ اضْرَأْهُ قُلْ فَأْتُوا بِخَيْرِ مِثْلِهِ مَفْعَرَاتٍ وَلَوْ هُوَ مِن سَطَطٍ
مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۱۱۰) (دعوت)
(۴) وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

يَذِيْرُ فَتَقْصِلَ الْكِتَابَ لَا مَرِيْبَ فِيْهِ مِنْ شَرِّ الْعَالَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ اَنْتُمْ اَوْفَوْا قُلْ فَاَنْتُمْ
يَسُوْرُوْنَ مِثْلَهُمْ وَاذْعُوْا مِّنْ اَسْتَقْلَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (رویس) ۱۶۰
(۱۰) اَمْ يَقُوْلُوْنَ قَوْلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَاْكُوْا مِنْ ثَمَرِهِ اِنْ كَانُوْا صَادِقِيْنَ

آیات مذکور کو ہم نے اسی ترتیب سے مسج کیلئے جس ترتیب سے قرآن نے تہدی کی اور
تبدیل و اپنا قدم بڑھایا ہے۔ طار کے اقول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت
سب کے نزدیک وجود اعجاز میں بڑی اہمیت رکھتی ہے چنانچہ انھوں نے کلام طبع میں تین چیزوں
سے بحث کی ہے۔ انتخاب مفردات، بندش و ترکیب اور اسلوب و طرز ادا۔

قرآن مجید کے مثل وئے کا عجز اور اس کی حکمت کا سراغ ذیل کی آیات میں کچھ ملتا ہے مثلاً

ہوتا ہے۔

قُلْ وَالْقُرْآنِ الْبَحِيْدِ بَلْ يَحْسَبُوْنَ اَنْ جَاءَهُمْ مُّجْدِرًا مِنْهُمْ فَقُلْ الْكُفْرُ هَٰذَا اَسْوَقُ عُجْبَةٍ
لَّيْسَ وَالْقُرْآنِ الْبَحِيْدِ اِنَّكَ لَمِنَ الْقٰسِيْنَ
اَمْ سَلِيْنٌ عَلَىٰ صَوَابٍ مُّسْتَقِيْمٍ
تَنْزِيْلُ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (طیس)

زبردست رحم والے نے۔

قرآن کی بزرگی اور عظمت شان بر بذات خود قرآن شاہد ہے جس نے اپنی اعجازی قوت
اور بے پایاں اسرار و معارف، ہر حکمت و تعلیمات اور اعلیٰ مضامین کے اعتبار سے قوم عرب کے
انفدہ بنی و فکری انقلاب طاری کر دیا اور تمام انسانوں میں عام تبدیلی پیدا کر دی، وہی قرآن بڑا
زہد و مست گواہ اس بات کا ہے کہ جو نبی اسی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور ٹھیک راستہ
پر تھا اور یہ قرآن اس خدا کا امارا ہوا ہے جو عزیز و رحیم ہے۔

عربی میں عزت کے معنی اسی قوت و طاقت کے ہیں جو مغلوبیت میں مانع ہو اسی سے
مترتب ہے یعنی اسی قوت میں پر غلبہ کی دست دس نہ ہو سکے اور جو غالب و قاهر ہو کہ مغلوب
و معزول پس جو ذات اسی ہے اسی پر اس کے کلام کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ اس

نبی امی کی طاعت اور دست رس سے بھی باہر تھا جس نے نبوت سے پہلے فارحرامی گوشت
نیشی کی زندگی گذاری، بچپن میں گدبانی اور جوانی میں تجارت کی کہ کوئی قرآن اپنے الفاظ میں
تالیف کر سکتے معلوم ہوا کہ قرآن عزیز مخلص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

ہمارے پاس قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا زبردست ذخیرہ موجود ہے اور اس ^{الاحادیث} ^{الاحادیث}
کا وہ عظیم الشان دفتر ہے جس میں کلام نبوی کے روایت کرنے والوں کی ثقاہت و فیرہ کو اس
طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ جال گشتگو نہیں چنانچہ مسلمانوں کی اس مصوری پر دنیا ر تحقیق متغیر
ہے اگر مستشرقین یورپ کے قول کے مطابق کہ محمد عربی (صلی علیہ وسلم) نے قرآن کو اپنے الفاظ
میں لکھوایا ہے تو پھر اسی طرح آنحضرت صلی علیہ وسلم نے تو احادیث کو بھی لکھوایا تھا آخر احادیث
کے مجموعہ الفاظ میں وہ تاثیر کیوں نہیں پائی جاتی اور اس کی تلاوت کیوں نہیں کی جاتی جب کہ
اسلوب نبی اور اسلوب قرآن دونوں ایک ہی ہیں۔ معلوم ہوا کہ خصائص و اسلوب قرآن اور
خصائص و اسلوب احادیث میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لئے ہم آیت
تکمیل بن جو سلمہ عجمۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن عصر کے وقت نازل ہوئی اور اسی
جگہ اور اسی وقت تاریخ میں آنحضرت صلی علیہ وسلم نے چالیس ہزار قدوسیوں کے مجمع میں جو خطبہ
عجمۃ الوداع ارشاد فرمایا ہے العقد الفرید جلد دوم مسئلہ ۱۱۱ سے ذیل میں درج کرتے ہیں
پورا خطبہ کتاب مذکور میں ہے۔

”ایھا الناس... سمعوا منی ابن لکھ فانی لا ادری لا اقلکم بعد
عامی ہذا فی موقفی ہذا... ایھا الناس ان دما عکروا مو الکمر حلیم
حرام الی ابن عفوار بکمر کمرۃ یومکم ہذا فی شہدکم ہذا فی بلدکم ہذا
... لا اهل بلغت. اللهم اشهد فمن كانت عتدا امانته فلیؤدھا الی
الذی یثقتہ علیہا ای سربا المجاہلیۃ موضع وان اول سربا ابدا ابہ سربا محی العبا
بن عبد المطلب وان دما المجاہلیۃ موضوعة وان اول دم ابدا ابہ دم

معلوم بن سبیعة بن الحارث ابن عبد المطلب ... وان ما تروا الجاهلیة
موضوعة غیر السدانة والسقابة الخ

الْيَوْمَ يُسِرُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ
أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَقْمَمْتُ عَلَيْكُمْ مِغْفِقًا وَرَاضِيًا لَكُمْ إِلَّا سَلَامَةً دِينًا الْخ

یہ دونوں نے ایسے پیش کر دئے گئے ہیں کہ جو ذرا بھی کلام عرب کی مارت رکھتا ہے صاف فیصلہ
کر دے گا کہ یہ دونوں کلام ایک ہی شخص کے نہیں ہو سکتے اور اسلوب قرآن اور اسلوب حدیث
میں ایسا نمایاں فرق ہے کہ باوجود خطبہ حجة الوداع کی بلاغت و فصاحت کے پھر بھی کلام ناس
اور کلام ربانی کا فرق واضح رہتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ہی ارشاد ہے ”اِنَّمَا نَعُوذُ بِاللَّهِ“
پسیر سب کچھ ہو جائے لیکن خدا نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اس درجہ کمال پر ہے جس
کا تصور انسانی قوت سے باہر ہے قرآن کریم خود اپنے اوصاف کو بیان کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے
لَوْ أَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَائِشًا مَتَّصِلًا عَامِينَ خَشْيَةَ اللَّهِ فِيهِ
یہ قرآن مجید ہی کی قدسیت ہے کہ چودہ سو برس سے اس کے حفظ اور تلاوت کا سلسلہ قائم
ہے اہل ایمان والوں کے حواس باطنی کے اندر اس کا نشین، بار بار کی تکرار میں تلاوت و تاثیر کی
نیابتی اس کا ایسا عجز العقول اعجاز ہے جو اس آسمان دنیا کے نیچے آسانی وغیر آسمانی کتابوں
کو نہ کہی نصیب ہوا اور نہ کلام ناس و کلام ربانی ایک دوسرے سے مخلوط ہو سکے۔

لیس شان القرآن | کلام ناس اور کلام رب کو ہم چند مثالوں سے واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ
کشان کلام ناس | اسی طرح ثابت ہو جائے کہ کلام ناس سے کلام ربانی پر استدلال کرنا
یا اس پر قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

قرآن مجید میں ایک مجہول سی سورہ نصر ہے۔ اہل زبان اس کے معنوں کو زیادہ سے
زیادہ دو طرح پراد کر سکتے ہیں۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ قَدْ نَصَرَكَ وَدَخَلَ الْاِنْسَ فِيْ دِيْنِكَ نَاجِدًا اللّٰهَ وَاسْتَخْفِرَہُ

من ذلک فان الله يتوب عليك -

(۲) اذ انصرک الله واما حلالک الفتح ودخل الناس فی دین الله انوارا
فسبح بحمد ربک واستغفره انہ کان توابا -

(۳) اذ جاء نصر الله والفتح ورايت الناس يدخلون فی دین الله
انوارا - فسبح بحمد ربک واستغفره انہ کان توابا و نصر،

مذکورہ بالا تینوں عبارتیں اہل علم کے سامنے ہیں اس تھوڑے تھوڑے سے سیر پیر میں کلام کی
بلاغت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ سورۃ نصر میں الفاظ کی بندش اور جملوں کا جوڑا اعلیٰ درجہ پر ہے
چنانچہ جو نظر جہاں جونا چاہتے تھا وہیں گین کی طرح جڑا ہوا ہے، خود کہہ کہ اللہ کی مدد کا آئنا کس قدر اعلیٰ
و غنجدی ہے اور نیک خالی۔ ایک منقل وجود فرض کر کے نظر جاء، ہلایا گیا یہ نہیں کہ تہدی مدد
کی گئی وغیرہ۔ اللہ کی مدد کے بے شمار نتائج میں مگر آنحضرت صلیم کے مشن کے مناسب فتح مکہ بھی
نعمت اور خیر کثیر ہے لہذا اس کے متصل (والفتح) کہا گیا۔

و رایت الناس یدخلون فی دین الله انوارا فتح سے اسی طرح متصل ہے جیسے
فتح نصر اللہ سے فتح مکہ کے بعد سورہ میں تمام عرب کے دُودائے اور اسلام میں داخل ہوئے۔
نصر اللہ سے مناسب تسبیح و تقدیس ہے اور اسلام کی اشاعت و نشر کے مناسب استغفار
ہے کہ ذرائع نبوی پورے ہوئے اب خدا کو یاد کرو۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ
سورہ گویا خبر وفات ہی تھی۔ اور عرفاء صحابہ نے ایسا ہی سمجھا۔

قرآن مجید کے اسالیب اور تفسیر خاص ہو سارا قرآن بھرا ہوا ہے ایک اور مثال سے اسلوب
کلام ناس اور اسلوب کلام ربانی کے فرق کو ہم بتلانا چاہتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاسْتَعَلَ الرَّاسُ شَيْبًا (سورۃ مریم)

حضرت زکریا علیہ السلام بہت زیادہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔ اولاد کی امید منقطع اللہ تعالیٰ کو بکھڑے
ہیں۔ کہتا ہوں یہ ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

لیکن پکارنے میں تو مذکورہ بالا الفاظ میں لن کو سامنے رکھا جائے اور پھر اس معنی کو دوسرے اپنے الفاظ میں دہرایا جائے تو ”وَهَنَ الْعَظْمُ مِثْقَىٰ“ کو دھنت عظام بدنیٰ انا دھنت عظام بدنیٰ، انی دھنت العظام من بدنیٰ، انی دھنت العظام منی وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے لیکن کیا کلام ناس اور کلام رب کا فرق اور اسلوب میں وہی بات ہے جو ”وَهَنَ الْعَظْمُ مِثْقَىٰ“ رَأْسُ شَيْءٍ میں ہے؟

”ہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا“

اس موقع پر ہم ایک اور آیت کریمہ کا ذکر کرنا ضروری خیال کرتے ہیں وہ مشہور آیت یہ ہے۔

وَقِيلَ يَا أَرْثَمُ أَخْلَجِي مَاءَكَ اور حکم آیا اے زمین نکل جا اپنا پانی اور اے
يَا سَمَاءُ اخْلَجِي وَخِضْ الْمَاءُ مِثْقَىٰ آسمان تم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کلام
الْأَمْرِ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ اور کشتی ٹھہری جو دی پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور
وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ہو قوم ظالم دھود

قرآن عزیز میں یہ آیت کریمہ ایسی ہے کہ جس کے وجود و اعجاز پر علماء نے خصوصیت سے توجہ فرمائی ہے اور مستقل کتابیں اور بحثیں کی ہیں ان میں علامہ ابو جحان محمد بن یوسف اندلسی نے اپنی تفسیر میں علم بدیع کی ۲۱ انواع کا ذکر اس کے تحت میں کیلئے اور اسی طرح سید محمد بن سہیل امیر نے اپنی کتاب النہر المورود فی تفسیر آیۃ ہود میں ۲۱ وجوہ سے تعارض فرمایا ہے جس کو ہم گنا دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں

هو المناسبة والمحاذ والاستعارة والاشارة والتنزيل والامثلة
والتعيش وصحة التفسير والمحاذات والابتناح والمسارعات وحسن التفسير
والاجتهاد والتفسير والتهذيب وحسن البيان والتمكين والتجسس والمقابلة
واللزم والوصف۔

ان تمام انواع پر مفصل کلام فرمایا ہے جو اپنے مقام پر موجود ہے اور لطف یہ کہ تمام بحث محض تفسیر

کے ایک رخ یعنی بلاغت پر ہے۔ بالی فصاحت معنویہ و لفظیہ پر گفتگو مزید بلی ہے۔ اصل بحث کو پڑھنا چاہئے یہاں تمام کے ذکر کی گنجائش نہیں البتہ مفسرین کی بعض عبارتیں ہم درج کر کے فیصلہ اہل علم اور باب ذوق پر چھوڑ دیتے ہیں مدارک میں ہے۔ ومن ثم اطبق المعاذین علی ان طوق البشر ناصر من الاتیان بمثل هذه الایة ولله در شل التزلی لایاتل العالم آية من آیاته الا ادراك لطائف لا تسع المحصر ولا تظنن الایة مقصورة علی المذكور فنعلم المتروک اکثر من المسطور۔

مفسر ابو السعد فرماتے ہیں۔ ولقد بلغت الایة الکرمیة من مراتب الإعجاز قاصیة ما ملکت من غرد المزایا ناصیة ما قد تصدی لتفسیرها المہرۃ المتقنون ولعمری ان ذلك فوق ما یصفه الواصفون فخری بآان لوجز الکلام فی هذا الباب ونفوض الامر الی تامل اولی الالباب واللہ عنده علم الکتاب۔

عمل حاشیہ جلالین میں ہے۔ قال بعضهم هذه الایة ابلغ آية فی القرآن وقد احتوت من انواع البديع علی احدى عشر بنوع الخ

ہم اوپر کہیں ذکر کر چکے ہیں کہ کفار مکہ اور نصاریٰ و بلغار عرب و عدنان کو بھی قرآن کی فصاحت و بلاغت، حسن اسلوب، قوت تاثیر، طرز موغظت، شیریں بیانی موزونیت و سلاست کا اعتراف تھا اور بعض نے تو خارقِ حادث کلام کو دیکھ کر سحر کرنا شروع کر دیا بقائد صرف کفار کو قرآن کے کلام الہی ہوئے کا یقین تھا بلکہ جنت تک کو قرآنی رشد و ہدایت پر مستحکم ہو کر ناؤ ایمان فنا پڑا مام لغت ابو عبیدہ سے مروی ہے کہ ایک بدو نے کسی عجمی کو آیت ”فاصدع بما تؤمر“ دیکھا تو فرمایا ”ما اشد حیران“ پڑھنے سے ساقو فوراً سجدہ میں گر گیا اور کہا کہ یہ کلام ایسا فصیح ہے کہ سمجھ کیا جائے۔

ایک اور مثال سے قرآن کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز کو کسی قدر سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ کہ عرب میں دستور تھا کہ جو شہزاد چوٹی کے تختے ان کے کلام کو خانہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا اور فرزند اس مقام کی حریہ تشریح کے لئے فاضل معنویں نگار کو نہ قافی علی الموابہب ج ۲ کا مطالعہ کرنا چاہئے بریل دہلی

مبایات کے طور پر ساری دنیا کو گونگا کہا جاتا تھا اور جب تک قرآن کا ترول نہیں ہوا ایک صی سے اور پرنک مقلات السبع کو برابر سجدہ کیا جاتا رہا چنانچہ اساندہ سے سننے میں آیا ہے کہ جب فرزدق نے یہ شوسناہ

وجلا السیول من الطلول کاٹھا نہ برتجد متونہا ۲ قلا مہا (لسید)
توسجدہ میں گر پڑا۔ (جمہرۃ البلاغۃ)

سمول ابن عاد یا عرب کا مشہور شاعر ہے غزیہ کہتا ہے کہ

وتنکران شمتا علی الناس قولہم ولا ینکسر من القول حین نقول
ہم چاہیں تو لوگوں کی باتوں کی تردید کر سکتے ہیں لیکن ہمارے کہنے کی کوئی تردید نہیں کر سکتا اس
مضمون کے مشابہ آیت ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے۔

لَا يُبْشَلُ مِمَّا لَفَعَلٌ وَهُمْ يُبْشَلُونَ۔ سمول کا فخر صرف یہاں تک محدود ہے کہ اس کی بات
کی کوئی تردید نہیں کر سکتا اعمال و افعال ذکر نہیں ہے۔ اور دونوں کھڑا داد اور اسلوب میں
دی فرق ہے جو کلام رب اور کلام بشر میں ہونا چاہئے۔

نزول قرآن سے قبل کے اشعار، قصائد، نثر اور ابیات محفوظ چلے آتے ہیں اور لوگ
برابر اس کو پڑھتے، دہرانے رہتے ہیں۔ اسی طرح نہ جانے کتنی بار امری القیس کا مشہور لایہ
قناہک من ذکرہی الخ پڑھا گیا۔ اس کے سنی بچوں اور طالب علموں کو بتائے گئے، اور
اس پر غور و فکر بھی کیا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ یہ قصائد و ابیات وغیرہ شعرو شاعری کے مرتبہ
سے ایک انگل بھی آگے بڑھ سکے اور نرنی کر سکے اور کیا لوگوں کے قلوب میں ان کی کوئی خاص
جگہ ہے اور کیا ان اشعار نے کوئی خاص انقلاب پیدا کیا اور کیا ان اشعار کی تاثیر کہیں باقی رہ
سکی ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ لوگوں کے کلام مثل جنگل کے ہیں جس میں درخت
گھاس، کانٹے، پھل، پھول اور کیرے کوڑے سب ہی موجود ہیں بغیر اس کے قرآن
گویا پھولوں سے نکلا ہوا عطر، پھولوں سے بنا ہوا شہد جو اثر اور حلاوت کے ساتھ ساتھ

ایسا جن ہے جس میں نگاہ کے لئے ہر حسن جمع کر دیا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی ذات بے مدو بے نظیر ”لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ دَعُوا السَّمِیْعَ الْبَصِیْرَ“ ہے تو اسی طرح اس کے کلام کو بھی سمجھنا، سورہ اعراف میں ایک اسلوب خاص قرآن نے استعمال کیا ہے ”وَلَمَّا سَقَطْنَا فِيْ کُیُوْمِیْمَ“

کیا اس اسلوب سے دنیا سے دنیائے عرب و عجم پہلے سے واقف تھی؟ صاحب فتح البیان جن کی نظر بڑی وسیع اور کلام عرب سے خاص دلچسپی لگی فرماتے ہیں ”ہذا الترتیب لہ تصریف لفظ العرب الا بعد قول الملک“ اسی طرح لفظ ”نفت“ ہے کہ لغت میں زجاج اور ابو عبیدہ کا قول ہے ”ان اهل اللغة لا يعرفون النفث... ولغات فی الشعر ما یحتاج بہ فی معنی النفث“ پھر کس مائی کے کل کو معارضہ و مقابلہ کی ہمت ہو سکتی تھی۔

آنحضرت صلعم کے وصال کے قریب بہنوں کو اس طرح کا خیال ہوا تھا جس کو ہم آگے مفصل بیان کریں گے۔ یہاں صرف اس قدر جان لینا کافی ہے کہ عرب دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ زبان کے مالک تھے اور اپنی عقل و ارادہ میں خود مختار تھے ان کا عجز اور ان کی فرمانگی دوبارہ قرآن تین ثبوت ہے کہ قرآن عزیز کے مثل ایک آیت اور ایک بات بھی لانے سے قطعاً عاجز تھے یہ عجز علوم انسانی کے خصائص سے نہیں بلکہ علوم ربانی کے اعجاز کی بنا پر تھا جس کے سامنے مجبوراً دنیا کو جھکنا اور اعتراف عجز کرنا پڑتا تھا۔

علامہ ابن حقیقت مستشرقین یورپ اور بہت سے علماء کو قرآن حکیم کے سمجھنے میں بہت کچھ مقابلے پیش آئے اور کلام نبیر سے کلام الہی کے سمجھنے، تفسیروں سے حل کرنے اور لغت و فہم پر کلی بھروسے ان کو راہ راست سے ہٹا دیا چنانچہ آیات اور سورتوں کے اسرار و معارف باوجود غیر معمولی سعی و جہد کے تفسیروں سے حل نہ کر سکے۔ حالانکہ جب قرآن نہ تو سحر تھا اور نہ سحر دکھانت تو پھر کیوں نہ خود قرآن سے پوچھا گیا کہ تو کیسا ہے؟ قرآن بتانا میں قادر ہوں، ہدایت ہوں شفا ہوں۔ رحمت ہوں۔ دلیل و بیان ہوں، حکمت اور کتاب ہوں اللہ سب سے بڑی بات پر کرب السموات واللہ من کلام اور اس کا علم ہوں اور تاریخ نے بنا ہمارا حکماء اور سیاستمدار

مقتول کے جتنے علوم و فنون اپنے ائمہ محفوظ رکھے ہیں ان سب سے بہتر و اعلیٰ ہیں کیونکہ جب محض انسانی علم انسانوں کی اصلاح و کفالت کا ذمہ دار نہیں تو پھر اسے کیا مانع ہے کہ وہ فطری مقصد خدا کے سامنے نہ جھکے اور مجھے تو کسی شخص، اور انسانی علم کے سامنے؛ خدا تو بآواز بلند فرما رہا ہے۔

”اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفاء اور رحمت ہیں اور ان انسانوں کو اس سے اتنا نقصان بڑھتا ہے“ (سورہ بنی اسرائیل)

پس جن کے ائمہ فطری صلاحیت، قلب میں صفائی، روح میں پاکیزگی اور حقیقت کی طلب و جستجو کا فرما تھے وہاں عروس قرآن نے اپنی نقاب حجاب الٹ دی۔ اور جہاں ضمیر پر سو طرح کے پردے پڑے اور دلوں پر قفل لگے تھے وہاں آفتاب ہدایت نے اپنی روشنی تو سلب کر لی مگر ملین ادب و شہ ان کے حصہ میں آئی۔ فرض قرآن کی فصاحت و بلاغت اور دجوا و اعجاز پر ذیل کی رائیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

درا قاضی ابو بکر باقلائی کا ارشاد ہے۔ قرآن مجید کے اجزاء کی فصاحت میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ ہر کلمہ بلند کی انتہا پر پہنچا ہوا ہے اور جو کچھ قرآن میں ہے فصاحت کے بلند مرتبے پر ہے۔ ”و نحن نعتقد ان الاعجاز انی بعض القرآن اظهر منی بعضه اذق واعجز“

۲، امام عبد القادر جانی وغیرہم فرماتے ہیں کہ اعجاز قرآن تراکیبِ نحویہ اور دجوا و اعجاز کی بنا پر ہے جس کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن لفظ اور معنی کے لحاظ سے دجوا و اعجاز کا مطلق مصادیق و افعی کا قول ہے کہ قرآن ایسی لغت میں نازل ہوا ہے کہ اس کی کم سے کم اور چھوٹی سے چھوٹی آیات کے خصل ملنے سے انسان قطعاً عاجز ہے۔ قرآن نور کے جلد سے بہت مشابہ ہے جس کے بعد دوسرا جلد نور ہی کا لایا جائے وغیرہ۔

علامہ سیوطی نے ایک لمبی تقریر فرمائی ہے چند فقرے یہ ہیں۔ ان القرآن اخصاصا
مجهلاً لا بد جاء بالفصح والفاظ فی احسن نظم التالیف متضماً صم المعانی الخ

اس اسی گفتگو میں علامہ سیوطی کے خیال کا خلاصہ یہ ہے کہ جو الفاظ قرآن کریم نے استعمال کئے ہیں مثنیٰ بھی اس کے اندر شامل ہے اور یہی چیز وجہ اعجاز ہے (القان)

(۵) ڈاکٹر مطہ حسین مصری کا خیال ہے کہ کلام کی عین قسمیں ہیں۔ شعر، نثر اور قرآن ڈاکٹر صاحب کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ قرآن نے ایسا جدید اسلوب اختیار کیا ہے کہ نہ اس کو شعر کہہ سکتے ہیں نہ نثر بلکہ وہ قرآن ہے۔ کیونکہ قرآن دنیاوی نثر و نظم سے لگا نہیں کھاتا بلکہ وہ ایک خاص قسم کی موسیقیت و جاذبیت اپنے اندر رکھتا ہے جو ترکیب الفاظ و تالیفات سے محسوس ہوتا ہے الخ۔

(۶) ڈاکٹر زکی مبارک مصری کا قول ہے کہ قرآن عربی نثر ہے اور ایک خاص ادبی ہنر اپنے اندر رکھتا ہے جس کو مندرجہ ذیل اوصاف سے سمجھا جاسکتا ہے۔
۱، قرآن شعر و نثر دونوں سے پورے طور پر خالی ہے۔ اللہ ماقبل و مابعد کے لحاظ سے نشر ہے۔

(۲) آیات کا نظام اس طور پر ہے کہ وقوفِ کامل کے ساتھ قاری کے دل کو آرام محسوس ہوتا ہے اور ایسا سلسلہ نظام ہے جو نثر و نثر میں اس سجع کے مخالف ہے جو عرب جاہلیت کا خاصہ تھا اور بعد اسلام کے بھی جاری رہا۔

۳، ضرب الامثال اور قصص کا ذکر اور ایک ہی قصہ کو اپنی مناسبت سے بار بار لانا (۴) بعض جگہ ایسے الفاظ کو لانا جس کا مفہوم نہ سمجھا جائے جیسے الحجر جم۔ ص وغیرہ (۵) قرآن نے سجع کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ کبھی توہم ایک جھوٹی سی سورت میں سجع کو پاتے ہیں اور کبھی ٹری سورتوں میں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سجع سے کلام مرسل کی جانب انتقال ہو جاتا ہے

(۷) نظامِ ابراہیم بن سید بن ہاشم استاذِ جاحظ کا خیال ہے۔ "ان اھجائن القرآن بالصرخۃ الخ نظام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی عقول کو قرآن مجید کے معارف و فکر کے سبب کر دیا حالانکہ ان کو قدرتِ حق یعنی ایک امر خارجی مانع ہوا جس طرح تمام معجزات "معجزت زکی

کھوپڑی اٹھی ہوئی ہے بالخصوص قرآن کے معاملہ میں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت قل لمن احببت
الانس الخ صاف دلالت کر رہی ہے کہ ان کا عجز ان کی قدرت کے ساتھ ساتھ تھا اگر قدرت
سلب کر لی گئی ہوئی تو اس تمدی و جلیج کا فائدہ ہی کیا ہوتا؟ اس کے معنی تو یہ ہوتے کہ تمدی زبان
کے زوال کے ساتھ ساتھ اعجاز قرآن کا بھی معاذ اللہ زوال ہو گیا

(۸) شیخ طہ صیب کا ارشاد ہے: ”القول هو اللفظ العربي، المنزل على محمد عليه
الصلوة والسلام المتحد بلانہ المتحدی بالقص سورة منه، المتواتر، فالمنزل هو اللفظ
المقرء...“ (رجلۃ القول ان المنزل والمقرء لیس هو الصفة القدیمہ کہا ہو ظاہر)

شیخ صاحب مرحوم کی عبارت صاف ہے البتہ بحث فرق کلام اللہ اور قرآن کے متعلق جو ان
کی تحقق ہے وہ یہ ہے کہ کلام اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ صفت قدیمہ ہے جو سکوت اور آنت
کے مافی اور حروف و اصوات کی صفت سے نہیں ہے اور امر و نہی و اخبار ہونے کی وجہ سے زور
مختلف ہوئی ہے اور نہ ماضی و حال اور استقبال سے متصف ہوئی ہے الا بحسب التعلقات
والاضافات۔ خلاصہ یہ ہے کہ منزل اور مفرد یہ صفت قدیمہ نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے تحقیق کلام
اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کلام کی نسبت ہمیشہ تالیف کہنے والی طرز ہوتی ہے اگرچہ لفظ
کسی کا ہو سبب کسی کے ہو اور زبان پر کسی کے ہو۔ کلام کا تالیف کرنا حقیقتہ قلب کا کام ہے اس
لئے اصل کلام کلام نفسی ہوا جو کہ قلب اور فواد کا کلام ہے زبانی الفاظ اور کاغذی نقوش وغیرہ
جو خزائن حافظہ میں محفوظ ہو گئے ہیں سب اسی کلام نفسی کے ظلال و آثار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علم اور صفت کلام سے جو کہ دوسرے صفات انہی کی طرح
حقیقیہ اور زلی ہیں قرآن کو تالیف فرمایا اس لئے معانی اور الفاظ قدیم ہیں گے اور لفظ شواقریر
نزول وغیرہ حادث ہو گا۔ ان الفاظ میں انہی کے اندر تقدم اور تاخر صرف ذاتی ہو گا نہ ماضی نہ ہو گا
اس لئے کلام عقلی کو حادث کہنا غلط تحقیق ہو گا صرف لفظ حادث ہے کلام نفسی و عقلی حادث
نہیں کہا فصلہ بحوالہ العلوم فی نواتح الرحمن۔ امام احمد بن حنبل کا اس کو قدیم کہنا اسی بنا

پر تھا اگر بہت سے مخالف نہ سمجھ سکے اور یہی معنی ہیں امام ابو یوسفؒ کے اس ارشاد کے ”تظاہر
ابلیحیۃ سنتہ اشہر ما جمیع سائق و ذایہ علی ان من تل یخلی القلین نہو کا فو“

اس مختصر تشریح سے یہ بات بھی نکل آتی ہے کہ اعجاز اور تحدی جو چوڑا سو برس سے قائم
ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گی اور مجدد قرآنی حکمتوں کے یہ حکمت بھی مسلم ہے کہ قرآن قدیم ہے اور کلام
قدیم جس کو کلام نفسی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کا معارضہ محال اور جلیج قبول کرنا ناممکن ہے۔

(۹) ابو الحسن احمد بن یحییٰ المعروف بابن الراوندی مستزلی بلکہ محد کہتا ہے کہ مسلمانوں نے
اپنے نبی کی نبوت پر قرآن کو دلیل میں پیش کیا ہے اور دلیل یہ دی کہ در آنحضرت صلعم، ذیل قرآن
کو جلیج کیا کہ قرآن کے مثل و ذکر عرب اس کے مثل لانے اور معارضہ سے عاجز رہے و ذائق
کے طور پر کہتا ہے کہ اگر یہی چیز دلیل نبوت ہے تو اگر اقلیدس یہ دعویٰ کرے کہ میری کتاب کے
مثل ملا اور دینا ہونے سے عاجز رہے تو اس سے میرا نبی ہونا ثابت ہو جائے گا؟

ابن الراوندی کی مہجوات میں منالط کو بڑا دخل ہے وہ یہ کہ اقلیدس کو خود بھی بیاطاف نہیں
کہ دوسری کتاب اس کے مثل بناوے یا کسی اور قصے و مقالے کا اضافہ کر کے لہذا اقلیدس اور
دوسروں کا عجیب سادی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اقلیدس نے اپنی کتاب میں حقائق کا انکار
نہیں کیا ہے پس ابن الراوندی کی حماقت سے اقلیدس اور اس کی کتاب کی کوئی اہمیت نہیں
ثابت ہوتی ہے۔ ابن الراوندی کو معلوم نہ تھا اور نہ اقلیدس کو گمان تھا کہ تیرہویں صدی ہجری
میں چرباکوٹ ضلع اعظم گڑھ کے اندر ایک ہستی پیدا ہوگی جو مولانا عنایت رسول کے نام
سے پھاری جائیگی اور سرسید جیسے لوگوں کو اس کی شاگردی کا شرف حاصل ہو گا وہ اقلیدس کے
مقابل پر اضافہ کر دے گا اگر اقلیدس زندہ ہوتا تو داد دیتا اور ابن الراوندی کو اپنی طالب علمانہ جہالت
کا اعتراف کرنا پڑتا۔ ملاحظہ ہو ”مقولات عضدیہ“ (بشری ۱۹۹)

(۱۰) حضرت استاد امام مولانا حمید الدین الفرائی صاحب تفسیر نظام القرآن نے درجہ اولیٰ
قرآن پر مفصل کلام فرمایا ہے۔ اسالیب القرآن فیہ مطبوع اور جمہورۃ البلاغۃ مطبوع کے اندر درجہ

حفاظِ علمی بیان فرماتے ہیں جو صرف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا حصہ تھا اور صرف آپ کی ایک ذات الہی تھی کہ مطالبِ قرآن، مشکلاتِ قرآن و غیر پر آج کل کی منت ہی قرآنی بے راہ روی میں رجوع کیا جاسکتا تھا جس کو سرزمینِ منہارن سے ہم سے چھین لیا۔ ”اِنَّا اشْكُوْا نَحْنُ مِنْ اِلٰهٍ“
اشارہ درس میں جو کچھ باقیں یاد رہ گئی ہیں جو وہ اعجازِ قرآن پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر
خباہت کو ہم قولِ مفصل کے طور پر پیش کرنے میں تفصیل کے لئے انتظار کیا جائے یا مذکورہ بالا
کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

ایک علم بصیئت | عمار بلاغت کی بنیادی کمزوری اور سطوی تقلید ہے اگر بلاغتِ قرآنی میں خود قرآن اور اسلوبِ کلامِ عرب کے مجمعِ منبع اور حقیقی معرفت کو اساس قرار دے کر وجہِ اعجاز کو پرکھا جائے تو خشتِ اولِ جوں ہند مبارک سے تاثر یا می رود دیوارِ کج کی مثل صادق نہ آتی اور نہ الفاظِ اداس کے صنائع و بدائع کو مٹی کے عیال سے زیادہ حیثیت دی گئی ہوتی بلکہ جو شخص تکمیلِ نطق و بلاغت کرنا چاہتا اس کو سب سے پہلے اپنی عقل، فکر اور تیز کی تکمیل کرنی چاہئے تھی کیونکہ بہت سے لوگ نصیحِ نویں کی مثل اور طوطے کی طرح خوش آدازی میں لوگوں کو متوجہ کر لیتے ہیں لیکن ان کے اندر حقیقت اور معنی کا نام و نشان ٹنک نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حربی کے کلام کو سامنے رکھئے اور بعض احمق اور بد مزاق لوگوں کی جرأت کو ملاحظہ فرمائیے۔ کہ حربی کے مقامات کو (نورِ بانشہ) قرآن سے بہتر قرار دے دیا ہے۔ بھلا آبِ حیات کو مردار سے کیا نسبت اور جریغِ مردہ کو نورِ آفتاب سے کیا تعلق ہے؟ "این الجیفۃ من ماء الحیات"

نہ بخشنی جو کلام عرب پر گہری نظر رکھتا ہے وہ بھی اس نازیبا تقلید سے بچ سکا اور کہہ گیا
 اقسام باللہ و آیاتہ و مشعر الحج و میقاتہ

ان الحرمیری حری بان تکتب بالتبرمقاماته

حربی ہی کا یہ فرق بھی تو ہے۔ "اتمسر لیلہ الدجوجی" اس کی تاریکی والی رات چاندنی والی ہوگئی ہے۔ لفظ "دجوجی" نے فرقے کی رونق کو مٹا دیا۔ نہ استعارہ برانہ تھا بھر بھی قرآن کے ارشاد

”وَأَشْتَقِلَ النَّاسُ شَيْبًا“ سے ان کو کیا ملو؟

یہ تمام باتیں اسی عمومِ بلوی کی پیداوار ہیں اور ایسا فتنہ میں جس نے فہمِ بلاغت اور اعجازِ قرآن کے دو دانوں کو بند کر دیا ہے۔ خود کا مقام ہے امام ابو بکر باقلائی جیسا مبصر جس نے اعجازِ قرآن پر بہترین کلام کیا ہے اور معترضین کے جوابات دے کر قرآن عزیز کی پوری پوری حمایت کی ہے وہ بھی اس ہمہ گیر مصیبت سے بچ نہ سکا اور نہ جانے یہ کیسے کہہ دیا کہ آیت ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أَمْثَلُهُمْ لَكُمْ“ خاصِ بلاغت نہیں ہے۔ (سبحان اللہ) جہرۃ البلاغۃ

اسی طرح کی بات ابو نصر قشیریؒ نے کہہ دی ہے ”لَا نَدْعِي أَنْ كُلَّ مَا فِي الْقُرْآنِ عَلَى اسْرَاحِ الدِّسَاجَاتِ نِي الْفَصَاحَةِ“ جس کی توجیہ بعض قدامائے یہ کی ہے کہ اگر تمام قرآن فصاحت میں برابر ہوتا تو وہ موجودہ طریقہ پر نہ ہوتا اور اس کے معارضہ کر کے سبکی طور پر عجب کا انہار ہو جانا غیر ان موضوعات کے بعد استاد امام دولافراہیؒ کے خیالات دربارہٴ اعجازِ قرآن ہم پیش کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

خلافت عباسیہ

جلد دوم

تاریخ ملت کا چٹا حقہ جس میں اٹھائیس حکمرانوں منوکل سے لے کر مستعصم تک کے نام تاریخی حالات بڑی کاوش سے جمع کئے گئے ہیں اس حصے میں بھی پہلے حصے کی تمام خصوصیتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وفاقِ بائند کے زمانے تک ایک صدی کو چھوڑ کر عباسی خوف کے ۲۲۴ سال کے دورِ حکومت کی تاریخ آپ کو اس میں ملے گی جس سے اندازہ ہو گا کہ بغداد جو مسلمانوں کی عظمت و اقتدار کا گہوارہ اور مشرقی ملکوں کا سر تاج تھا کس طرح ویران ویراگندہ ہو کر ان متفرق جماعتوں کا مسکن ہو کر رہ گیا جو باوجودِ کھل کے ساتھیائی تھی سلاطین بویہ۔ سلاجقہ۔ زنگی۔ ایوبی۔ خلجی۔ باہنیہ وغیرہم عصرِ ذلِ اسلامیہ کے حالات کا جامع خلاصہ بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا کتاب کے آخر میں عباسی خلافت کے تمام دوسرے ایک سیاسی اور تاریخی نظر ڈالی گئی ہے جو کم و بیش ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے صفحات ۷۶، ۷۷ قیمت غیر مجلد ۱۱/۱۱ قیمت مجلد ۱۱/۱۱

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی نمبر ۴

دیوانِ مخلص کا ایک نادر نسخہ

انہ

(مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی)

رای رایاں اندرام مخلص محمد شاہی عہد کے مشہور ادیب ہیں۔ یہ ذولسائق تہذیبیانہ شاعر تھے، اس لئے اردو و فارسی دونوں زبانوں کی محض شعرو سخن میں ان کا مذکور ہوتا ہے۔ کتاب خانہ رام پور میں مخلص کے دیوان کا ایک بیش قیمت نسخہ محفوظ ہے۔ یہ نہایت عمدہ اندے کے رنگ کے دبیز کشمیری کاغذ پر عمدہ شفیقا آمیز تملیق خط میں لکھا گیا ہے۔ اس کے سرورق پر کسی نے لکھا ہے :

”دیوانِ اندرام مخلص، خاص مسودہ مصنف میرٹھی محمد شاہ بادشاہ غازی، استاد

مرزا ہمایوں شاہ“

نسخہ مذکور کے حاشیوں پر بہت سے اشعار ”راقدہ“ عنوان کے تحت مندرج ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان اشعار کا کاتب ہی ان کا مصنف یا ناظم بھی ہے۔ خود متن کے اندر بھی بہت سے شعرا سی خط میں بڑھائے گئے ہیں، اور جگہ جگہ اشعار، مصرعے اور الفاظ قلمزد کر کے ان کی جگہ دوسرے شعر، مصرعے یا الفاظ بھی اسی خط میں لکھے گئے ہیں۔ کتاب خانہ رام پور میں سفرنامہ مخلص کا ایک نسخہ خود مخلص کے قلم کا محفوظ ہے۔ اسی کے قلم کی ایک بیاض اشعار کے چند متن بھی موجود ہیں ان سب کا انداز خط دیوان کے حواشی کے اصافوں اور متن کی جگہ کے خط سے ملتا جلتا ہے۔

لہ اودنیل کالج میگزین لاہور بابہ نومبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۹۰ کے مقابل مخلص کی ایک تحریر کا محسوس شائع ہوا ہے۔ اس کا خط بھی زیر نظر دیوان کے اصافوں کے مشابہ ہے۔

اس سے یہ بات مدہن کو پہنچ جاتی ہے کہ سرور دن کی تحریر میں اس کو مسودہ مصنف قرار دینا امر واقعی ہے۔

دیوان کا آغاز ایک طلاکار صفحے سے ہوتا ہے اور انعام نظم میں پہلے غزلوں کو جگہ دی گئی ہے جو صفحہ ۲۵۹ پر ختم ہو جاتی ہیں۔

صفحہ ۲۶۲ سے ایک چھوٹی سی مذہب لوح کے تحت رباعیاں شروع ہوتی اور صفحہ ۲۸۹ پر انعام کو پہنچتی ہیں صفحہ ۲۹۲ سے قطعات تاریخ کا آغاز ہوتا ہے یہی ایک مذہب چھوٹی سی لوح کے تحت شروع ہوتا ہے صفحہ ۳۱۱ پر ختم ہو جاتا ہے صفحہ ۳۱۶ سے صفحہ ۳۲۰ تک "اشعار رنجہ" درج کئے گئے ہیں، جن کی کل تعداد ۳۲۲ ہے ان اشعار کا عنوان حسب ذیل ہے۔

۱۰ اشعار رنجہ کا گاہی بنا بر تفریح طبیعت گفتہ می شود۔

اس عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مخلص اردو شعر تفریح طبع کی خاطر کہا کرتا تھا، اردو چونکہ ان تفریحی اشعار کی تعداد کل ۳۲ ہے اسی بنا پر یہ بھی یقین ہے کہ اسے اس تفریح کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اندر میں صورت میر تقی میر سے لے کر حکیم قاسم صاحب مجموعہ تفریح کے تذکرہ نگاروں کا اسے شوائے اردو میں شمار کرنا صرف اسی سے تو درست ہے کہ وہ دہلی کے صاحبانِ فن وادب میں شامل تعداد ۳۲ شعر کہنے والے شاعر محمد شاہی کو ساڈھ اردو کی صفت میں کسی طرح جگہ نہیں دی جاسکتی۔

اس دیوان کے مطالعے سے یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ مخلص نے قصیدہ گوئی سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مداحی کو ناپسند کرتا تھا، اس لئے کہ قطعات میں اس نے اپنے خداوند نعمت کی قاصی مدح سرائی کی ہے بلکہ اس کی طبیعت کو قصیدے کے مقابلے میں غزل سے زیادہ لگا تھا اس لئے اس نے بڑی وادش مندی سے کام لیا کہ قصیدے کے ہفتوں کو طے کرنے کا کبھی ارادہ ہی نہ کیا۔

قطعات کے آخر میں (ص ۳۱۴) مخلص نے یہ قطعہ درج کیا ہے :-

پر تو نشانِ چو گشتِ دریں عالمِ سخن خورشیدِ انورِ نظرِ رخسارِ آرزو

ماہود گشت سایہ اسقام یک قلم اصلاح نور رخیست ہر گاہ چارسو
صد جائی خد کشیدہ بر ایات ناپسند نمود چوں قلم حرکت در بیان او
بر یک خطی است جاوید اندیشہ یقین با شمع زہر شاہد معنی ہجرت
اصلاح را چو کز لک تیزی بکف گرفت بسترد مصرعی کو بنیاد و بہ آزد
اس کے بعد آزد کی تعریف میں یہ دو شعر لکھے ہیں۔

شبستان معانی از تور و دشمن سوزد گویم ترا اگر شمع این فن
جہاں را باعث آتیش تو باشی بدین خود سراج الدین تو باشی
ان اشعار سے خان آزد کے اُس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ

”در عقوان شباب اشعار خود را از نظر میرزا بیل مرحوم گذرانیدہ۔ ازاں زماں باہی عاجز

مشہور و مربوط است“

مجموع النفاس میں آزد نے مخلص کے چوتھے انتخاب کئے ہیں ان کے الفاظ کا دیر نظر
دیوان کے الفاظ سے مقابلہ کرنے پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آزد سے اصلاح لینے کے بعد
بھی مخلص اپنے کلام کو پر کھتا رہا ہے اور جہاں کہیں کوئی مناسب تبدیلی سوچی ہے بلا پس
دیش کر ڈالی ہے مثلاً آزد کے یہاں اُس کا ایک شعر اس طرح درج ہوا ہے۔

در پوزہ گر حضرت عشقیم چو مخلص بد دل بنوید براتِ مصلہ ما

زیر نظر دیوان میں مصرع اول کو قلمزد کر کے یہ مصرع ہم پہنچایا ہے

مشہور بد حاجی عشقیم چو مخلص

اسی طرح آزد نے ایک غزل کے یہ دو شعر چنے تھے :

مشہا کردہ شد کہ ہماں بود دختر تاک شب بخائے ما

نصہ کوہ کن بود گویا بوی خون آید از فائے ما

۱۔ مجموع النفاس در خطوط رقم پور، درق ۲۶ باب

طیان میں یہ دوسرا شعر نہیں ہے، مگر ایک شعر کی سادہ جگہ موجود ہے اور کاغذ کو دیکھنے سے
 آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی شعر لکھا ہوا تھا جسے چھیل ڈالا گیا ہے۔ مجھے یہ یگانہ ہے کہ غص
 نے اسی شعر کو ناپسند کے چھیل پھینکا ہے

آرزد نے ایک اور شعر اس طرح نقل کیا ہے :-

برہیل شکوہ خواند اس بیت سالک پیش یار غصص ما، یعنی اس سر حلقہ دیوانہ
 دیوان میں بھی یہ شعر پہلے اسی طرح لکھا گیا تھا۔ بعد میں غصص نے مصرع ثانی کے الفاظ
 "یعنی" کو کاٹ کر اس کے اوپر "دلدادہ" تحریر کر دیا ہے۔

آرزد نے یہ شعر بھی اتنی ہی قرار دیا تھا۔

زندگی تا کی بکام دیگران فائے یاس مہنہا خراب !

مگر غصص نے اس پر خط بکلاں کھینچ دیا ہے۔

حسب ذیل شعر آرزد کا منتخب تھا :-

کم جاں پیش کش، درد دل جو ابروی تو جاگیرد بہ قیمت آشنا شمشیر از آشنا گیرد

"دہم جاں، یاد ابرویش بدل ہر گاہ جاگیرد" دیوان میں غصص نے پہلے مصرعے کو بدل دیا ہے

آرزد نے یہ مطلع بھی چن لیا تھا۔

دل پر است برنگے زیاد خوش چشمن کہ چیدہ اندر آئینہ خزانہ زرگسداں

غصص نے اسے قلمزد کر کے تو دوسرا مطلع ہم پہنچایا اور اس قافیے کو اس طرح نظم کیا

بربر ابروی اس شوخ می مناید حشمن چنانکہ کس بگذارد بلاق زرگسداں

آرزد نے مجمع العنایس میں غصص کے جتنے شعر چنے ہیں دیوان کے زیر نظر نسخے میں ان

کے بالمقابل حاشیوں پر یہ علامت (ہ) ثبت ہے۔ اس سے میں نتیجہ نکالتا ہوں کہ انتخاب اشعار

کے وقت آرزد کے مطالعے میں یہی نسخہ تھا۔ لیکن کچھ نشان زدہ شعر تذکرے میں نہیں ملتے اور

تذکرے میں مذکور متعدد بیت دیوان میں بے نشان نظر آتے ہیں۔ اس سے میں قطعی فیصلہ

لاؤں کہ آرزد پر دیوان میں تو نشان نظر آتا ہے لیکن تذکرے میں انھیں داخل نہیں کیا گیا۔ ان کی تعداد (۳۵) ہے
 اور جن شروں پر دیوان میں نشان نہیں ہے ۴۵ ہم تذکرے میں نقل کئے گئے ہیں ان کا شمار (۷) ہوتا ہے۔

کرنے سے قاصر ہوں، تاہم ظن غالب یہی رکھتا ہوں کہ آندو نے اسی نسخے کو اپنے ہاتھ رکھا تھا
مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات صاف طور پر مترشح ہے کہ مخلص نے اپنا کلام آندو کو لکھا
کہ کسی کتاب سے صاف کرایا، اور بعد ازاں موقع موقع کی، بیشی اور ترمیم کرنا ہوا۔ چنانچہ اسی
شعر میں اپنی "نظر ثانی" کا ذکر بھی کرتا ہے:

لہذا الحمد کہ در عصر منہ کمتر شعرم بگذشت از نظر ثانی مخلص یک یک
ایک بات آخر میں اور کہتا ہوں۔ دیوان کے صفحہ ۸۸ کا پہلا شعر یہ ہے:
می رسد بر لالہ و گل ناز رخسار ترا دادہ اند آب از سبوی بادہ گلزار ترا
مصرع اول کے ادب (غیر قلم زد کئے) کسی نے یہ مصرع لکھا ہے۔
"گشتہ مستی لالہ کار حسن رخسار ترا"

اور دامن جانب کے مافیہ پر بار یک خط میں یہ عبارت درج کی ہے:
"مہاجا، مصرع اول پستریو۔ بدش نکاشہ شد: اس کے بعد ایک علامت دستخط
کی سی ہے اور پھر فقط کی علامت ختم ہے۔"

یہ خط مخلص کا ہے نہ خان آندو کا کیونکہ مخلص کی جو متبر تحریریں میں نے دیکھی ہیں،
اور جن کا اوپر ذکر بھی کر چکا ہوں، وہ اس سے بالکل جدا انداز خط میں ہیں۔ رہے خان آندو
توان کے قلم کی کبھی ہوئی دو کتابیں مستقل ہمارے کتابخانے میں موجود ہیں ان کے ماسوا
"مہاجر عجم" کی ایک جلد محفوظ ہے، جس کے ماضیوں پر ان کے قلم کے تنقیدی نوٹ ثبت
ہیں۔ ایک نسخہ "علی حزیں کے" تذکرۃ الاحوال کا بھی آندو کے اپنے قلم کے لکھے ہوئے
اعترافات پر مشتمل یہاں ہے۔ ان سب کے پیش نظر میں یہ بھی نہایت وثوق کے ساتھ کہہ
سکتا ہوں کہ مذکورہ بالا تحریر کا آندو سے کوئی خطی علاقہ نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آندو نے
حاضرین جلسہ میں سے کسی سے یہ نوٹ لکھوا دیا ہو۔

دیوان کے آخر میں ایک مدق ہے جس پر یہ عبارت درج ہے:

”تاریخ نہم شہر رجب المرجب سنہ ۱۱۵۰ جلوس محمد شاہی روز یک شنبہ طرف صبح بخند

مصنف با تمام رسید۔

بظاہر یہ حیل ہوتا ہے کہ یہ عبارت دیوان کے تمام کی تاریخ بتاتی ہے لیکن خود دیوان مخلص کے قلم کا لکھا ہوا نہیں ہے اس پر میر لکھنوی یہ ہے کہ اس آخری ورق سے پہلے کے کچھ صفحات گم ہو گئے ہیں۔ ان پر کوئی نظم مخلص نے اپنے قلم سے لکھی ہوگی۔ یہ تاریخ اس کی کتابت کو ظاہر کرتی ہے۔ تاہم اس سے یہ اندازہ کر لیا آسان ہے کہ اصل دیوان کی ترتیب سنہ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۵۰ء سے قبل ہی عمل میں آچکی تھی۔

تفہیم پوری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے پیش شدہ ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ بانی بیچاکی عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوشہ پر تابیاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ۔ ساہا سال کی عرق ریز کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ دیگر سالن طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد اول تقطیع ۱۹۲۲ء سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد خاص سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثالث زیر طبع، جلد رابع ص ۱۰۰

مکتبہ برہن ان ادو بازار جامع مسجد ملی ۶

تلخیص و ترجمہ ہندی ادب کی ترقی میں مسلمانوں کا حصہ

اس عنوان سے مہاراجہ جیادکرننڈت لکھی دھرم اے۔ پی۔ ایچ ڈی صدر شعبہ سنسکرت
”ہندی دہلی یونیورسٹی کا ایک فاضلہ مطالعہ وی اسٹیفینین“ میں حالی ہی میں شائع ہوا ہے
تارکین بہان کے لئے ذیل میں اس کا مختص ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ (س)

یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں نے ہندی ادب کی ترقی میں جو حصہ لیا ہے اس
پر بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ جو لوگ اسلامی کچھ کی تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں وہ صرف ہندوستان
میں مسلمانوں کی حکومت کے عروج و زوال کے مطالعہ تک اپنی کوشش کو محدود رکھتے ہیں لیکن
میرے خیال میں مسلمانوں کی حکومت کی وسعت اور اس کی ترقی و عروج کا مطالعہ ہندوستان میں
اسلامی کچھ کی ترقی اور اس کے نشوونما کی صحیح تاریخ پر مشتمل نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا کی دوسری
حکومتوں کی طرح ہندوستان کی مسلم حکومت بھی ان ارباب سیاست کی تخلیق تھی جن کی سیاسی
پالیسی اپنے زمانہ کے سیاسی تخیلات کے زیر اثر ہوتی ہے اسلام کے صحیح تصورات و افکار کے
ساتھ اس کا گھاؤ نسبت کم تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی اچائیاں یا برائیاں ان
کی اپنی تھیں۔ اس لئے ان بادشاہوں کے اعمال و افعال کی روشنی میں اسلامی احکام و
مسائل کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا انصاف سے فرین نہیں ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ گذشتہ
چھ یا سات صدیوں میں اسلام نے ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں جو حصہ لیا ہے اس کا مطالعہ
کریں تو ہم کو اسلام کے روحانی پیشوا جو اس ملک کے عوام کے ساتھ رہنے بیٹھنے تھے اور جنہوں
نے اپنے عقیدہ و عمل کے ذریعہ باشندگان ملک کی بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں ان کی

ہندی زبان کی تصنیفات کا مطالعہ کرنا چاہئے خوشی کی بات ہے کہ صوفیائے اسلام کی یہ گرفتاری تصنیفات زمانہ کے دستبرد سے محفوظ رہ گئی ہیں یہ تصنیفات گنتی میں اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر ہندی زبان کے فضلاء اور ادبلاس تمام مواد کو جمع کر کے مرتب کر س تو اس کے لئے کئی نسلیں درکار ہوں گی افسوس ہے کہ فضل بچی ہوئی ہے لیکن اس کو کاٹنے والے بہت کم ہیں خود میں نے جو فہرست مرتب کی ہے اس میں کم از کم ہندی زبان کے پانچ سو مسلمان مصنفین کے نام مع ان کی کتابوں کے نام اور تاریخ تصنیف وغیرہ کے درج ہیں اور ان میں سے بعض بعض کتابیں تو اسلام کی بہترین تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں یہ تصنیفات اس بات کا ثبوت ہیں کہ صوفیاء اور ہندی کے مسلمان مصنفین نے ان مواقع سے فائدہ اٹھایا جو انھیں ہندوؤں کے ساتھ ملنے جلنے سے حاصل ہوئے اور اس طرح اپنے اور ہندوؤں کے دونوں کے فائدہ کے لئے خود ہندوؤں کی زبان اور ادب کے ذریعہ ان کے ساتھ ایک وفائی تعلق پیدا کر لیا مسلمان حکومت اسباب طبعی کی وجہ سے فنا ہو گئی لیکن اسلام کے صوفیاء اور ہندی کے مسلمان شاعروں کی کوششوں کی بدولت اسلام جو ظاہر ہے کہ اس ملک کی تخلیق نہیں ہے آج بھی اس ملک میں باقی ہے اور ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس سے فائدہ حاصل کر رہے ہیں ہندی زبان کے فروع اسلام کی روح ہندی لوگوں کے اندر تک پہنچی اور جیسا کہ میں بتاؤں گا یہی مقصد تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں نے پہلے ہندی زبان کو ایک شکل و صورت دی اور اس کے بعد ترتیب و تہذیب کر کے اس کا معیار ادا کیا۔

یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے روزمرہ کی ہندی بولی کو ادبی مقام کے لئے استعمال کیا وہ مسلمان ہی تھے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ روزمرہ کی اس بولی کو برہمنوں نے ایک ناشائستہ زبان سمجھ کر بالکل نظر انداز کر رکھا تھا اور وہ اس کو اپنی توجہ کے لائق نہیں سمجھتے تھے تاریخ ہند کے ایک نہایت تازہ دور میں جب کہ ہندوؤں کا قدیم مذہب عوام کے داخلہ پر اپنی گرفت قائم رکھنے میں ناکام ہو گیا تھا اور غیر تنظیم یافتہ طبقات میں یہودہ رسوم و عادات

بڑھ کر مل گئی تھیں مسلمان مصنفین نے ہندی زبان کے ذریعہ ہندوستان کے لوگوں میں از سر نو ہندو شعور و بیداری پیدا کرنے کی غرض سے اسلام کے تعلیمی فلسفے کی تشریح کی اور روحانی و مادی و برہمنیت کے اس زمانہ میں مونیانے اسلام اور دوسرے مسلمان اہل قلم نے اسلام کے اخوت و محبت انسانی اور توحید کے پیغام کو بڑے جوش و خروش کے ساتھ پھیلایا اور یہ سب کچھ انھوں نے ہندی زبان میں ہی کیا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے یکے بعد دیگرے عوام کی زبان یعنی ہندی میں مختصر افسانے اور کہانیاں لکھیں اور ان کے ذریعہ اس عشق و محبت الہی کا پرچار کیا جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے چنانچہ قطبن نے مرگوتی لکھی اور تمھن نے مادھو ماتنی تصنیف کی۔ جانتی نے پدمادتی کا ایک بیش قیمت تحفہ پیش کیا اور عثمان نے حیرادتی اور نور محمد نے اپنے عہد میں اندادتی سے ضیافت کی۔ اس عالمگیر اخوت و محبت اور امن و عافیت کے پیغام کا ہی یہ اثر تھا کہ ہندوستان کی زوال پذیر روح پھر ایسی ہی شگفتہ و تازہ ہو گئی جیسے کہ جمع کے سورج کی کرنوں کے اثر سے کنول کا بھول۔

ہندی زبان کے ان مسلمان مصنفین کو اس سے دلچسپی نہیں تھی کہ وہ ہندوؤں کے عیوب اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے سے ان کا مقصد حاصل نہیں ہوگا اور مذہب کے متعلق غلط تخیل پیدا ہو جائیگا اس کے برخلاف وہ ہندوؤں سے اس درجہ گہل مل گئے کہ ہندوؤں کو محبت اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس طرح ان کو موقع ملا کہ وہ ہندوؤں کے خباوت و احساسات کو بلند اور اسلامی پیغام امن و عافیت سے انھیں روشناس کریں۔ ہندی کے مسلمان مصنفین نے اپنی کتابوں میں ہولی اور بسنت جیسے ہندو تہوار اور راہا اور کرشن ایسی شخصیتوں کی بھی بڑی توصیف کی ہے اور ساتھ ہی انھوں نے عشق الہی کا جو اسلام کا خاص پیغام ہے بڑے جوش و خروش سے پرچار کیا ہے ان دونوں کے امتزاج سے ہندوستان میں ایک نیا کلچر پیدا ہوا اور اس ملک کو ایک نئی زندگی ملی جو مختلف عناصر کے اتحاد و امتزاج کا ایک خوشگوار نتیجہ

ان مسلمان مصنفین ہندی کے متعلق یہ کہنا مبالغہ سے یکسر خالی ہے کہ ان لوگوں نے ہندوستان کو پایا اینٹ کا بنا ہوا لیکن انھوں نے اپنے ہاتھ سے اس کو سنگ مرمر کا بنا دیا برتدوہریش چندر جو جدید ہندی شاعری کا موجد ہے اس نے انھیں مسلمان صوفیہ کے متعلق بجا کہا ہے کہ

इन मुसलमान हरिजन पै कोठिन हिन न बारी पै

یعنی میں ان خدا پرست مسلمانوں کی خاطر کہ دروں ہندو قربان کر دوں۔

اپنے امن و خیر خواہی کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ شائع اور عام کرنے کے لئے ان مسلمان مصنفین نے اس زبان کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا جو عوام کی زبان تھی اور جس کا نام ہندی ہے چنانچہ جانتی کہتا ہے :-

तुम्ही आरबी हिन्दवी भाषा जती आहे

जावे मारग प्रेम का सबै सराहै ताहि

امیر خسرو نے جدید ہندی شاعری کی ایک شکل ایسی ہی مقرر کی جیسے کہ انشا اللہ خاں

نے ہندی شاعری کی نئی ملک محمد جانتی نے دوہے اور چار دہائی کے امتزاج سے ایک خاص شکل پیدا کی اور اس میں اپنی مشہور مفتوی بدماونی لکھ کر تلسی داس کے لئے ہندی راہزن لکھنے کا راستہ پیدا کیا ہندی شاعری کے مرنی اسکول نے تحریک ذہنی کے ذریعہ جو ایک سچی شاعری کی ندرج ہوئی ہے ہندی ادب میں غیر معمولی اضافہ کیا اور ہندی کے مسلمان اہل قلم نے جو عربی اور فارسی کے بھی نامور فاضل ہوتے تھے اچھوتی اور نئی تشبیہات و استعارات اور قدیم ادبیات کے گونا گوں اسالیب بیان کے ذریعہ ہندی شاعری کو مالا مال کیا بعض مسلمان ہندی شاعروں نے تو اس قدر اچھوتی تشبیہات پیدا کی ہیں کہ ان کا جواب نہیں ہو سکتا مثلاً ایک شاعر اپنے محبوب کی آنکھ کی نریت اس طرح کرتا ہے :-

अमी हलाहल मद भरे सेत साम रतनार

खियत मारत भुक भुक परत जेहि चित बिबन एक बार

یا مثلاً ایک مسلمان شاعر ایک نوجوان ہندو عورت کو شوہر کی رشتی کے ساتھ سنی ہونے ہوتے دیکھتا ہے تو فوراً اس کو اس کنوں کے پھول کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے جو آگ میں پڑا ہوا ہو۔

अभिहित कृष्ण कबल

یہ دو مثالیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مسلمان شاعروں نے اپنے اعلیٰ تخیل اور قدرت کلام سے ہندی شاعری میں گنا زور پیدا کر دیا تھا

شاعری کے دوسرے اصناف کی طرح مسلمانوں نے ہندی گیت کو بھی نئی نئی دی اور اس میں بھی انھوں نے طرح طرح کی ایجادیں کیں۔ ان مسلمانوں کی فہرست بہت طویل ہے مختلف سروں کی طرح ٹھہری۔ تقیہ اور داورا مسلمانوں کی ہی ایجاد ہے۔

ہندی کے مسلمان شاعروں کی دو خصوصیات بہت زیادہ نمایاں اور قابل ذکر ہیں ایک اعلیٰ تخیل اور دوسرا حسن بیان و طعنائت جن شاعروں کے کلام میں یہ دونوں اوصاف بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) امیر خسرو (تیرہویں صدی عیسوی) ہندی میں امیر خسرو کو اس شہد کی کمی سے تشبیہ دی جاسکتی ہے جو رنگ برنگ کے پھولوں سے مٹھاس چوستی ہے اور پھر ان سب کی ترکیب سے شہد بنا کر پیش کر دیتی ہے امیر خسرو کی ہندی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی زبان نہایت سلی اور شیریں درواں ہے اور ان کے ہاں الفاظ اور جملوں کی جستا جو ہندی زبان پر ان کی غیر معمولی قدرت کا نتیجہ ہے اس قدر حیرت انگیز اور عجیب و غریب ہے کہ ان کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔

(۲) جاسی (۱۵۵۷ء) ان کی شاعری سوز و گداز سے پُر ہے۔ جاسی پہلا شخص ہے جس نے ہندی کے لئے ادبیات کی صفت میں ایک جگہ پیدا کی اس کی پدماوتی اپنے غیر معمولی بلند تخیل کے باعث ہندی زبان کا ایک طغانی اور بے حد موثر شاہکار ہے۔

(۳) عبدالرحیم خانن (۱۵۵۷ء تا ۱۶۲۷ء) خانن بہت سی زبانوں کے جن سے

رنگ رنگ کے بھول جمع کرنا ہے اور ان سب کا ایک خوشنما پار بنانا اسے ہندی شاعری کے گلے کی زینت بنا دیتا ہے۔ اس کی سست سستی اور اسی طرح کی دوسری فصاحت مابعد کے لئے دہنا کا کام کرتی ہے خاندانوں کا عہد ہندی شاعری کا عہد زریں ہے جب کہ عظیم المرتبت مثل بادشاہوں کے دربار میں اس زبان اور اس کی شاعری کی بڑی محبت اور توجہ کے ساتھ پرورش و تربیت کی گئی۔ (۴) رس خان (از ۱۵۵۷ء تا ۱۶۲۷ء) یہ دہلی کا ایک پٹان تھا ہندی زبان میں اس کی شاعری پر خلوص عباداتی شاعری کی حیثیت سے اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

(۵) شاہ برکت اللہ (از ۱۶۲۷ء تا ۱۶۴۲ء) اس کی پریم پر کاغذ ہندی شاعری کا لافانی شاہکار ہے۔ برکت اللہ کی شاعری میں گیت کے سروں کے ساتھ فلسفیانہ افکار کا ایسا حسین امتزاج ہوتا ہے کہ ان کے پڑھنے سے غیر معمولی سرور بھی حاصل ہوتا ہے اور مبیاحت زبان سے واہ بھی نکلتی ہے ذیل کے شعر میں دیکھیے اس نے ایک نہایت نفوس حقیقت کو کس سحر طرازی کے ساتھ لطیف و شیریں پیرایہ شعر میں بیان کیا ہے۔

تو سسز ہم دیوہ نیت، آج گات کھئے سناوے ।

بیتن دے رہیں نہیں رہ سکتے، دے رہیں رہو نہ جاوے ॥

(۶) شیخ رنگریزن (ستہ) یہ ایک مسلمان قانون بنی جو کھلی اور زندہ دلی کو ہندی

شاعری میں اس طرح جمع کر دیتی ہے۔

کنک کھری سہ کامینی، کھٹ پر کھوں کھن ۱

کھٹ کو کھن کھٹ کھٹ کھن کھن کھن کھن ॥

اس مختصر دنداد سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہندی شاعری پر مسلمانوں کا احسان بہت

بڑا ہے اور ان مسلمان ارباب قلم کے ہندی زبان کے جتنے کارنامے سامنے آئے ہیں گے اسی قدر مستقبل میں ان کی عظمت کا اعتراف اور زیادہ کیا جائے گا۔ (۷)

بَابُ التَّقْرِیظِ وَالِاتِّحَادِ

بَيَانُ اللِّسَانِ

۱۸۶

(مولانا محبوب الرحمن صاحب انجری لکچرر عربی مدرسا علیکلتہ)

بیان اللسان یعنی عربی اردو دیکشنری مولفہ جناب قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی کتابت و طباعت لیتھوٹوم متوسط جھوٹی تقطیع عام دیکشنری سائز۔ ضخامت نو سو صفحات قیمت مجلد گرد پوش آٹھ روپے۔ مکتبہ علم قاضی دارہ میرٹھ (۱) مکتبہ برہان جامع ممبئی تعلیمی مشغلہ کے سلسلہ میں میں نے خود بھی عربی اردو دیکشنری کی ضرورت محسوس کی اور اور بعض احباب نے بھی مجھ سے اکثر عربی، اردو دیکشنری کا مطالبہ کیا اور طالب علم تو ہمیشہ ہی خواہش کرتے کہ ان کو کسی مستند مفید دیکشنری کا نام بتلا دوں جس سے وہ استفادہ کر سکیں، خصوصاً عربی جرائد و مجلات کے مطالعہ کرنے والے اور شائقین ترجمہ قرآن تو انتہائی سرگرداں تھے۔ ان میں سے انگریزی داں تو اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کر لیتے تھے کہ پہلے انگریزی عربی دیکشنری کا مطالعہ کیا اور پھر انگریزی اردو دیکشنری سے اردو لفظ معلوم کر لیا مجھے بھی ایک مرتبہ ترجمہ کے سلسلہ سے یہ کام کرنا پڑا اور اس وقت محسوس ہوا کہ یہ طریقہ بھی باوجود طول عمل کے خاطر خواہ فائدہ مند نہیں ہے۔

بیان اللسان کے ذریعہ سے یہ مفید اور اہم خدمت انجام پاگئی ہے یہ جدید طرز پر لکھی جانے والی سائنس عربی الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ ہے اور طالب علموں کے لئے خاص طور پر بہترین رفیق ہے اس دیکشنری میں لغات قرآنیہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ جدید اصطلاحات

کے نزدیک اگر کوئی دانشور دنیادار کی طرح ایسا کہے تو درست ہو سکتا ہے۔
اس میں اول تو اختلاف ہے یہاں تک کہ مختلف اوزان کو مشی نظر رکھتے ہوئے مفروضات
کیا گیا ہے پھر قرآن کے الفاظ تو دیکھئے کہ اگر کوئی کہے یعنی یہ وزن نہیں سا گیا صرف اگر کوئی کہے
تو ہو سکتا ہے۔

بعض الفاظ کے معنی کچھ عجیب طرح سے مختلف جگہوں میں ذکر کئے گئے ہیں کہ باحث باہم
ان کو آسانی سے نہیں پاسکتا، لفظ ”حدث“ کے معنی ص ۱۸۰ اور ص ۱۹۰ کے تین کالموں میں چار
مختلف جگہوں میں دوسرے مادوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں پھر بھی اس کے اکثر قواعد
معانی بھی جمع نہیں ہو سکے اور اسی لفظ کا ذکر ص ۱۸۰ میں ہے احادیث کہانیاں۔ باتیں و احادیث
جس احادیث کے معنی کہانیاں ہیں اس کا واحد احديث ہے نہ کہ حدیث (المعجم ص ۱۸۰) جب کہ خود مصنف
نے ص ۱۸۰ میں احديث کے معنی بیان کیے ہیں اور اسی صفحہ پر احداث کو بھی ذکر کیا ہے اس کے بعد ہی
ماوه ص ۱۸۰ ص ۱۸۰ میں مذکور ہے اسی طرح اکثر مادے مختلف جگہوں میں مذکور ہیں اس سے
صرف مبتدیوں کو آسانی ہو سکتی ہے جو عربی قواعد سے بالکل ہی نا بلند ہوں۔

جدید الفاظ یا جدید لفظ | اس موضوع پر ہندوستان کے علماء نے مختلف رسائل اور کتابچے تحریر کیے
ہیں اور سب سے زیادہ مفید اور مستند مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تصنیف ”لفحات جدیدہ“
ہے اس میں انھوں نے لفظ کی تحقیق بھی کی ہے کہ کس زبان کا اصل لفظ ہے اور اسے کس تفسیر سے مراد
کیا گیا ہے تب ان الفاظ میں بھی توافقی نے جدید الفاظ یا جدید استعمال کے ذکر کو نمایاں طور
پر علامت (د) سے ذکر کیا ہے اس جگہ دو مختلف موضوع میں جن کے ملانے سے غلط سمجھ ہونے
کا اندیشہ ہے اس لئے دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا ضروری ہے۔

جدید الفاظ کو عربی و کوشنری میں شامل کرنے سے پہلے ایک معیار قائم کرنا ہوگا کہ کس عبارت
یا فرد کے استعمال سے اس لفظ کو عربی کہا جائے گا یا فارسی کہ اس کا معیار عرب ہی ہو سکتے ہیں
اگر کوئی ہندی یا فارسی چند روز یا چند ماہ تک اور مصر میں رہ کر کسی محلی لفظ کو عربی جوں میں استعمال کرے

تو وہ نقطہ عربی نہیں ہو سکتا اسی طرح ردی کے بجائے بچنے والے اخبار و رسائل اگر اس قسم کی حرکت کریں تو اس لفظ کو کبھی بھی عربیت میں قدم رکھنے کا شرف حاصل نہ ہو گا اس موضوع پر واقعات اور اشعار ذکر کئے جائیں تو دفتر کے دفتر تحریر ہو سکتے ہیں ان الفاظ کو تو ذیل ہوئے کامرتبہ بھی دینا چاہئے چہ جائیکہ ان کو جدید الفاظ کا لقب دیا جائے ہاں الفاظ کی وہ فہرست جو ادب و مصرع و شہادہ کو استعمال کرنے میں اگر دشمنی میں شامل کئے جائیں تو اس لفظ کی اصلیت کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے جیسے فارسی کے لئے (د) وغیرہ

جدید استعمال میں بھی ادب کا معیار باقی رکھنا ضروری ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کبر کس و ناکس جس کا عربیت سے ذرا سا بھی تعلق ہے یا ایک مرتبہ وہ مجاز و مصرع کو دیکھ چکا ہے اپنے کو جدید استعمال کا ماہر سمجھتا ہے خاص طور پر مترجمین تو نئی نئی اصطلاحیں روزانہ پیدا کرتے رہتے ہیں اور یہ اصطلاحیں یا تراجم ان الفاظ کے لئے ہیں جن کے لئے عربیت میں پہلے سے الفاظ موجود ہیں۔ (مواعید ص ۷۷) ٹائم ٹیبل (د) مواعید و مبادی کی جمع ہے جس کے معنی خود فاضل مصنف نے ص ۷۷ میں مبادی۔ وعدہ کی جگہ۔ وعدہ کی مدت (وعدہ) بیان کئے ہیں ٹائم ٹیبل کے لئے جدول الاوقات استعمال ہوتا ہے یا پھر رونا جج برامج مستعمل ہے لفظ مواعید تنہا ٹائم ٹیبل کے معنی نہیں ادا کرتا بلکہ مواعید وصول القطارات کا لفظ اپنے لغوی قدیم معنی کے اعتبار سے ٹائم ٹیبل کا مفہوم ادا کرتا ہے۔

میزان الخرد البرد تھرامیٹر ۷۷۷ یہ کسی مترجم صاحب کی جدت ہے ورنہ تھرامیٹر کے لئے مقیاس الحرات صحیح لفظ ہے ہ۔ ع۔ ایم۔ اے۔ (د) ص ۷۷ یہ کسی ایجنٹ ریٹرنڈ کی تحقیق ہے اور اس سے وہ خود کو عربی فہم ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ورنہ ایم۔ اے۔ کو م۔ ۱۰ سے تعبیر کیا جاتا ہے صرف وہ اے۔ ع۔ بن سکتا ہے جو کسی ع سے شروع ہونے والے عربی لفظ کے شروع میں استعمال کیا گیا ہو اور ایم۔ اے۔ کا اے تو ART آٹ کا اے ہے جس کو عربی حروف میں آت یا زاید سے زائد آرٹ کہا جا سکتا ہے اور عا رط کبھی نہیں ہو سکتا ہے پورم ع کیسے ہو گا۔

مواصلہ دوم، ذرائع آمد و رفت منکے یہ لفظ اس معنی میں مفرد استعمال نہیں ہوتا بلکہ مواصلہ
ذرائع آمد و رفت کے لئے صرف جمع ہی کی صورت میں مستعمل ہے اور مینا الجویٰ فضا کی عربی
سے زیادہ ہندی ہے عربی میں المینا الجویٰ ہے اور ہو سکتا ہے یا پھر مینا جوی صفت موصوف
میں تعریف و تنکیر کا قلم ہندیت کی پیداوار ہے عربی فضا اس کے لئے موزوں نہیں۔

یہ اور اسی قسم کے اور بہت سے الفاظ جو دکشتری میں بھی درج ہیں، ہمارے ان احباب
کی مایاد (وضع) ہے جنہوں نے عربی مالک میں زبان کا لغوی اعتبار سے مطالعہ نہیں کیا یا وہاں
کی ادبی اور علمی مجلسوں سے دور رہ کر بازاری زبان کو بھی صحیح طور پر سمجھتے ہوئے ضرورت کے
وقت خود اجتہاد فرمایا ہے اسی طرح جزیرہ عرب کے ساحلی باشندے جو اکثر ہندی فارسی
وغیرہ میں اختلاط کی وجہ سے دوسری زبانوں کے الفاظ اپنی گفتگو میں شامل کرتے رہتے ہیں
میں نے خود بصرہ کے بازاروں میں عرب نایندوں کو ملی جلی عربی اور دیا خالص اور دوپونے
ہونے دیکھا ہے اگر ایسے اشخاص کی زبان اور استعمال جدید لفظ یا جدید استعمال ہو سکتے ہیں
تو پھر آپ کو اردو فارسی کے تمام الفاظ دکشتری میں جمع کرنے ہوں گے بصرہ ہی کے ایک
ہوٹل میں کھائے کا اتفاق ہوا تو اس کو میں نے چادل کے لئے اڑ۔ رز وغیرہ الفاظ استعمال کیے
لیکن وہ سمجھنے سے قاصر رہا یہاں تک کہ غصہ میں میں نے کہا ما نفہم! بھات "اور وہ فوراً چل
لے آیا۔ عدن، حضرموت کے باشندوں کو کوڑا کرکٹ "کچرا" کو کشر "اور کھجڑی کو کشری
کہتے ہوئے پایا۔ کہہ کے اکثر باشندے بلاؤ "کو بریانی" کہتے ہیں بہر حال اس طویل بحث کا خلاصہ
یہ ہے کہ دکشتری میں ایسے الفاظ جمع کرنا مناسب نہیں جو عربی نہ ہوں یا ان کو ادبی اور علمی مجلسوں
میں استعمال نہیں کیا جاتا اور نہ مطالعہ کرنے والے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کہ یہ لفظ عربی
ہے اور اگر استعمال کئے جائیں تو ان کے وطن کی طرف اشارہ ضروری ہو۔

فاضل مصنف نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جہاں صلہ کی وجہ سے معنی بدل جاتے ہیں وہاں
صلہ کے ساتھ معنی لکھے گئے ہیں یہ درست ہے عربیت میں واقعی صلہ سے معنی میں بہت بڑی

تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ موصوف نے بہت سے الفاظ کے معانی جو
صلہ کی وجہ سے مختلف ہوتے ہیں صلہ بغیر صلہ بیان کئے ہوئے جمع کر دیئے ہیں مثال کے لئے
ملاحظہ ہو سنی " ۳۳۳

"بیان اللسان کے مطابق سے خیال ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف ایک نوجوان شخصیت میں
اگر وہ ان کے احباب کا بیان ہے کہ یہ خیال زیادہ صحیح نہیں ہیں تاہم اس غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کو
لئے کتاب میں جنسی اور جذباتی معنی کی فراوانی کافی ہے، قاضی صاحب نے کہیں بھی جذباتی
معنی سے درگزر نہیں کیا اور لفظ کے دوسرے غیر جذباتی معنی نظر انداز کر گئے جبکہ جذباتی معنی
سے مختلف لغویں اور مصنفین چشم پوشی کر جاتے ہیں ممکن ہے قاضی صاحب اپنی مالیف نوجوان
طبقے میں مقبول بنانا چاہتے ہوں ملاحظہ ہو فقرہ ص ۶۲ جس کے معنی المنجد نے یوں بیان کئے ہیں
فقی یقی قضا: اشرقت اسرینۃ الفہ فمالمت نحو القصبۃ والقو ۶۲

ترجمہ کنال مالیف و تحریر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مشکل اور اہم کام ترجمہ کا ہے بعض سطحی نظر
والے یہ سمجھتے ہیں کہ ترجمہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں دوسرے کے تیار شدہ مضمون کو نقل کرنا ہے ترجمہ
کی دقتیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں جن کو اس سے سابقہ پڑا ہو پھر لغت کا ترجمہ کرنا یا معنی بیان کرنا
توصرت معلمین ادب ہی کا کام ہے ایک لفظ کے مساوی معنی دوسری لغت میں شاذ و نادر ہی
ملنے میں اسی لئے مترجمین لغت ایک لفظ کے چند معنی لکھتے ہیں جن کا مجموعہ اس لفظ کا مفہوم ہوتا
ہے عربی زبان میں تو ایک ہی لفظ مختلف ابواب سے مختلف صلوں کے ساتھ آتے معنی میں متصل
ہوتا ہے کہ المنجد " جیسی لغت کی کتابوں میں کئی کئی کالم صرف ہو جاتے ہیں بہر حال فاضل مؤلف
نے اس اہم اور عظیم الشان کام کو جس محنت اور جانفشانی سے انجام دیا ہے اور اس کی ترتیب
ذالیف میں ان کو جو دشواریاں پیش آئی ہوں گی ان کا خیال کرتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ کتاب
سی تعریف تبصرہ کی محتاج نہیں اللہ تعالیٰ ان کو تابد صدقہ جاریہ کا ثواب بخشے گا۔ میری
اس دعا میں اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے والے جو بے شمار ہوں گے محل سے شریک ہو گئے ہیں

ادبیات غزل

(جناب الہم مظفر نگری)

اردو سجادہی کے زیرِ اہتمام ۲۰ اگست کو یومِ آزادی کی تقریب پر جو مشاعرہ ہالی وڈ میں منعقد ہوا تھا الہم صاحب نے یہ غزل اس میں پڑھی تھی۔

بلائے جاں تھا مرانا نہ رسا کہ نہیں	ہوا سے ٹوٹ گیا دل کا آہل کہ نہیں
گرانہ دامن رنگیں سے آنسوؤں کو مے	بہار گل سے ہے شبنم کا واسطہ کہ نہیں
عروجِ زندگی عجب زواں کسار نہ پوچھو	میں خاکِ مے کے دردِ عالم پہ چھا گیا کہ نہیں
قیامت کے پردوں کو آرہے ہو نظر	ہر اک حجابِ نظر سے اٹھا دیا کہ نہیں
حرم میں ادب میں ڈھونڈا کیا جسے برسوں	حرمِ گوشہ دل میں تجھے ملا کہ نہیں
لحد کو آخری منزلِ جہنم کے آیا ہوں	یہاں تو ٹھہرے گی عمرِ گریزِ پاک کہ نہیں
اُٹھنے ہی کو تھا میں پردہٴ محبہٴ دگر	کسی نے چپکے سے دل میں یہ کہہ دیا کہ نہیں
اسے خبر ہے جو ہر راہ میں ہر سجدہ گزار	جبیں نواز ہے ہر انکا نقشِ پاک کہ نہیں
کسی نظر سے بھی ان کی نہ کر کا معلوم	ہوا ہے طے ابھی دل کا معاملہ کہ نہیں
گریز اور رزی مصلحت سے ناممکن	تو ہی بتا کہ میں مانگوں کوئی دعا کہ نہیں

سمجھ رہے تھے تم آساں رہو دعا کو الہم
ہے ذرہ ذرہ یہاں بہت آرمہ کہ نہیں

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت علیؓ
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت سیر - جلد بیچ
اسلام کا اقتصادی نظام - دقت
کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی
کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للہ - جلد چہر
مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للہ - جلد صہ
مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ
لغت قرآن پر پرے مثل کتاب - جلد اول طبع دوم
قیمت للہ - جلد صہ

جلد ثانی - قیمت للہ - جلد صہ

جلد ثالث - قیمت للہ - جلد صہ

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور
مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے پی ایچ ڈی کی
محققانہ کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ

قیمت للہ - جلد صہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا

نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت للہ
جلد ثانی - قیمت للہ - جلد صہ

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی تصوف
اور مباحث تصوف پر جدید اور معتقد کتاب -
قیمت عام - جلد ستر

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات
جانب و مستند وغیرہ - صفحات ۴۰۰ - قطع ۳۲
قیمت عام - جلد لکھ

ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد میں
کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -

قیمت عام - جلد لکھ

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند

قیمت ستر

قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمت
قرون وسطی کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامہ

جلد اول جلد چہر

جلد دوم جلد چہر

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے ہمارے
پیشی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر لیے دل
اذان میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی خدمت
کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل
گہرائیوں میں ساجاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت سیر - جلد چہر

منیر مدوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد علی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپے یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحسین کی کاپی شمولیت سے حرمت بخشیں گے ایسے علم فاضل اصحاب کی خدمت میں اداسے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات کہیں روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحسین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ فاضل ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ برہان کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معاونین جو حضرات اشارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان رسی کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احباب نو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احباب میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلباء کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان وادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسائل لماک غافوں میں ضائع ہو جاتے ہیں جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۵۰۰ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پریم دوبارہ بلا قیمت بھجوا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں کی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ہرگز نہ کہٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے خریداری تبرکات حال بہر حال ضروری ہے (۵) قیمت سالانہ چندہ پہ شخصابی میں روپے ہاتھ آئے (۶) حصول لاگ، فی پریم دس گنتے (۷) منی آرڈر سے دیا کرتے وقت کو بھیجنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پٹری پبلشر نے جید برقی پریس میں کلکتہ دفتر برائے اندوۃ اہنام جامعہ دہلی بنوئے شائع کیا۔

Oct. 50.

ندوة ائین دہلی کا علمی و دینی مآہنامہ

پیشکش کنندہ علامہ محمد اسحاق علی
پتہ: گڑھی روڈ، دہلی

1 OCT 1950

برکات

مترجم
غیاث آبادی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ مصر
سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت مجلد ۱۰ روپے
فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے
اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت چار روپے
غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی
بیان - جدید ایڈیشن قیمت چار روپے
اخلاق و فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق
پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب
کو زیادہ دل نشیں اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت چار روپے
قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات
و واقعات تک - قیمت چار روپے
قصص القرآن جلد دوم حضرت یسٰی سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن -

قیمت چار روپے
قصص القرآن جلد سوم - انبیاء علیہم السلام
کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان
قیمت چار روپے

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید
ایڈیشن جس میں نظرتانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں۔ قیمت چار روپے
سلسلہ تاریخ ملت - مختصر وقت میں تاریخ
اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت
سفید ہے۔ اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی
ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر ہوا اور شگفتہ
نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشیں انداز میں لکھا
گیا گیا ہے۔ قیمت چار روپے
خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عبدلغمان راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان - قیمت چار روپے
خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ
قیمت چار روپے
خلافت ہسانیم (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
قیمت چار روپے
خلافت عباسیہ جلد اول تاریخ ملت کا
انچواں حصہ - قیمت چار روپے
خلافت عباسیہ جلد دوم تاریخ ملت کا
ٹھاسواں حصہ قیمت چار روپے

پیشانیہ جامعہ اسلامیہ
پشاور

بُرْهَان

جلد سبست و پنجم شماره (۴۴)

اکتوبر ۱۹۵۰ء مطابق ذی الحجہ و محرم الحرام ۱۳۶۹ھ

فہرست مضامین

۱۹۴	سمیع احمد	۱- نظرات
۲۰۲	حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی	۲- قدیم حدیث
۲۱۸	جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاہی	۳- دلائل القرآن
۲۳۵	مولانا ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم حیدرآباد	۴- دربار الہی اسلام کی نظر میں
۲۵۰		۵- ادبیات
	جناب آلم مظفر ٹکری	مذہب
	جناب مقبر مجبھانوی	جس کی شان و نیاز خدا و خدایان نہیں
۲۵۲	(ص)	۶- سہ ماہی

نَظَرْتُ

اللہ اکبر! کیا انقلاب سا انقلاب ہے۔ کچھ زیادہ نہیں اب سے تین چار برس پہلے عید
بقرب عید آتی تھی تو ہفتوں پہلے سے گھر گھر میں اس کی خوشیاں شروع ہو جاتی تھیں۔ بڑے چار چوپلے
سے اس کی تیاریاں کی جاتی تھیں۔ بچے اور بچیاں، مرد اور عورت، بوڑھے اور جوان سب مل کر
اپنی اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق عید منانے اور اس کی خوشی رچانے کا اہتمام و انتظام کرتے
تھے۔ لیکن ایک آج کا دن ہے کہ بقرب عید قریب آئی اور مسلمانوں پر سہم چڑھنا شروع ہوا۔ تھے تھے
بچے اور بچیاں تو شاید اب بھی اسی طرح دل سے عید کا استقبال کرتے ہوں کہو کچھ من غنچہ ہائے
فرحانہ کو اس کا کیا احساس کہ انھوں نے جس جہن میں آنکھ کھولی ہے اب اس کی تاب دیا بدل
چکی اور جس ماحول میں قدرت نے انھیں پیدا کیا ہے اب اس کے زمین و آسمان کا وہ پہلو سارنگ
بانی نہیں رہا۔ لیکن بہر حال بوڑھے اور جوان مردوں اور عورتوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ بقرب عید کا چاند
نظر آنے کے بعد سے ہی ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور وہ بارگاہِ ایزدی میں قلبی رجحان
کی پوری نیاز مندلیوں کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں کہ الہی جانِ دہل کی خیر رہے عزت و اہم پر اپنی
نمائندہ اور مقدس نبی و آخرین نبی کے ساتھ تیر جائے۔ کہ ورنہ مسلمانوں نے ہر سال
کہ اذکھ در مرتبہ چاند بیکہ کر دیت ہوں کی مشہور دعا "اللھم اھلہ علینا بلا من والا مان
والسلامۃ والا سلام" بیسیوں بار پڑھی ہوگی مگر انھیں یہ آج ہی معلوم ہوا ہوگا کہ سفیرِ صادق
و مصدق سے جو "امن" "امان" "سلامت" اور "اسلام" ان چار چیزوں کی دعا ہے جسکی
تعمین فرمائی تھی تو ان کی زندگی میں کیا اہمیت اور کتنی ضرورت ہے حکومت کی طرف سے پیش ہونے
کے طور پر جگہ جگہ شہری اور فوجی پولس کے پہرے ہونے میں ہتھیار بندگا رہ پیدل اور سوار
کا گشت کرنی رہتی ہے لیکن حفاظت و انتظام کے اس سارو سلسلے کو دیکھ کر مسلمان کی غصہ و حسرت

عید کے چہرہ پر احساسِ حزن و الم کی ایک اور شکن پڑ جاتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ چہرہ تو
بدی راج کی نشانی میں آج جب کہ میرا وطن آزاد ہے تو کیا میری اس کی عزت و حرمت ہے کیا میری
میں اپنا مذہبی تہوار سنگینوں اور بندو قوں کے پہرہ کے بغیر مناؤں مل کا باقی اندر سے کہتا ہے
کہ ان پہروں کے بعد بھی قوام و سلامتی کے ساتھ اپنا تہوار منائے تو بے غنیمت جان اور خدا کا کھٹکھ
شکر ادا کر۔

اس نفسیاتی الجھن اور بیم و ہراس کا اصل گداز کشمکش کا اصل باعث گلے کی قربانی کا مسئلہ
ہے۔ یہ مسئلہ ہمیشہ سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں کشیدگی اور کشمکش کا سبب بنا رہا ہے اور
اب تک کی تقسیم جن حالات میں ہوئی ہے ان کی وجہ سے اس کی نزاکت اور کمی بڑھ گئی ہے جو کچھ یہ
خاص مذہبی معاملہ ہے اس لئے علماء کا فرض تھا کہ تقسیم کے بعد ہی فوراً اس کے متعلق کوئی منقطع
فیصلہ کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تاکہ گو گلو کے عالم میں رہنے کے باعث جان و مال کا ہوشیار
برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس سے نجات ملنی اور صورت حال کا کوئی خوشگوار حل نکل سکتا لیکن افسوس
کہ علماء نے ایسا نہیں کیا۔ اور اب ایک ایسا مرحلہ آ گیا ہے کہ ملک ان کی خوشی کا یہی عالم رہا تو نہیں کہا
جاسکتا کہ اس کے نتائج کتنے خطرناک اور افسوسناک ہوں گے۔

جہاں تک اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے یہ ظاہر ہے کہ لگاتار کی قربانی نہ فرض ہے
اور نہ واجب بلکہ مباح ہے۔ جس میں اعتدال اور ترک کرنے اور نہ کر سہ دونوں کا اختیار ہوتا ہے پھر اس
میں شبہ نہیں کہ کبھی خارجی اور سیرانی حالات کے باعث کسی امر مباح کا کرنا واجب بھی ہو جاتا ہے اور
کبھی منع بھی اور ان حالات کی تشخیص و تعیین اگر مسلمانوں کی حکومت ہو تو حکومت کا بشورہ علماء
اور صوفیاء کا کام ہے مثلاً اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنا اسلام میں مباح ہے لیکن
حضور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے متعلق معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک کنیز کو عورت کی شادی

کہا ہے تو آپ نے ان کو بلا کر ڈانٹا اور حکم دیا کہ طلاق دو۔ جب اس محال نے کہا کہ کتابیہ عورت کے ساتھ شادی کرنا ناجائز تو نہیں ہے تو شریعت اسلام کے اس سب سے بڑے باطن و حکیم نے فرمایا اگر تم لوگ اسی طرح غیر ملکی عورتوں سے شادی کرنے لگے تو عرب کی ماں دو خیزہ لڑکیوں ملگیا حضرت یوحنا، اسی کے ساتھ ایک دوسرا واقعہ حضرت عمرؓ کی عہد کا سنئے ظاہر ہے کہ غنہ سنت ہو کر اور اسلامی شعار ہے لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ کے مختصر عہد خلافت میں جب اہل ذمہ کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو مردانی اعمال و حکام جو جزیہ کے لالچ سے اس کو پسند نہیں کرتے تھے انہوں نے شکایت کی کہ یہ لوگ دل سے مسلمان نہیں ہو رہے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ یہ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر غنہ نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؓ نے فرمایا یہ ابھی نئے نئے مسلمان ہیں جب اسلام ان کے دلوں میں رچ بس جائے گا تو یہ خود غنہ کر آئیں گے یہ جو واقعات یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ صرف مبارک کا اختیار کسی بھی واجب یا ممنوع نہیں ہوتا بلکہ کسی اسلامی شعار کو بھی کسی خارجی اور دینی مصلحت کی بنا پر ہنگامی اور عارضی طور پر نظر انداز کیا جاسکتا ہے حضرت عمرؓ فاروقیؓ کے عہد خلافت میں خصوصاً اور دوسرے خلفاء کے دور میں عموماً اس قسم کے اجتہادات کی مثالیں کثرت سے ملیں گی لیکن اس موقع پر ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔

اب موجودہ حالات میں گائے کی قربانی کے مسئلہ پر غور کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ اگرچہ اصل مسئلہ کی حیثیت سے گائے کی قربانی مبارک ہے لیکن یہاں حالات اس قسم کے ہیں جن کے پیش نظر اس کو واجب بھی کہا جاسکتا ہے اور باطل نہیں تو کم از کم چند برسوں کے لئے شرعاً اسے ممنوع بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم دونوں قسم کے حالات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو روشن ہو سکے اور وسعت نظر کے ساتھ اس پر غور کیا جاسکے۔

پہلی قسم کے حالات دو اسباب جو قربانی کا ذکر واجب قرار دینے کا مطالبہ کر سکتے ہیں یہ ہیں کہ

بھارت کی حکومت ایک سیکورٹیز بورڈ بنائے گی اس کے آئین و دستور کی رو سے اس ملک کے مسلمان بھی یہاں کے ایسے ہی شہری ہیں جیسے کہ ہندو اور اس بنا پر بھارت کا دستور مسلمانوں کے شہری حقوق جن میں ان کے مذہبی اور تمدنی واجبات و مطالبات بھی شامل ہیں ان کی مکمل حمایت و نگہداشت کا اعلان کرتا ہے اور مسلمانوں نے ملک کے اس دستور کے مطابق ہی اس ملک میں دفاع و غمخیزی کی حیثیت سے رہنے کا عہد کیا ہے پس اگر کوئی مقامی حکومت یا کسی جگہ کے عمال و حکام مسلمانوں کو قربانی کا ڈسے جبراً روکتے ہیں تو اگرچہ یہ قربانی اصلاً مباح تھی اور اس بنا پر مسلمانوں کو خود یہ حق حاصل تھا کہ وہ چاہتے تو اس کو ترک کر دیتے لیکن اب جب کہ ملک کے آئین و دستور کے خلاف اس کو جبراً اس سے رکھا جاتا ہے تو یہ ان کے شہری حقوق میں مداخلت ہے اور آگے چل کر مداخلت فی الدین کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ مداخلت فی الدین کا مقابلہ کریں اور جو چیز ان سے جبراً ترک کرائی جاتی ہے اس کو عمل میں لا کر مستقبل میں اس نوع کی مداخلت کا سبب نہ بنیں یہاں یہ یاد رکھنا بھی ضروری ہے کہ اس مداخلت کی مقاومت مبنی اس پر ہی ہے کہ ملک کا قانون ان کو ملک کا شہری تسلیم کرتا اور ان کو مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دیتا ہے ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو معاملہ اور مسئلہ کی نوعیت بھی مختلف ہوتی مسلمان کسی حالت میں غدار اور فریب دینے کا مجاز نہیں ہے اگر قانون یہ ہوتا کہ اس ملک میں قربانی نہیں ہو سکتی تو پھر مسلمانوں کو حق تھا کہ وہ اگر اس کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اگر وہ اس قانون کے باوجود ملک میں رہنا ہی چاہتے ہیں تو انھیں لاچار جب تک اس ملک میں رہیں گے اس کے قانون کی پابندی کرنی ہوگی اسلام میں دوستی اور دشمنی بالکل کھلی ہوئی ہے اور معاہدہ کا پابند رہنا ہر حال میں ضروری ہے مسلمان اگر دشمن سے جنگ بھی کر رہے ہیں تو پیچھے سے آکر نہیں بلکہ سامنے کھڑے ہو کر اور حق پہنچانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے دست و بازو کی قوت آزماتا ہے پس یہ وجہ نہیں جو قربانی کا دہرا کر کے مطالبہ کرنے میں اور جن کی وجہ سے یہ قربانی اب مباح نہیں بلکہ واجب ہو جاتی ہے۔

اب رہے دوسری قسم کے وجوہ و اسباب جن کے پیش نظر اس قرآن کو شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے وہ یہ ہیں کہ ایک طرف قرآنی گماذ صرف مباح ہے نہ فرعن ہے اور نہ واجب اور عرب میں تو عموماً اور جہاز میں خصوصاً اس کا رواج بھی بہت کم ہے اور دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ گائے ہندوؤں کے ہاں مقدس سمجھی جاتی ہے جن پر اس ملک کی عظیم اکثریت شامل ہے اگرچہ ملک کا دستور اس جانور کی قرآنی پرکوشی روک ٹوک نہیں کرتا لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک ہندو اور مسلمان مخلوق دل کی بصائی کے ساتھ مل جل کر نہیں رہیں گے اس وقت تک محض ملک کے قانون کی وفات کے سہارے مسلمان امن اور عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے عام حالات میں بھی ذبح بقرے پروردگار کی دل آزاری ہوئی اور اب نو ملک کی تقسیم جس منافرت اور عداوت پر ہوئی ہے اس کی وجہ سے دل آزاری انتہائی اشتعل اور غضب کا باعث بن سکتی ہے اور بن رہی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر ایک گائے کے ساتھ کئی کئی مسلمانوں کی قرآنی ہو جاتی ہے اور ان کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑتا ہے قانون اپنی جگہ پر کتنا ہی اچھا اور اس کی قوت نفاذ بھی کتنی ہی مضبوط ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مسلمان ہندوؤں کے ساتھ خوشگوار تعلقات پیدا کئے بغیر امن اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتے ہیں؟ پس اگر مسلمانوں کا ایک امر مباح کو قطعاً ترک کر دینے کا عزم ان کے لئے یہ خوشگوار فضا پیدا کر سکتا یا اس کے پیدا کرنے میں کسی معقول حد تک مدد و معاون ہو سکتا ہے تو بے شبہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ مباح کی ایک جانب ترک کو ایک عظیم ترین منفعت کے خیال سے ترجیح دے کر اس کو اپنے لئے ممنوع کر لیں۔ محض ایک امر مباح پر اصرار کرنا اور انکار کیا اس کی وجہ سے شدید ترین جانی و مالی نقصانات پہنچنے ہوں یا ان کے پہنچنے کا امکان غالب ہو اسلامی تعلیمات کی رو سے نہ صرف غیر مستحسن بلکہ ایک قسم کی خودکشی ہے جو اسلام میں قطعاً حرام ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے بعض دوستوں نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذبح بقرہ کو حلال اسلامی میں شمار کیا ہے ہیں اس سے انکار نہیں کہ حضرت مجدد نے ایسا لکھا ہے لیکن

حضرت مجدد کے زمانہ میں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔ اور چونکہ گہرے ہندو مذہب کے زیر اثر آ جانے کے باعث گاؤ کشی کو بالکل ممنوع قرار دے دیا تھا اس بنا پر حضرت مجدد نے دگر بہ کشتن ہندو اہل کے مطابق اس کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ بادشاہ نے جس رنگ میں ڈوب کر یہ اعلان کیا ہے اگر اس کو ختم نہیں کر لیا گیا تو لازمی طور پر اس کا اثر یہ ہوگا کہ پھر اسلام کے شعائر حقیقی کی بھی خیرہ ہوگی اور مسلمان اقتدار اعلیٰ کے مالک تھے اس لیے حضرت مجدد کو اس کا بھی اندیشہ نہیں تھا کہ گاؤ کشی کی تجدید سے کسی مسلمان کی جان و مال یا اس کی عزت و آبرو پر کوئی حرف آئے گا۔ آج کے حالات اس زمانہ کے حالات کا بالکل عکس ہیں اس بنا پر آج کو کل پر قیاس کر کے کسی مسئلہ کا فیصلہ کرنا عالمانہ و سعیت نظر کے یکسر مستافی ہے علاوہ بریں جو حضرت اس سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا نام لیتے ہیں انھیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہندوستان میں مذہب سلطنت کے بانی بادشاہ بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کے نام جو وصیت نامہ لکھا ہے اس وصیت نامہ کی نقل بمبئی کی اسٹیٹ ہائبریری میں محفوظ ہے اس میں جہاں ادبانی لکھی ہیں یہ بھی تحریر ہے کہ ”تہیں گاؤ کشی سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اس کے جذبہ تم کو لوگوں کے دل میں مقبولیت حاصل ہو اور اس طرح وہ تمہارے احسان مند لشکر گذر ہو کہ قہلاری اطاعت کریں“ یہ فراموش نہ کرنا چاہئے کہ یہ صرف ایک بہادر جرنیل اور سیاسی مدبر ہی نہیں تھا بلکہ بڑا خدا پرست اور شاعر اسلام کا احترام و ادب کرنے والا بھی تھا۔ اور ہر سب سے بڑھ کر یہ کہ خود عالم تھا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس نے حنفی فقہ پر ایک کتاب مرتب کی تھی جس کی شرح اس عہد کے مشہور عالم شیخ زینی نے لکھی تھی جنہوں نے ترک بابر کی کاترکی سے فارسی میں ترجمہ بھی کیا تھا علاوہ بریں بابر جو کہ ملاد فضل کا بڑا دوست تھا اس نے ان حضرات کا اس کی مجلسوں میں جھگڑا لگا رہتا تھا اس بنا پر یہ ظاہر ہے کہ اگر بابر کو اسلام ہو تا کہ گاؤ کشی ہندوستان میں اسلامی شعائر کی حیثیت اختیار کر گئی ہے تو نامکن تھا کہ وہ بایں کو اس کے ہند کر دینے کی ہدایت کرتا۔ اب ایک طرف بابر کی وصیت اور دوسری جانب حضرت مجدد کا ارادہ و عقل کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو گا کہ گاؤ کشی بذات خود اسلام میں

مقصود نہیں ہے اور ہندوستان ایسے ملک میں اس کا اجلاس پر موقوف ہے کہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے یا نقصان؟ بابر کی حکومت نئی نئی قائم ہوئی تھی اور وہ بھی وادی ہندوستان طے کرنے کے بعد اس کو اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لئے ہندوؤں کا اعتمد حاصل کرنا تھا اس بنا پر اس نے گادگشی کو ہند کرنے کی وصیت کی لیکن اس کے برخلاف اکبری حکومت پر ہندو رنگ غالب آ جانے کے باعث بادشاہ کا گادگشی کو ممنوع قرار دے دینا مسلمانوں کی ملی عظمت کو زک پہنچانا تھا اس لئے حضرت محمدؐ نے اس کو شعائر ملی قرار دے دیا۔

اس سلسلہ میں ہمارے بعض علماء کبھی کبھی دینی زبان سے کہتے ہیں کہ جس علاقہ میں حالات سازگار نہ ہوں وہاں کے مسلمانوں کو فراموش کرنا چاہئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ سرتا سر غلط ہے مسلمانوں کے لئے شدید مصرب ہے کیونکہ اس کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو ان کی دلجوئی منظور نہیں ہے چنانچہ جس علاقہ میں وہ طاقتور ہیں وہاں حکم کھلا فرمایا گاؤں کرتے ہی ہیں کسی علاقہ میں اگر انھوں نے نہیں کی تو محض ڈر کے مارے نہیں کی مذکر ہندوؤں کے پاس خاطر سے اور دوسری جانب اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مذکور علاقہ کے مسلمان اپنی بے بسی اور بے کسی کا احساس کر کے احساس کسری میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان کے قومی تشو و غم کے لئے زیر لامل سے کم نہیں اس بنا پر ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو کسی خاص صوبہ، ضلع یا شہر کی بنیاد پر نہیں بلکہ تجارت کے سب مسلمانوں کے اجتماعی مسئلہ کی حیثیت سے طے کیا جائے اور سب کے لئے ایک ہی حکم کا اعلان کیا جائے۔

سطور بالا میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مقصد صرف مسئلہ کی تیق اور اس کے ہر پہلو کو روشن کرنا ہے اور میں ہمارا منصب نہ اتنا کا ہے اور نہ یہ مسئلہ دو یا تین علماء کی دانتے سے طے ہو سکتا ہے ضرورت ہے کہ جمیع علماء اس کی طرف اقدام کرے اور غور و فکر کے بعد جو کچھ حق نظر

نظر آئے اس کو بلا خوف و متلاطم مسلمانوں کے سامنے ایک شرعی حکم کی حیثیت سے پیش کر دے۔ اب وقت اتنا نازک آگیا ہے کہ مزید تردد و متنبہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس بے یقینی اور گڑگو کے باعث سب سے زیادہ خسارہ ان غریب مسلمانوں کو اٹھانا پڑ رہا ہے جو زیادہ قیمت ادا کر کے بکرے وغیرہ کی قربانی نہیں کر سکتے اور چونکہ قربانی ان کے نزدیک اسلام کا ایک اہم رکن ہے اس لئے غریب مجبوراً چھپے چوری گائے کرتے ہیں اور اگر وہ اس کی قربانی مجبوراً نہیں کر سکتے تو ان کا ضمیر انھیں سلامت کرتا ہے کہ ان پر قربانی واجب تھی مگر نہیں کی۔

علمائے کرام کا فرض ہے کہ شرعی احکام و مسائل پر غور کرتے وقت جماعتی نفسیت کے عوامل و محرکات کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا کریں کہ دراصل قوموں کا بننا اور بگڑنا انھیں حواہی کی رعایت و عدم رعایت پر بڑی حد تک مبنی ہوتا ہے اور اسلام خود ان کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے چنانچہ طواف میں گاندھوں کو ہلا کر چلنے کا حکم اسی طرح کی ایک ضرورت کے پیش نظر دیا گیا تھا۔ حالانکہ ظاہر ہے اگر کے چلنا اور وہ بھی خدا کے گھر کی دیوار کے سایہ میں قرآن کے حکم و کلام پیش فی الامم من مرحاً" ترجمہ:۔ اور زمین میں اگر ذکر نہ چلو کی صریح خوفِ خدا ہے

جلد اول

خلافت عباسیہ

تاریخ ملت کا پانچواں حصہ جس میں نو عباسی خلفاء، سفاح، منصور، ہدی، ہادی، اردن، امین، ہامون، معتمد اور واثق باللہ کے سوانح حیات ایک خاص اسلوب سے جمع کئے گئے ہیں خلافت عباسیہ کا یہی حقد حقیقت میں دور عروج تھا اور اس دور میں عباسی خاندان کی قوت و اقتدار کا عرب تمام ہمسایہ ممالک پر چھایا ہوا تھا کتب کے اس حصہ میں آپ کو نہ صرف ان عظیم الشان خلافتوں کے جامع و مستند حالات و واقعات ملیں گے بلکہ ہر خلیفہ کے عہد حکومت اور اس کے علمی، مذہبی، تمدنی اور اصلاحی کاموں پر دید و بصیرت بھی ملے گا جس سے مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے مرکز بغداد کی عظمت کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے صفحہ ۴۴ قیمت غیر جلد تخت دوپے بارہ آنے جلد دوم

تدوین حدیث

محاضرہ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ جدید آباد دکن)

(۹)

آپس میں لڑائیاں اور جوتے صرف اس لئے چل رہے تھے کہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی تم نے کیوں نہیں اٹھایا یا امام دلا الصالین پر جب پہنچا تو اس پر نہیں کہ تم نے آمین کیوں نہ کہی کیونکہ آمین تو سب ہی کہتے ہیں، جھگڑا اس پر تھا کہ صرف خدا ہی کو تم نے آمین کا یہ لفظ کیوں سنایا، خدا کے بندے جو تمہارے دائیں بائیں کھڑے تھے ان کو بھی اس لفظ کے سننے کا موقع کیوں نہیں دیا مسلمانوں ہی کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو مسلمانوں ہی کی مسجدوں سے نکال رہا تھا اس لئے نکال رہا تھا کہ امام نماز میں قرآن کے جس حصہ کو پڑھتا ہے تم نے اسے سنا کیوں؟ بجائے سننے کے تم بھی اسی کے دہرانے میں کیوں مشغول ہو گئے جسے امام اپنی طرف سے اور تمہاری طرف سے پڑھ رہا تھا اور بات اسی حد تک ختم ہو جاتی تو سمجھا لیتا تھا کہ خیر ایک حد پر پہنچ کر وہ ختم ہو گئی لیکن قصہ تو یہاں تک دراز ہوا کہ مسلمانوں کی دنیا جن لوگوں نے جبراً ان سے جھپٹی تھی ان ہی کے سامنے بخوشی و رضا یہ اپنے دین کو لے کر بھی پہنچے جن کی عدالتوں میں سپیٹ کے جھگڑوں کے لے جانے پر تو سمجھا جاتا تھا کہ مسلمان مجبور ہیں ان ہی عدالتوں کے حکام کے پاس وہ اللہ کی کتاب اور جن کتابوں میں ان کے رسول کی حدیثیں تھیں ان سب کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے۔ یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ آپ ہی بتائیے کہ ہم دونوں فرقوں میں ان کتابوں کے دوسرے واقعی

مسلمان کون ہے، اور مسلمانوں کی مسجدوں کے استعمال کا قانونی حق کسے حاصل ہے؟ عیش کی آگ اور غصہ کے شعلوں میں ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کا سارا سرمایہ جل کر بھس چکا۔ تھان فیصلوں پر خوشی کے شادیا نے بجائے جاتے تھے جو اللہ اور رسول کے جھگڑنے والوں کی طرف سے کوئی فرق حاصل کرنا تھا اور ان ہی فیصلوں کی آڑ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے والی امت کی ایک جماعت ان عبادت گاہوں سے دوپٹی جا رہی تھی جو نہ عیسائیوں کے گرجے تھے۔ اور نہ یہودیوں کی سنی گاگ، بلکہ یہ کیسا دلخراش منظر تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں سے مسلمانوں ہی کو نکالا جا رہا تھا اس لئے نکالا جا رہا تھا کہ جو مسلمان نہیں تھے ان ہی حکام سے ان کے نکالنے کا فیصلہ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کے لئے حاصل کیا تھا۔

سوال یہی ہے کہ زیادہ دن نہیں آج سے تیس چالیس سال پہلے غیروں کی گالیوں وہ اپنوں کی گالیوں کے درمیان رسوائیوں اور برسر بازار فضیحتوں کے مذکورہ بالا فیسے جن کی آگ نصف صدی کے قریب قریب ہندوستان کے مختلف گوشوں کے تقریباً ہر اس گھر میں بھکی ہوئی تھی جس میں قرآن کی پڑھنے والی اور رسول کو مانتے والی امت آباد تھی یہی میں پوچھتا ہوں کہ ارادی مخالفوں کی اس آگ کے سلگانے میں کام لینے والوں نے کس چیز سے کام لیا تھا؟ ان اختلافات کے سوا آپ ہی بتائیے اور یہی کوئی چیز تھی جن کا ان حدیثوں کے علم و عدم کی وجہ سے پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی جو پیغمبر کی ہی طرف سے عمومی رنگ میں اس نے نہیں پھیلائی گئی تھیں کہ ان کے مطالبہ اور گرفت میں نرمی اسی تدبیر سے پیدا ہو سکتی تھی اور اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ”فلا تخذوا عن رسول اللہ شیئاً“ در رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو، اس کا مطلب یہی مذکورہ بالا تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ ارادی مخالفوں کو پیدا کرنے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے وہ منع فرما رہے ہیں ورنہ جیسا اگلے ذکر و احادیث سے عیاں تھا کہ کی تجویز اگر ہم اس کو قرار دیں گے تو خود ان کے طرز عمل صحابہ کے طرز عمل بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے طرز عمل کے خلاف العیاذ باللہ یہ تجویز ہوگی بلکہ آگے انھوں نے جو یہ فرمایا کجیج
 تم سے کوئی بات پوچھے کہ تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے اس
 سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس تجویز کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو ارادی مخالفتوں کی
 آگ بھڑکانے کے لئے حدیثوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے اور بھیلانے میں انھوں نے
 اسی لئے قاعدہ ہی بنادیا کہ جب کسی اختلافی اعراض کے لئے حدیثوں کے متعلق کوئی پوچھ
 گچھ کج و کاؤ شروع کرے تو اعلان کر دینا چاہئے کہ مسلمانوں کو اتفاقی نقطہ پر سٹے رہنے کے
 لئے دی باتیں کافی ہیں جنہیں ”البیات“ کی شکل میں قرآن نے محفوظ کر دیا ہے، حاصل یہی
 ہوا کہ قرآن کے ”البیات“ پر متحد ہو جانے کے بعد ضرورت نہیں ہے کہ غیر مبانی مسائل میں
 بھی ایک ہی نقطہ پر مسلمانوں کو جمع کرنے کی فضول کوشش کی جائے کہ اس کوشش سے
 بجائے ختم ہونے کے اختلاف بڑھے گا۔ بڑھتا ہی چلا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا
 کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں تم سے زیادہ اختلاف میں سخت ہو جائیں گی بہر حال دین کے
 غیر مبانی حصے کے متعلق صحیح مسلک یہی ہے اور اسی کو ہونا چاہئے کہ باہم مسلمان اس سلسلہ
 میں ایک دوسرے کے اختلاف کے برداشت کرنے کی صلاحیت اور گنجائش اپنے اندر پیدا
 کریں قرآن کے قرآنی اختلاف کو ذریعہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اسی
 گنجائش کے پیدا کرنے کی مشق صحابہ سے کرائی اور ابو بکر صدیقؓ نے اپنی مذکورہ بالا تجویز کو پیش
 کرتے ہوئے میرا خیال یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مبارک منشا کی تعمیل پر
 ان مسلمانوں کو آمادہ کرنا چاہا تھا جو ان کے زمانہ میں موجود تھے اپنے عہد کے لوگوں کو بھی انھوں
 نے اسی حکم کی تعمیل کی طرف توجہ دی اور خبر احاد والی روایتوں کی بنیاد پر اختلاف پیدا ہونے
 کی صورت میں فساد اور فتنے سے بچنے کی ایک دوامی تدبیر بتادی کہ جب وہ پیدا ہو جائیں
 کے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس زہر کے ازالہ کی یہی صورت ہے کہ قرآن کے ”بیانات“
 پر سمٹ جائے اور جمع ہونے کی دعوت مسلمانوں کو دی جائے یوں کے غیر مبانی مسائل کے

تاگزیر قدرتی اختلافات، ارادی و اختیاری جنگ و جدال کی شکل اختیار نہ کرنے پائیں، اس خطرے کے انسداد کی واحد تدبیر یہی ہے ورنہ ”البنات“ سے ہٹ کر ”غیر بنیاتی مسائل“ میں بھی ایک ہی مسلک کا پابند مسلمانوں کو بنانے کا ارادہ جب کبھی کیا جائے گا اور حقیقت یہ اجتماع و اتفاق کی دعوت نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹنے کی طرف خطرات اقلیم ہوگا، پس سیدھا۔ صاف، روشن راستہ ”لیلہا و نھاسا سواۃ“ کا یہی ہے کہ بنیاتی مسائل میں جو ایک میں وہ بہر حال ایک ہی خواہ ”غیر بنیاتی مسائل“ میں وہ جس حد تک مختلف ہوں اس اختلاف سے ان کا اتحاد قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اختلاف کے ساتھ اتحاد، اور اتحاد کے ساتھ اختلاف کی یہی حکیمانہ درمیانی راہ تھی، جس کی عملی مشق کا موقع مسلمانوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ملا، اور ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں قریب تھا کہ راہ سے مسلمان ہٹ جائیں لیکن پُر ہونے سے پہلے فتنے کے اس سرخسہ پر ہمیشہ کے لئے آپ نے نیک ایسی ڈاٹ لگا دی کہ وقت پر اگر اس کی خیر نہ لی جاتی تو بقول سعدی ہاتھیوں سے بھی اس سیلاب کا روکنا ناممکن تھا صدیق اکبرؓ نے اپنے زمانے میں بھی لوگوں کو اسی مسلک پر قائم رکھنے کی کوشش کی، اور آئندہ رہتی دنیا تک کے لئے آپ نے اختلاف کے ساتھ اتحاد کو بانی رکھنے کا یہ کارگر بے خطائے مسلمانوں کے۔۔۔ حوالہ فرمایا کہ اتحاد کا معیار ہمیشہ دین کے بنیاتی حصہ کو رکھا جائے جس کی تعبیر حضرت ولانے ”کتاب اللہ“ کے لفظ سے فرمائی،

اور جیسا کہ شروع میں میں نے عرض کیا تھا کہ اپنی تیرہ سارے تیرہ سوسلی کی طویل تاریخ میں مسلمانوں کی وسیع و عریض امت جو کردہ ہا کرور کی تعداد میں دنیا کے اکثر حصوں میں پھیلی ہوئی ہے، دین کے غیر بنیاتی حصہ میں اختلافات رکھتے ہوئے بھی ان کی کثرت عظیمہ اہل سنت والجماعت کی ایک ہی جماعت کی شکل میں جو پائی جا رہی ہے تو یہ اسی حکیمانہ تدبیر کا نتیجہ ہے۔ اور جب کبھی غیر دینی یا اندرونی یا بیرونی عوامل کے دباؤ سے مسلمانوں کے نہ ہنگامان سعدی کے مشہور مکتبی شریعہ سرخسہ باید گرفتار نہ ہوں، چار پڑشدہ شاہد گرفتار نہ ہوں، کی کوئی نہ

اس بارہ سے مخوف کیا ہے نو دہی صدیقی دعوت جس کا حاصل یہی ہے کہ
 ”ہمارے اور تمہارے درمیان (اشتراک کا نقطہ) اللہ کی کتاب ہے اور ہم سب اس کی
 حلال کی ہوئی باتوں کے حلال ہوئے پر اور حرام کی ہوئی باتوں کے حرام ہوئے پر جمع ہو جائیں
 ہمیشہ کام آتی ہے، اور مسلمانوں کی دینی وحدت کی محافظ بن گئی پچھلے دنوں ہندوستان کے
 مسلمانوں میں بھی غیر مبنیاتی مسائل کے اختلافات شروع ہوئے اور بعض لوگوں میں اس
 کا جوش پیدا ہوا کہ اختلافی حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج میں جن پہلوؤں کو اپنا مطلوب
 کی بنیاد وہ بنیاد بہتر اور اولیٰ سمجھتے تھے ان ہی پہلوؤں کا پابند ہندوستان کے ہر مسلمان کو
 بنادیں لیکن پوری صدی بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور جہاں تک
 میں سمجھتا ہوں کہ ”البنیات“ پر متحد ہو جانے کے بعد غیر مبنیاتی مسائل کے اختلافات کے بروا
 کر سکی گنجائش اب ان میں بھی پیدا ہو چکی ہے اب وہ بھی کسی ایسے امام کے پیچھے ناز و
 میں کوئی مضائقہ نہیں محسوس کرتے جو آئین زور سے نہیں کہتا یا رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے
 ہوئے ہاتھ نہیں اٹھاتا حقیقت ان پر واضح ہو چکی ہے بطور نام ہندو کے اپنے مسلک کو ایک
 خاص نام سے موسوم کر کے جی رہے ہیں شاید یہ نام بھی زیادہ دن تک باقی نہ رہے گا۔

۱۔ کچھ چند دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ نام پر بھی اتفاق ان میں باقی نہیں رہا ہے، بعض اپنے آپ کو بکابر
 اہل حدیث، یا عاملی بالحدیث یا محمدی وغیرہ الفاظ کے کبھی ”شافعی“ کبھی ”حنبل“ وغیرہ بھی کہنے لگے ہیں
 ”حنبل“ ہو جانے کے بعد ہی وہی بات سامنے آجائے گی جو پہلے سے چلی آرہی تھی، میں عرض کر چکا ہوں کہ
 فقط ”حنبل“ کے ساتھ حنفی یا شافعی وغیرہ الفاظ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے
 کہ سارے حنفی و شافعی وغیرہ مسلمانوں میں جس کی شخصیت قدسیہ ”غوثیت کبریٰ“ کے مقام سے سرخرو
 سمجھی جاتی ہے اور مانا جاتا ہے کہ جن کا قدم مبارک ”علی سر قبة کل ولی“ ہے یعنی سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ ”حنبل“ ہیں۔ اس موقع پر ایک لطیفہ کا بار بار خیال آ رہا ہے، میں نے براہ راست بات
 زود الصغار حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت سنی ہے کہ حضرت کے سپرد مرشد مولانا
 شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی نقودہ اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں فردا اہل حدیث کے ایک ممتاز و نمایاں عالم
 (بقیہ حاشیہ پر صفحہ ۲۰۷)

اس میں شک نہیں کہ ایک مختصر سی بات کے لئے غیر معمولی طور پر مجھے طویل کلاسی سے کام لینا پڑا لیکن سچ پوچھتے تو دیکھنے کی حد تک ابو بکر صدیقؓ کے مذکورہ بالا الفاظ مختصر نظر آتے ہیں لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ”تندین حدیث“ کی تاریخ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خدمت ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے عہد صدیقی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق صرف دو مسئلے اہمیت رکھتے تھے یعنی ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ یہ تو پہلی خدمت تھی جس کی نگرانی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل تھی اسی کے ساتھ دوسری اہم خدمت جیسا کہ تفصیل بیان کر چکا ہوں یہ تھی کہ ان حدیثوں کی اشاعت میں چاہا جاتا تھا کہ عمومیت کا ایسا رنگ نہ پیدا ہو جسے اپنے جس کے بعد نرمی اور مسامحت کی وہ کیفیت ان میں باقی نہیں رہ سکتی تھی جسے آنحضرت

بقیہ حاضیہ صفحہ گذشتہ جن کا حضرت نے نام بھی لیا تھا، غالباً مولانا ابراہیم اردی مرحوم، وہی حاضر ہوئے مولانا ابراہیم سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت گنج مراد آبادی نے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ حال بالحدیث میں چلے جی ہاں الحمد للہ، مولانا نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کون سی دعا پڑھتے تھے مولوی صاحب نے کہا کہ اس وقت یاد نہیں ہے پوچھا کہ گھر سے نکلنے کے وقت کیا پڑھتے تھے بولے وہ بھی یاد نہیں ہے الغرض یوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات اور مقامات میں جو دعائیں پڑھا کرتے تھے جیسے کثرتِ مولویوں کو عموماً یاد نہیں ہوتی مولوی ابراہیم بھارے کو بھی یاد نہیں تھا مولانا نے مولوی ابراہیم کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا کہوں مولانا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کمال بالحدیث کے لئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام مل بالحدیث ہے کہتے ہیں کہ مولوی ابراہیم حمید سے گئے مولانا محمد علی مرحوم یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ مدیہ منورہ کی حاضری کے زمانہ میں مولوی ابراہیم نے ایک خواب دیکھا اور اسی خواب کے جذبہ جنتی مسلک پر واپس ہو گئے تھے شاید اس مضمون کا ایک مکتوب بھی مولوی ابراہیم لکھا ہے حضرت مولانا محمد علی کے پاس موجود تھا ۱۳

صلی اللہ علیہ وسلم ان حدیثوں کے مطالبہ گرفت میں بہر حال باقی رکھنا چاہتے تھے ہر شخص تک ان حدیثوں کو نہ پہنچانا، مکتوبہ مجوس سے جو آپ کے زمانے میں لکھے جا چکے تھے ان کا ضائع کر دینا عمومی طور پر آئندہ ان حدیثوں کے لکھنے سے لوگوں کو منع کر دینا۔ ابو بکر صدیقؓ کا اپنے ہاتھ سے جمع کی ہوئی حدیثوں کو تندر آتش کر دینا اور اس کے سوا اس سلسلہ میں جن دوسرے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، بنا چکا ہوں کہ فرض و غایت سب کی یہی تھی اور عہدِ صدیقی سے ان ہی حدیثوں کے متعلق مسلمانوں کے ذمہ دوسری خدمت سپرد ہوئی کہ مسلمانوں کو لڑائے بھڑکانے، ان کی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنے کا ذریعہ ان حدیثوں کو نہ بنایا جائے، بالفاظ دیگر گویا سمجھنا چاہئے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں کو اس کا ذریعہ دار بنایا کہ خبرِ احادیث کی حدیثوں میں انفرادی معلومات کے لحاظ سے قدر تا جو اختلافات رہ گئے ہیں ان کو ارادی و اختیاری فیما بین متعلق کی ہلک بھر مٹانے کا بندھن اگر کوئی بنانا چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے اس غلط استعمال سے اس کو روکا جائے۔ اس میں شک نہیں عملی طور پر تدوینِ حدیث کی تاریخ میں حضرت ابو بکرؓ کی اس خدمت کا اور اس کی قدر و قیمت کا لوگوں نے بہت کم ذکر کیا ہے بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ابو بکر صدیقؓ کی طرف مذکورہ بالا روایت جو منسوب کی گئی ہے صحاح کی حد تک تو تاریخِ حدیث کے پڑھنے والوں کے سامنے دوسری روایتوں کے ساتھ روایت بھی گندنی ہی ہوگی لیکن اس کا واقعی کیا مطلب ہے، ٹھہر کر سوچنے کی ضرورت شاید ہی کسی محسوس کی ہو لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عملاً ابو بکر صدیقؓ کی عاید کی ہوئی اس ذمہ داری کو صحابہ نے قبول کیا اور بعد کو بھی تقریباً ہر زمانہ میں مسلمانوں کو اس باب میں ہم صحابہ کرام کی اس روش کا پابند پاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کے جو مختلف معلومات ان حدیثوں کے متعلق تھے، اور ان میں ہر ایک اسی پر عامل تھا جو وہ جانتا تھا، لیکن علمی اختلاف کے باوجود آج تک کوئی ایسا واقعہ منقول نہیں ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے کسی صحابی نے دوسرے صحابی کے پیچھے تازہ پڑھنے سے انکار کیا ہو یا ان اختلافات کی بنیاد پر اپنے دین کو کسی صحابی نے دوسرے کے

دین سے الگ قرار دیا ہوا، بلکہ جہاں تک میں جانتا ہوں شاید ہی کسی صحابی نے اپنی دینی زندگی کو دوسرے صحابی کی دینی زندگی سے افضل و برتر خیال کیا ہو کم از کم کوئی روایت مجھ تک تو ایسی نہیں پہنچی ہے صحابہ کا یہی طرز عمل تو تھا، جسے ان کے فیض یافتوں یعنی تابعین نے دیکھا تھا۔ کچھ دیر پہلے حضرت قاسم بن محمد کا یہ فتویٰ جو میں نے نقل کیا تھا کہ پوچھنے والے نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق جب حضرت سے سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا:

”اگر اڑھو گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں اس کا نمونہ موجود ہے،

اور نہ پڑھو گے تو اس کا نمونہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں تم کو ملے گا۔

اپنی حکمرانی کے زمانہ میں سلف صالح کے جن بزرگوں اور ان بزرگوں کے علم و تحقیق پر عبور کر کے دین کے غیر مبنیاتی شعبہ میں جن پہلوؤں کو ہندوستان کے مسلمانوں نے افضل و اولیٰ قرار دے کر غیروں کے سامنے اس کفرستان میں اپنی مذہبی نظام کی وحدت و یکپارگی کے لئے سو سالوں کو سیکڑوں سال تک محفوظ اور قائم رکھا تھا مگر زوال حکومت کے ساتھ ہی یہ معلوم کن اسباب و موثرات کے تحت اچانک بعضوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا علم اور ان کی تحقیق سلف کے ان بزرگوں کے علم و تحقیق سے زیادہ بہتر اور صحیح ہے جن پر مسلمانان ہند نسلاً بعد نسل عبور کرتے چلے آئے تھے اس خیال کے زہر پڑھام مسلمانوں سے پھٹ کر اگر اچھٹم اور اپنی تحقیق کے وہ صرف پیرو بن جاتے تو شاید شکایت کرنے والوں کو ان سے کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن وہ تو آگے بڑھے اور عہد صحابہ و تابعین کے تربیت یافتہ داعیوں، اسی عہد کے تقویٰ و طہارت سے منور قلوب کے فیصلوں سے بدکا بدکا اور بھڑکا بھڑکا کر وہ اپنے ماضی کے پیدا کئے ہوئے نتائج کی تقلید کی دعوت احیاء سنت یا اتباع سنت کے نام سے اس ملک میں مسلمانوں کو دینے لگے قرآن جس فعل کو حرم شہر اچکا تھا اور مختلف الفاظ میں اس کے حرام ہونے کا قطعی اعلان کر رہا تھا، تفریق بین المسلمین کا یہ فعل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک نہ حرم ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہے جو فیصل قطعی کے رد سے حرام قرار پایا تھا۔

وہ زمین ہرم کا ارتکاب صرف اسی لئے کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو ایسی باتوں کے پابند بنانے میں شامیہ کا مساب ہو جائیں جن کی پابندی سے انحراف خود اہل کے نزدیک بھی نہ ہوتا تھا اور شگاہ۔ ان جائز پہلوؤں میں جن کا ہر پہلو شرعی حدود سے باہر تھا زیادہ سے زیادہ وہ پہلو بہتر اور افضل تھا جس کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

اللہ اللہ خیر حادث کی حدیثوں کے اختلاف کا قاعدہ جو نرم تھا موم سے بھی زیادہ نرم تھا اس میں سختی اور شدت بھری گئی ایسی سختی اور ایسی شدت کہ پھر اور دلوں پر بھی اس کے سامنے شاید بالی نظر نہ تھا، اختلافی حدیثوں کا یہی سرمایہ ان کا گو یا اسلحہ خانہ تھا۔ پیغمبر کی ایک ایک حدیث حدیث نہیں بلکہ حرب کا آلہ اور ضرب کا دھار بن چکی تھی وہ اس پر ان ہی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ”السکین“ (دھری) بنا کر مار کر مارتا تھا اور یہ اس پر چل ڈوری کی شکل میں چلنے کی گندھینکا تھا اور اپنی اسی جنگ میں کبھی اس صفت سے ”مظفر مبین“ کا شادیاں بچا جاتا تھا، اور کبھی اس صفت سے ”فتح مبین“ کا در سنگھاپھوٹا جاتا تھا، تحقیق کے بعد ہمیشہ یہ ثابت ہوتا تھا کہ ہر فرقہ جنگ کے پہلے گھنٹے پر جس مقام پر تھا وہاں سے نایک قدم آگے بڑھتا تھا اور نہ پیچھے ہٹتا تھا، بلکہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا کہ ایک ہتھیاروں کے نہ ختم ہونے والے لا محدود ذخیرے پر قائم تھا۔

بہر حال کچھ بھی ہو اس سارے طویل و طویل قصے کے ذکر سے میری غرض یہ تھی کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے ساتھ ان گنت لغات بازیگریوں کو دیکھتے ہوئے اللہ کا بندہ جھگڑنے والوں کے اس گردہ کو اگر مشورہ دے کہ جب تمہارا یہی حال ہے تو ایسی بات میں جو شہد کا بیان کرنا ہی ترک کر دو تو کیا مشورہ دے کے ان الفاظ کا یہ مطلب لینا صحیح کہ مشورہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو دنیا سے ناپید کرنا چاہتا ہے۔

ابھی حدیث میں جو رسالے اور کتابیں اس سلسلہ میں شائع ہوئی ہیں میں یہی کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں جو رسالے اور کتابیں شائع ہوئی ہیں میں ایک رسالے کا نام ”السکین“ (دھری) تھا، جو مستاسم کے لکھا تھا، اس سلسلہ میں دو رسالے اصل الثبوت تھا، اولیٰ الخضر مبین اور الفیض المبین تو اس سلسلے کی مشہور ترین حدیثیں ہیں اور ان کی تاریخیں ماسنن ہے ۱۱

یا پیغمبر نے اپنی جن حدیثوں سے استفادے کی راہیں امت پر کھلی رکھی ہیں ان کے فوائد سے امت کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

کن لوگوں سے کہہ رہا ہے، کیوں کہہ رہا ہے، کن حالات میں کہہ رہا ہے، گفتگو کی نوعیت، ماحولی خصوصیتوں سے قطع نظر کر کے مذکورہ بلا دعویٰ گفتگو کے الفاظ، صرف الفاظ سے نہایت تراشی کی میرے خیال میں یہ بدترین مثال ہوگی۔

پس حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کو اس واقعہ سے مطلع کرنے کے بعد یعنی تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کرتے ہو، اور یا ہم ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہو، تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ ان اختلافات میں اور زیادہ سخت ہو جائیں گے، ان الفاظ کے ساتھ چوسوہ دیا تھا کہ

فلا تخذلوا من رسول الله شيئا ثم لوگ رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے

کوئی بات نہ بیان کیلے۔

تو صرف ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلیتہً حدیثوں کے بیان کرنے سے صحابہ کو روک دینا چاہا خود ہی سوچئے کہ بہتان و افتراء کے سوا اور بھی کچھ بڑے صاف اور واضح مطلب اس کا وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے کہ مخالفانہ اعراض کو ہوا دینے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے لوگوں کو روکنا چاہتے تھے۔ غرض حضرت کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کا صحیح استعمال یہ نہیں ہے کہ ان کے متعلق جس شخص کے جو معلومات و آثار ان میں خواہ مخواہ ان کی پابندی کا مطالبہ اپنے معلومات کے زور پر دوسروں سے کرے بلکہ صحیح مسلک

لہ فلا تخذلوا کی ابتدا میں جو حرف کا حرف ہے عربی زبان کی سموری واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ ترتیب بہت متکثر ہے یعنی اس سے پہلے جرات بیان کی جاتی ہے اس کے نتیجہ کا انہماک یہ کہنا ہوتا ہے کہ اس کے مشروحات میں ان کے حرف کا اضافہ کرتے ہیں پس صاف مطلب اس کا یہی ہے کہ ان کا یہ حکم صحابہ کے ساتھ مربوط ہے جس سے لوگوں کو آپ نے مطلع کیا تھا حدود و اقدار کیا تھا وہی لوگ حدیثوں کو اپنی مفاد کے ساتھ ہاتھ ملے پاتے تھے اس لئے اگر آج ہی اس کی روک تھام نہ کی گئی تو آئندہ اس کے نتائج زیادہ سخت اور زیادہ ہولناک شکلوں میں سامنے آئیں گے ۱۲

ان اختلافات کے متعلق جو اس قسم کی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یا فقہ کے سلسلے میں اجتہادی
نتائج کے اندر جو اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو اس قسم اختلافات کے متعلق چاہئے
کہ ایک دوسرے کے اختلافات کی برداشت کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں دین کے اس
غیر مبنائی حصہ کے اختلافات کے بارے میں مسلمانوں کو ایک ہی نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش غلط
کوشش ہے اس کوشش کے لئے ہمارے پاس ”البنیات“ کے احکام و مسائل ہیں ان کے متعلق
کسی مسلمان میں خدا ستوا سے کسی قسم کا اختلاف اگر محسوس ہو تو بلاشبہ اس وقت فرض ہو جاتا ہے
کہ اس کے سامنے قرآن کی آیتیں تلاوت کی جائیں، انصوص صریحہ کو پیش کر کے اس اختلاف
اور اختلاف سے اس کو روکا جائے کہ ان میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی ہے دین
کا یہی وہ حصہ ہے قرآن میں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دی گئی ہے کہ ”بنیات“ کے
ہوتے ہوئے گذشتہ تو میں جدا جدا ہو کر آپس میں مختلف ہو گئی ہیں جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے
کہ دین کے اس حصہ کو اتنا واضح اور روشن شکل میں رکھا گیا ہے کہ عام و خاص اعلیٰ و ادنیٰ، عالم
و جاہل سب ہی اس پر متفق ہو کر ایک ہو سکتے ہیں ”البنیات“ کے ہوتے ہوئے یہ کوئی نہیں کہہ
سکتا کہ دین میں ایسی کوئی چیز بھی ہے کہ جس پر ہم سب اپنے اختلافات کو ختم کر کے سمٹ جاتے
ہیں تو سمجھتا ہوں کہ یہی مطلب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ کا بھی ہے جو انہیں
فرمایا کہ میں

فمن سألکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب
اللہ فاحلوا حللہ وحرّموا حرّمہ
پھر ہم سے اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیا کردہ کہ ہمارے
تہا ہے درمیان (اشتراک کا حلال، اللہ کی کتاب
ہے یہی چاہئے کہ اس کتاب نے ہمیں چیز طہ کو

حلال کر دیا کہ محل قرار دو اور ہم ان کو حرام
نہیں کیا ان کو حرام نہیں کر دیا۔

چھین کے بعد بھی مسلمانوں کو ہم اسی مسلک کا پابند پاتے ہیں، معلومات کا اختلاف صرف طریق

محدود تھا لیکن ”عل“ میں اختلافات کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ صرف دوسری صدی ہجری کے سطوح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم اصلاحی اقدامات کے اعلان کے ماننے والوں میں سے بعضوں کے اندر پھر ان اختلافات کی کچھ لہریں اٹھی تھیں لیکن زہر کے ساتھ ساتھ سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ایک تریاتی وجود اسلام کو عطا ہوا، آپ نے اپنی بے شک صداقت، بے نقاہ علم، مستحکم تقویٰ کے زور سے ان اٹھنے والی لہروں کو اتنی قوت سے دبا دیا کہ پھر صحیح معنوں میں ان اختلافات کو پھلنے پھولنے کا موقع مسلمانوں کی عمومیت میں کبھی نہ ملا۔ بعض پیشہ ورمولوی ان میں ارادی مخالفتوں اور فحاشیوں کا رنگ اپنے خاص اغراض کے تحت بھڑا بھی چلتے تھے تو ان کے تعلیمی حلقوں سے آگے اس کا اثر عام مسلمانوں تک بھلا اللہ کبھی نہیں پہنچا ممکن ہے کہ میرے اس خیال سے بعضوں کو اختلاف ہو لیکن میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ طبقہ تصوفیہ سے لوگوں کو اور صحتی بھی شکایتیں ہوں اس وقت ان سے بحث نہیں ہے۔ لیکن انصاف کی یہ بات ہے کہ غیر بنیائی مسائل کے اختلافات کے جس رنگ کو مولویوں کا ایک گروہ پختہ کرنا چاہتا تھا تصوفیہ کا عام گروہ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ اس رنگ کو دھبیا اور پھیکا کرنے کی کوشش کرتا رہا کچھ نہیں تو تصوفیہ کے گروہ کا مسلمانوں پر یہ بھی ایک احسان کیا کم ہے۔ بہر حال یہ ایک بڑی مفصل اور مبسوط بحث ہے۔ اہل علم کے لئے تو شاید یہ چند اشارے بھی کافی ہو سکتے ہیں لیکن جن کے نکتے اشارے نا کافی ہیں، ان کو میری کتاب ”تدوین فقہ“ کا انتظار کرنا چاہئے کہ ان مسائل کی تفصیل کے لئے وہی کتاب موزوں ہو سکتی ہے امام شافعی کے اصلاحی اقدامات کیا تھے، ان سے بعضوں کو کیا غلط فہمیاں ہوئیں، حضرت امام احمد بن حنبل نے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کن تدبیروں سے کیا، ظاہر ہے کہ فقہاء ائمہ فقہ کے حالات سے ان سوالوں کا حقیقی تعلق ہے ضمناً وہ فقہاء جن حدیث کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

۱۔ مختصر ہے کہ امام شافعی مجاز سے ضمیمہ الحجب دارالافتاء بغداد چلے گئے تو خود ان کا بیان ہے کہ حاجہ سہوہ میں کے اہل غفلت میں چلنے کے بعد میرا ہاتھ ہوا کہ ہر ٹھٹھانے والا اللہ کا نام لیتا ہے اور نہ رسول کا نہ نبی کی تکلیف ہے کہ حاجہ سہوہ میں کے اہل غفلت کے ہر ایک حال کا بیان بھی میرے ساتھ ہوا ہے کہ ان میں ہی سنا ہے صرف تو یہ دو سوال کے اندر (بقیہ حاشیہ پر صفحہ آئندہ)

بہر حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حدیث کے متعلق جو اہم خدمت انجام پائی وہ یہی تھی اسی حال میں پیغمبر کے دین اور پیغمبر کی امت کو چھوڑ کر آپ اپنے محبوب نبی کے بازو میں جا کر سو گئے آپ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ آتا ہے (اللہم صل علی نبیک وحبیبک وعلی آلہ وحبیبہ و خلفائہ اجمعین)

مہناذنی لحدیث [آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پاتے، اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض احتیاطی طریقہ عمل کا ذکر عہد صدیقی کے واقعات کی ذیل میں کر چکا ہوں اور کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اشلیم فی اہل اللہ کی اشد بیت دین کے دوسرے شعبوں میں جیسے نمایاں ہے حدیث کا شعبہ بھی اس سے کیوں مستفید نہ ہوتا۔ عدل و انصاف، سیاست و حکومت اور انہی قبل دوسرے معاملات میں فاروق اعظم کے بے لاگ فیصلوں کا جیسے لوگ اب تک ذکر کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی تاریخ میں بھی حضرت عمرؓ کے رعب و داب کا وہی اثر ہے ان کے ہیبت بعد یعنی تقریباً اس وقت جب دوسری صدی ہجری گزر رہی تھی، مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حدیث کے طلبہ ان کے حلقہ میں جب آتے تو ان کی طرف خطاب کر کے کہتے کہ

تعلی (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دین کے اصل سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے علماء اسلام کی اس بے کو دیکھ کہ فقہنا امام میں برہمی پیدا ہوئی اور اعلان کیا کہ علما جن کا حوالہ دیا جاتا ہے ان میں ہر ایک کے تشریحات اور اجتہادی فیصلوں کو میں پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پیش کر کے جانچوں گا آپ نے بغداد میں بیٹھ کر حقیقی مذہب پر تنقید کی اور مصر جہاں ان کے استاد امام ملک مذہب زیادہ عروج پر تھا وہاں بھی کرنا ہی مذہب پر تنقید فرمائی، امام شافعی کو اس کا اجر ملتا رہے گا کہ پٹنے کے بعد دین کے حقیقی سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت کی طرف مسلمانان ہی کے طرز عمل کی وجہ سے ملوث تھے ہیں مگر دینی اختلافات کو امام شافعی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت جب حاصل ہو گئی تو امام احمد نے مفاہمت و مصالحت کی رو کو بھی لے لی اور ایک ہی مسئلہ کے مختلف پہلو کے برابر وہم و آواز کا نمونا انساب کتاب میں جو کیا جاتا ہے اس کی وجہ بھی ہر پہلو اس مسئلہ کا ان کے نزدیک شرعی حدود سے باہر نہیں سمجھا جاتا ۱۲

لو ادرکننا وایاکم عمرلا وجعنا اگر پالتے ہیں اور تمہیں عمر تو مار کر دکھ پھینچتے

صرا با مش ۱۲ ج ۲ ج

دراصل سفیان کا اشارہ اشہدیت کے ان ہی واقعات کی طرف ہے جن کا روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی طرف انتساب کیا گیا ہے، اور اس زمانہ میں بعض خاص اغراض کے تحت ان کی کافی تشہیر کی گئی ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد ابو سلمہ عادی میں کہیں نے ابو ہریرہ سے کہا کہ جس آزادی کے ساتھ آج کل آپ حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی ایسا کر سکتے تھے جواب میں ابو ہریرہ نے جوابات کہی تھی یعنی

لو كنت احدث في زمان عمر اگر عمر کے زمانے میں اسی طرح میں حدیثیں
مثل ما احدثتكم لضربتي بیان کرنا جیسے تم سے بیان کرتا ہوں تو لپٹے
بمحققته الذی ص ۱۲ کوڑے سے عمر مجھے مارتے،

اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف اندلیخہ ظاہر کیا تھا سعید بن ابی اسیم کے
حوالہ سے الذی ہی نے یہ دوسری روایت درج کی ہے کہ ان کے والد ابی اسیم کہتے تھے کہ
ان عمر حبس ثلاثہ ابن مسعود حضرت عمرؓ نے جن آدمیوں کو روک ڈیا تھا،
و ابی الدرداء و ابی مسعود ابن مسعود کو اور دھاکو اور ابو مسعود و انصاری
الا نصاری فقال انک قد کو اعداں سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی
اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بہت
زیادہ حدیثیں روایت کیا کرتے ہو،

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندلیخہ واقعہ کی صورت بھی بعض لوگوں کے ساتھ اختیار کر چکا تھا
یہاں ہی قسم کی بعض دوسری روایتیں کو درج کر کے حافظ ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیہک
نے بعض لوگوں نے جس کا ترجمہ قید ہی کیا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن قیدیوں کو
قید کر دیا تھا

میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
 "جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہیں تھا اور بدعات (نئی باتوں) کے پیدا کرنے
 کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا سنت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں) سے
 جن کے قلوب میں گرائیاں تھیں انھوں نے مذکورہ بالا روایتوں سے جو حضرت عمرؓ کی
 طرف منسوب ہیں، یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے دین سے غافل
 کو بالکلے خارج کر دینا چاہتے تھے" ص ۱۲۸ ج ۲

پھر اس غلط نتیجہ کی زبرد میں حلقہ نے ایک طویل بحث کی ہے اور آخر میں انھوں
 نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو ان روایتوں کی صحت میں بھی شبہ ہے، ابن خزم نے بھی
 کتاب الاحکام میں حضرت عمرؓ کی طرف اس سلسلہ کے منسوب روایات کے راویوں پر حرج
 کر کے ان روایتوں کو مشتبہ و مشکوک قرار دیا ہے مگر میں کہتا ہوں اور پہلے بھی کہا ہے کہ جب
 روایت ہونے کے اعتماد کرنے والوں نے ان ہی روایتوں پر جب اعتماد کیا ہے تو انصاف کی
 بات یہی ہے کہ ان حدیثوں کو بھی چاہئے تھا کہ یہ لوگ نہ سمجھتے جو روایات ہی دالی کتابوں میں خود
 حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ جن روایتوں سے یہ گروہ غافلہ
 اٹھانا چاہتا ہے ان کے اسناد کو یعنی جن راویوں سے یہ روایتیں مروی ہیں اور حضرت عمرؓ
 سے جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن راویوں کے توسط سے مروی ہیں وہوں
 میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ حدیثیں عموماً صحاح ستہ بلکہ ہماری اہل اسلام میں
 پائی جاتی ہیں اور جن روایتوں کو مخالفت حدیث میں یہ لوگ پیش کرتے ہیں کم از کم صحاح کی
 کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے ابن جوزی نے تلمیح میں ان حدیثوں کی تعداد دو سو و چھتر
 عمرؓ سے مروی ہیں، پانچ سو ستیسی بتائی ہے، فرض کیجئے کہ متون کے ساتھ طرق کو بھی اس
 میں شمار کر لیا گیا ہو لیکن ابو نعیم اصفہانی کے اس بیان میں تو اس شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے
 ابو نعیم حلقہ کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ

اسند عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من
 المتون سوی الطریق مآستی حدیث
 یعنی حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو سے کچھ اور حدیثیں مروی
 صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو سے کچھ اور حدیثیں مروی
 ہیں اس تعداد میں صرف متون کو شمار کیا گیا جو طرق
 ونیفاً ملتاً یخرج
 (باقی آئندہ)

”مصباح اللغات“ مکمل عربی اردو کشمیری

بچاس ہزار سے زیادہ عربی الفاظ کا جامع دستہ یہ عظیم الشان عربی، اردو لغت
 اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے بے مثال ہے جہاں تک عربی سے اردو میں لغات کے ترجمے اور
 تشریح کا تعلق ہے آج تک اس درجہ کی کوئی دیکشنری وجود میں نہیں آئی، ساہا سال کی عزتوں
 کو ششوں کے بعد بڑی قطع کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ عظیم القدر کتاب اصحاب
 ذوق کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے

المختصر جو عربی لغت کی جدید کتابوں میں اس وقت سب سے زیادہ جامع اور دلپذیر سمجھی جاتی ہے
 ”مصباح اللغات“ میں نہ صرف اس کتاب کا پورا احاطہ کشید کر لیا گیا ہے بلکہ اس
 کی ترتیب میں عربی لغت کی بہت سی دوسری بلند پایہ اور ضخیم کتابوں سے بھی اخذ و استنباط کی تمام
 صلاحیتوں کو کام میں لا کر مدولی گئی ہے جیسے قاموس، تاج العروس، اقرب الموارد، جمہورۃ المعانی، ہنایہ
 ابن اثیر، مجمع البحار، مفردات امام راعی، کتاب الانفال، مفتی الارب، صراح وغیرہ،

”مصباح اللغات“ ملار، طلباء عربی سے تحسین رکھنے والے انگریزی دان، اردو خوا
 ص کے لئے بے حد مفید ہے اور ایک کامیاب استاد و معلم کا کام دے سکتی ہے۔

عربی مدرسوں، کتب خانوں اور لائبریریوں کے لئے یہ نہایت گراں قدر علمی تحفہ ہے ۱۰۲۸ صفحات
 ساز شاہدار اور موزوں، جلد خوبصورت اور مضبوط ڈھائی سے نام چھپا ہوا مع عمدہ گر دیش قیمت سو روپے

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

دلائل القرآن

۱۰

(مفسر مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی)

اعجاز القرآن انھوں نے حاشیہ پر صاحب نظام القرآن نے اسباب اعجاز کی جانب مندرجہ ذیل حکمانہ اشارات اور عجیب و غریب حکمت کا اظہار فرمایا ہے جس کے مفہوم کو ہم اپنے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔

۱۔ ممکن ہے کہ کلام میں ایک ایسی لطیف چیز پوش روح کے کہ جس کی ماہیت کسی بھی جاگتی ہو لیکن اس کے وجود پر نگاہ دیت سے اسدھال کیا جاسکتا ہو کما طلی تھائی در اندام کمال و عکاسی کو یعنی جب وہ ہمیں ایسی چیز کی طرف دعوت دے جو ایک بلند زندگی بخشی ہے۔

قرآن مجید کاوش و مافوق سلیم سے معلوم ہو سکتا ہے جس کی تائید ان واقعات سے ہوتی ہے جو اس کے عظیم الشان اثر کے متعلق تاریخوں میں درج ہیں اور نیز اہل عرب کی روایات سے بھی پس یہ ایک گہنی ہوئی روشنی اور ناقابل انکار دلیل ہے جیسا کہ قوراء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبیادت کے موقع پر آیا ہے اور مکاشفات بھی میں بھی ہے کہ اس کے منہ سے ایک شمشیر برآں نکلے گی تاکہ اس کے مذہب و قوموں کو زیر کیا جائے۔

۲۔ اس مسئلے کے ماتحت معرفت حقیقت اعجاز قرآن ناممکن ہے محض اس کے آثار معلوم ہو سکتے ہیں۔ امام عبدالقادر جانی دغیر سم نے غلطی کی کہ قرآن کا اعجاز خوی یا سالیب اور وجہ بوغت کو قرار دیا حالانکہ یہ نام چیزیں اعجاز نہیں۔

۳۔ اس رائے کو سامنے رکھتے ہوئے فن بوغت کا فائدہ یہ ہو گا کہ انسانی کلام کا منتہی اس کے اقسام اسالیب اور ان کے عناصر معلوم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کلام معجز اور غیر معجز کا فرق نمایاں

طور پر محسوس ہو گا یعنی یہ معلوم ہو جائے گا کہ اہل الذکر اپنے اثر ہی کی وجہ سے اور اس روح ہی کی وجہ سے جو طوں کے اندر چھو نکلے ہے اعجاز کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ ثانی الذکر میں یہ چیز نہیں پائی جاتی ہے اگرچہ اس کے اندر کئی ہی بلاغت پائی جاتی ہو۔

دہم، اس رائے کی بنا پر یہ بحث ختم ہو جاتی ہے کہ بلاغت مصطلح پر اعجاز کا مدار نہیں بلکہ کتاب الہی کے اندر ایسی بلاغت ہے جس کی حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں لیکن اس کا عجیب اثر اربابِ فکر اور اصحابِ تقویٰ پر ظاہر ہوتا ہے۔

۱۱، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس کے اندر لفظی و معنوی محاسن بھی سحر سحر کی طرح ہیں علماء بلاغت اپنی پوری جدوجہد کے باوجود بھی اس کے کچھ ہی حصہ تک پہنچ سکتے ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ کائنات کے اندر جو بے پایاں آیات و نشانیوں ہیں ان کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔
خصوصاً کہ اعجازِ قرآن کو کوئی ایسی چیز نہیں جس کو بڑی آسانی سے متعین کیا جاسکے بلکہ حضرت علیؓ فرمائی کے ارشاد کا مقصد محض غور و فکر کی مزید سراغ دہانی ہے۔

خبر نیک! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل عرب نے بہت سعی کی کہ قرآن عزیز کا محضرہ کر سکیں مگر باوجود اہل زبان ہونے کے محارضہ سے قطعاً عاجز رہے اور قرآن اپنا اثر بڑھاتا رہا اور پھیلتا رہا جب آپ کا زمانہ وصل فریب ہوا تو ایک دوسرا قدم ادا تھا باگیا وہ یہ کہ کہ کے نبی کے مثل دوسرے خاندان سازا جبار و مصلحتہ پیدا کئے گئے۔ چنانچہ ۹۰ سالہ کے لگ بھگ یارہ میں قبیلہ بنو حنیفہ میں تسلیم کذاب کا ظہور ہوا۔ تین میں اسود بنی قبیلہ اسد میں طلحہ بن خویلد۔ اور سجاح ذات العلم وغیرہ بنی قریظہ میں نبوت کے دعوے کیے گئے۔
۱۲، تسلیم نہ یہ دعویٰ کیا کہ اس پر آسمان سے وحی آتی ہے جس کا نام (رحمن) ہے اس کا نزول عات کی تدبیر میں ہوتا ہے نہ کہ دن کی روشنی میں۔

انفاذِ وحی کا ملاحظہ ہوں کہتا ہے یا صفا ع یا بنت صفا عین نفی ما تقین نصفك فاما نصفك فی الطین۔ لا الماء کدر میں ولا الشارب متعین۔

سبحان اللہ یہ ہے وحی الہی الموصوم بہ قرآن۔ حالانکہ جس کو خدا بھی عربی زبان کی مارت ہوگی وہ غیر

کروے گا کہ یہ الفاظ زبان جاہلیت کے نہیں ہو سکتے اور نہ اس طرح کی باتوں کا کوئی ثبوت ہے مگر اس کو کیا کہا جائے کہ جاحظ جیسے ادیب اور بصیر کلام عرب کو دھوکا ہو جاتا ہے یا بطور استہزاء کہنا پڑتا ہے لا ادری ما الذی ھیم مسلیمة حتی ساء رایہ فی الضفدع“

اسی سلیمتہ نے قرآن کی تقلید میں یہ الفاظ کہے والے بذراعت زمرعہ، والحاصدات حصدا والذاریات قحھا۔ والطارحات طحھا۔ والعاجنات عجنھا۔ والحابزات خبزھا۔ والناحرات نحرھا۔ واللاقبات لقبا۔ ابالہ وسمھا۔ لقد فضلت علی اھل الورد وما سبقکم اھل المدر... جب طاوہ النمری نے مسلمانوں کو دیکھا اور باتیں کیں تو کہا اشد انک کذاب وان محمدًا ضائع ولكن کذاب سبعة احب الینا من صادق مضر۔

(۲) اسود غسانی کی وحی کا حال بھی سننے کے لائق ہے وہ کہتا تھا کہ ایک فرشتہ جس کا نام رذاخار ہے آسمان سے وحی لے کر اترتا ہے۔ یہ اسود غسانی فی الحقیقت ایک نہایت نصیح و بلخ آدمی تھا جو زبردست کامن اور صحیح میں مشہور تھا امتداد زمانہ سے اس کا کلام ضائع ہو گیا یہ بھی نبوت خاندان ساز کے بانچوں سوا میں تھا

(۳) طلحہ کی وحی ایک (ذالنن، نامی فرشتہ) نے کرتا تھا پھر اس شیطان کو جبریل کہنا شروع کر دیا گیا اسی کا قول ہے صلوا یمامان اللہ لا یضیع بتعفیر وجوہکم و قبح اداءہم کہ (۴) سمحہ ذات العلم کی وحی کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

(۵) مشہور شاعر متنبی جس نے باویہ سادہ میں اعداد نبوت کیا اور اپنے کلام کو قرآن کہہ کر ثبوت میں پیش کیا تھا نو نہ یہ ہے والھیم السباس، والفلک الدواسر، واللیل والھماس، ان الکافر لفی خطاک... بعض علی سننک و اھت اتر من قبلک من المرسلین فان اللہ قاصع ابک ذلیع من اللہ فی حینہ و ضل عن حبیلہ الخ۔ بعد کہ پھر اپنے اس ارادہ سے باز آ گیا اور شعرو شاعری ہی میں کہیں کو پہنچا مذکورہ بلاشبہ انوں کے بعد بہت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن حکیم اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے اور عربی کے اسی حق کو پھر دہرا دینا پڑتا ہے ”ولیس شان القرآن کشان کلام الناس۔ بلکہ قرآن اسلم

میں سما اور اس کی خواہش سے اس نے قرآن کریم کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا اور وہ آزاد و جبریت تھا
اس سے بے حد متاثر ہوا تھا۔

اگر مذہبی یعنی آسمانی کتابوں کے لکھنے والے انسان تھے تو قرآن کے سوا اور کون سی کتاب ہے
جھوٹے چھوٹے سچوں کے سینوں میں محفوظ اور جوہر مسلسل سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو سمور کئے
دئے ہے تاکہ حرت اور زبردستی کی کمی ہوئی اور نہ ایک آیت کا معارف و مقابلہ دنیا کی تاریخ
یا پانچ صحت اور معیار تحقیق پر پورا اُڑ سکے تاریخ گواہ ہے کہ جنہوں نے اس طرح کا ارادہ کیا اور ہند
ن بے جوڑ فقرے لکھ مارے کیا قرآنی جلیج "قَالَ ابْنُ سُرَّةٍ مَثَلُهُ" اور "مَثَلُهُ" کا جواب
رہ گیا ہرگز نہیں۔ اگر مذہبی کتابوں کے لکھنے والے انسان ہوتے تو ان کے کلام میں بھی انسانی جھلک
ہوتی اور وہ تمام نقص پائے جاتے جو فطری طور پر غیر معصوم انسانوں کے اندر ممکن ہیں اگر بحث کے
علیٰ ہو جائے گا درہم چوتنا تو ہم ان تمام مذہبی کتابوں کی جن کے لکھنے اور تصنیف کرنے والے انسان
یہ تھے ایک ایک تار پود بکھیر دینے اور دکھلا دینے کہ انسانی کلام اور اللہ کے کلام میں اصولی اور امتیازی
وہ کیا فرق ہے مگر بے سود ہے کیونکہ بارہا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو چکا ہے قبول حکیم سنائی
عجب بنو دگر از قرآن نصیب ما است جز خرفے کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نامینا

ماہر قرآن کلمہ دلوں | امام ابو بکر باطلانی اور حافظ ابن قیم کی تحقیق یہ ہے کہ ابن المقفع نے قرآن کا معارف
ابن المقفع اور ابو العلاء | کرنا چاہا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں جب سورہ ہود کی اس آیت پر پہنچا حتیٰ انا
ہی کلام اس کی تحقیق | حَبَاءُ اَمْ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ فَارْتَسِمْ رَالِي فَرَقْنَا، وَهِيَ اَجْدُ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔ تو اس
نبال سے باز آیا قال هذا امالا يستطيع البشر ان يتوا بمثلهم وترك المعاصفة واحرق ما
ان قل اختلافه۔ یعنی ابن المقفع نے عاجز ہو کر کہہ دیا کہ انسانی طاقت سے باہر ہے کہ قرآن کے مثل بنایا
ہے۔ اور معارف مذکر ناچھوڑ دیا اور جو کچھ گڑبجا تھا آگ میں جھونک دیا۔

ابو العلاء مری پانچویں صدی ہجری کا مشہور ادیب گذرا ہے جو مذہب میں نہایت آزلو تھا اس

لہذا صحت عرب و ہند بحر العجاہب الہند ص ۱۰

کے متعلق شہر ہے کہ اس نے سورۃ سلات کی آیت اِنَّمَا تَزْمِي لَنَا رِكَائِكَ الْفَصْرِ كَالْمَدَى حَلَالٌ مَشْمُومٌ
کا معنی اپنے ذیل کے شعر میں کیا ہے ۔

حملاء ساطعت الذوائب في الدجى ترمى بكل شر اسرۃ كطراف
ترجمہ کہتا ہے آگ سرخ رنگ کی ہے اس کی مینڈھیل تاریکی میں بلند و بالا ہیں ایسی چٹکاریاں جھینکی
ہیں جو مثل جڑے کے سرخ خمیر کے ہیں۔

حضرت امام رازیؒ نے ابو العلاء کے شعر مذکور کو آیت کی تفسیر کرنے ہوئے مد نظر رکھا ہے اور
حسب عادت تقریباً ۱۲ اعتراضات اس تشبیہ پر کئے ہیں اور شر کی مٹی پیدا کر دی ہے ملاحظہ فرمائیے
اپنا خیال یہ ہے کہ جب تک کسی کے کلام کی صحیح توجیہ اور محل متعین ہو سکے خواہ خواہ اس کی تطبیق
کر کے ہدف علامت نہ بنایا جائے علامہ مصر نے ابوالعلا کی کتاب ”الفصول والغایات“ دنیا کے سامنے
پیش کی اس سے ادیب مذکور کے عقائد و خیالات پر روشنی پڑتی ہے اسی کتاب میں ہے خدا کے عباد
میں مناجات کرتا ہے

الحوک و عملی سئ لیحسن ، و قلبی مظلم لکی نیبر۔ وقد عدلت عن المحجة الى بينات
الطریق۔ وانت العدل ومن عدلك اخاف ! یا من سجد له سرقة الافق
وزرقة الماء وحرمة الفجر وحرمة شفق الغروب ! وان كان الدمع بطنی غضبك
فهب لی عینین کاھما غما متاشق رشتاء تیلون الصباح والمساء ، و احطی
فی الدینامندك و جلالات فونز بالافرة فی الامان و اسر زقنی فی خوفك بر و الدی
وقد فاد مبرۃ اهداء الدعوة له بالخذ و الاصل الخ
ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

اقسم بجانق الخیل والریح الھابة بلیل ، بین الشرط ومطالع سمیل ، ان الکافر
لعلول الول ، وان العنبر لمکفوف الذیل بقدم ارج السیل ، وطالع التریق
من قیل ، تنجم وما اخلاک بناج الخ

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابو العلاء معری نے ہرگز قرآن کا معارضہ نہیں کیا ہے کیونکہ اس کا اپنے درجہ کا موہر اور گہرے درجہ کا مومن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ رافعی اعجاز القرآن میں صاف فیصلہ کر دیتے ہیں۔ وذلک ولا سبب فخریۃ علی المعری اسراحہ بھاعدا وحاذاقہ^{۱۴۸} یعنی اس طرح کی باتیں جو ابو العلاء کی طرف منسوب ہیں ان کے چالاک اور شاطر دشمنوں نے مرحوم کے سر تنوہپ دی ہیں نہ یہ کہ قرآن کا مقابلہ (معاذ اللہ)

اصل یہ ہے کہ دنیا میں جتنے اچھے درجے کے ادیب ہوتے ہیں وہ سب کے سب اپنے درجہ کے کلام کے حقیقت، تتبع اور تقلید سے ہوتے ہیں۔ ہر زبان کے اندر ادیب اور اساتذہ فن کا ہونا جس طرح مستطعم ہے اسی طرح ان کے کلام کو ہشتہاد میں پیش کرنا اور سند لانا لسانیات میں حجت مانا گیا ہے چوں کہ قرآن عزیز اپنی فصاحت و بلاغت اور ماوراء فہم انسانی صداقت کا علمبردار، تاثیر اور نفوذ کا حامل اور جلا اخبار کلام میں انسانی کلام اپنی ایک جدا شان، رفعت اور کمال رکھتا ہے اس لئے دنیا کے ادیبوں زبان اور کلام عرب پر عبور رکھنے والوں کو پہلے دہ میں غلط فہمی ہوئی چنانچہ سلیمہ وغیرہم ماہرین زبان معارضہ و مقابلہ پر اتر آئے اور سختی قبول کر لی جو کچھ ہوا و دنیا کے سامنے ہے قرآن کے اول مخاطبین خاص عرب تھے اور وہ تھے کہ جن کی زبان کا سکھ چل رہا تھا اور دنیا کے تمام لوگ گونگے اور زبانیں عربی طلاق لسانی اور شیوہ بیانی کے سامنے ماند پڑ گئی تھیں جب یہ عاجز ہو گئے تو پھر کس مائی کے دل کو ہمت اور جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ قرآنی جلیج کا جواب دیتا۔ عجبی پیداوار میں متبعی اور ابن المقفع کا ذکر اور پھر گزرجکا کہ منہ کی گھائی اور سپر ڈال دینی پڑی مگر عرب ابو العلاء معری کا قصہ ان تمام سے بالکل جدا ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ابو العلاء کے عقائد اور خیالات کا تعلق ہے وہ یقیناً خدا کے بارے میں بڑا متواضع اور کمزور خدا پرست تھا اور آخرت کی زندگی کا نہ صرف قائل بلکہ قیامت کا خوف کھتے تھا اللہ ابتدائی زندگی جیسا کہ پہلوں کی رہی ہے اس کی بھی رہی ہے اعتباراً ابتدا کا نہیں ہوتا ہے انتہا اور حسن خاتمہ کا ہوتا ہے اور خاتمہ کا قطعی علم بجز خدا کے کس کو ہے اس لئے اپنا یہ فیصلہ ہے کہ ابو العلاء نے قرآن کی محبوبی اور بڑی سورتوں یا کتابت کا جو قیہ کیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں کیا ہے کہ قرآنی جلیج اور سختی کا جواب دیا ہے بلکہ قرآن عزیز

ایک ایسی فصیح و بلیغ اور اونچی زبان لے کر دنیا کا انداز آیا ہے جس نے فنی ادب کے سارے کارخانہ کو سرکودیا اس سے متاثر ہو کر اس کی تقلید میں خود بھی نظم و نثر میں اس کا انظار کیا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ دنیا کا ہر ادیب فنی اعتبار سے ہر مہذب کلام سے متاثر ہوا ہے مگر کیا انسانوں نے انسانوں کے کلام کا پورا پورا مقابلہ کیا ہے اور کتنے میں جو ابن المقفع، مشنہی، ابوالعوار، اور جاسقہ کو ہیں؟ اور کتنے ہیں کہ سہری کی مگسٹنل کا جواب اور کامیاب جواب دے سکے ہیں؟ اور کتنے ہیں کہ مولانا شبلی کی اردو اور مولانا آزاد کی خطابت اور سحر بیانی کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی ہے؟ جب انسانی مبلغ کا یہ حال اور تہی دامن کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کلام کا مقابلہ کرنا معاصر پر اثر آنا اور سہری قبل کرنا تو کھوئے دعاغی عیاشی کے کیا کہا جاسکتا ہے؟ جس طرح سب نے منکی کھائی اگر خدا خواستہ ابوالعوار موی نے بھی اردوں کی طرح خدا کی جناب میں گستاخی کی ہے تو اس کا بھی وہی حشر ہو گا جو اردوں کا ہوا اور اس کے کلام کی بھی وہی نوعیت ہو گی جو اردوں کی ہوئی۔

معصوم عبد اللہ بن مسعود | حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہنلی بنو زہرہ کے حلیف اللہ علیہ السلام
 ایک مہی غلی کا ازالہ | صحابی ہیں۔ آپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے آپ کو چھ مسلمانوں میں کاچھا
 مسلمان پایا اس وقت سطح ارض پر ہم لوگوں کے سوا کوئی اور مسلمان نہ تھا۔ کہ میں سب سے پہلے آپ
 ہی نے باعلان قرآن مجید پڑھا جب آپ اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خدمت میں رکھ لیا
 اور آپ خدمت میں رہنے لگے۔ آپ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو اندر آنے کی اجازت لینے کی ضرورت
 نہیں تمہاری اجازت صرف یہ ہے کہ تم میری بات سن لو اور پردہ اٹھا ہوا ہو۔ چنانچہ اندر آئے جاتے
 آپ کو جو پہناتے آپ کے ساتھ آگے آگے چلتے جب آپ غسل کرتے تو پردہ کرتے اور جب آپ
 سوتے تو آپ کو بیدار کرتے حبشہ اور مدینہ دونوں جگہ ہجرت کی اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدلا اور خندق بیعت الرضواں اور تمام مطاہوں میں شریک ہوئے اور آپ کے بعد
 معرکہ بدر میں شرکت کی۔ حضرت علیؓ کو م اللہ دجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 میں کسی کو نہیں مشورہ خلیفہ بنانا تو اب نام عہد کو بنانا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا خود ارشاد ہے کہ خدا کی قسم

قرآن کی کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں آتری اور کس کے متعلق اگر مجھ کو یہ علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن حاصل کروں تمام صحابہ اس سے اچھی طرح واقف ہیں کہ میں سب سے زیادہ قرآن کی بابت واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں (صحاح وغیرہ) عرض آپ کی وفات حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت ۳۵ء مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ایک طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ فضائل و کمالات اور قرآن سے گہرا تعلق کہ گویا وحی الہی کی گود میں پرورش پائی اور دوسری جانب عہد فرقہ اسلامیہ کا اجماعی مسئلہ کہ قرآن عہد نبوی صلعم میں مدون اور مرتب ہو چکا تھا اور صحابہ نے اس کو متعدد بار آنحضرت صلعم کو سنا دیا تھا جو بحسبہ آج ہم تک محفوظ اسی ترتیب پر ہے جو لوح محفوظ میں تھا اور جس کو ہم مدلل طور پر ثابت کر چکے ہیں۔ پھر بھی امام بخاریؒ کے مندرجہ ذیل فقرہ کو کبھی زانویش نہ کرنا چاہئے کہتے ہیں۔

العصاة رضى الله عنهم جميعاً بن الدفتين القرآن الذى انزله الله على رسوله من غير ان ينزل اولاً ولقد قصوا منه شيئاً وكان رسول الله صلعم يلقن اصحابه ويعلمهم فانزل عليه من القرآن على الترتيب الذى هو الآن فى مصاحفنا بتوقيف جبريل اياه على ذلك فان القرآن مكتوب فى اللوح المحفوظ على هذا الترتيب الخ

نیسری جانب یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں تین سورتیں نہ تھیں اور بقول بعض رعد اللہ ابن مسعودؓ اس کے قرآن ہونے کے قائل نہ تھے ابھی تک تو میں سورتوں کی توجہات میں لوگ بلادِ عرب پریشان تھے لیکن ہمارے کرم فرما شاہ معین الدین صاحب ندوی کو چوتھی سورۃ کی کمی کی فکر ہے کہ وہ کون سی سورۃ ہے ؟ ملاحظہ ہو معارف جون ۱۹۷۷ء ص ۲۲۳ اس کمی کی صحیح توجیہ اور تحقیق سے پہلے ہم ایک اور بات صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ کہ شاہ صاحب موصوف نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کی سورتوں کی تعداد ابن ندیم وغیرہ سے ۱۱۶ نقل فرمائی ہے حالانکہ حسب تصریح

علامہ محمد صبیح مصری صبح تعداد ۱۱۵ ہے کیونکہ حضرت ابی سورۃ الفیل اور سورۃ الکافرون کو ایک
 ملتے تھے۔ بہر کیف ایک سورہ زائد ہو یا دو جو جواب اور حل ایک کا ہو گا وہی دوسرے کا۔ حضرت
 ابی کا قنوت اللہم انا نستعینک ولستغفرک الحمد سورہ ماننا اور حمد و خلق کے نام سے
 موسوم کرنا جس طرح کتابوں میں پایا جاتا ہے اسی طرح یہ روایت ان عثمان الخطاب قنوت بعد
 الركوع فقال بسم الله الرحمن الرحيم اللهم انا نستعینک ولستغفرک الحمد قال ابن جریر
 حکمة البسملة انهما سورتان فی مصحف بعض الصحابة۔ کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ
 آئندہ توضیحات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

اصل یہ ہے کہ مورخین حتیٰ کہ ارباب سیر تک کی روایات میں عموماً بے سرو پا باتیں ہوتی ہیں نہ
 راویوں کا پتہ نہ جرح و تعدیل سے سرکار نہ اتصال و انقطاع کی خبر اگر بعض نے سلسلہ اسناد کا اعتبار
 کیا ہے تو یہ بھی رطب دیا بس کی تقریبی کئے بغیر غث و رقیق کو درج کر دیا ہے خواہ وہ ابن ندیم ہوں
 یا سیوطی، ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ، ابن سعد ہوں یا ابی الکدید، طبری ہوں یا واقدی وغیرہم ان
 غیر مستند روایات اور بیانات کو ایک قطعی الثبوت شے کے مقابل لانا کب لائق اعتنا ہو سکتا ہے
 غور کا مقام ہے کہ کلام ناس اور کلام رب الناس میں جو یوں بعید ہے وہ ظاہر ہے جو فرق اسلوب
 کلام الہی اور کلام نبوی میں پہلے ہم بیان کر آئے ہیں اس کو تسلیم کرتے ہوئے دعائے قنوت اللہم انا
 نستعینک الخ کی قرآنیت کو تسلیم کرنا اور پھر محدثین کرام کا اس قنوت پر گفتگو کرنا اور بعض کا عدم صحت
 کا حکم دینا سنن و آثار نبوی کے اندر موجود ہے کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اور کیا یہ وہی قرآن تھا اور قرآن
 کی سورہ کہ جس کی تفسیر سے خالص اہل عرب عاجز تھے جس کا خبر رسول ہونا محل بحث میں ہو اس کا
 قرآن کی سورہ کے نام سے نقل کرنا ابن ندیم اور سیوطی ہی جیسے حاطب اللیل کا کام ہو سکتا ہے نہ کہ ایک
 دقیقہ رس محقق کا۔ اہل نظر جاننے ہیں کہ سیوطی نے امام زکریا کی کتاب کو نوچ کھسوت کر انقان کو
 رب کیا ہے اور کتنی باتیں گھٹائی اور بڑھائی ہیں مانا کہ بعض بعض جگہ رد بھی کیا ہے اور کامیاب بھی ہوئے
 ہیں۔ یہی حال ابن ندیم کا ہے اور کہنا پڑتا ہے۔

نشت اول چوں ہند معمار کج تا نژاد می رود دیوار کج
 بات یہ ہے کہ اس طرح کی جو روایات ملتی ہیں ان کا مرتبہ خبر آحاد سے آگے نہیں بڑھتا علماء اصول
 نے اس کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے اور اس طرح کی جلد روایات با تو کسی آیت کی شرح و تفسیر
 ہونے یا قراۃ اور مذاکرہ میں جن کو اصحاب مصاحف قدیمہ نے لکھ دیا ہے موطا امام مالک میں بسند
 صحیح ہر روایت موجود ہے جس میں یہ فقرہ ہے حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی وصلو
العصر وقوموا للہ قانتین۔ یہ روایت بھی اسی قبیل کی ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ نے اُس حضرت معلم
 سے بطور تفسیر و تشریح کے سنا تھا اور اپنے مصحف میں درج کر رکھا تھا نہ کہ قرآن سمجھ کر اسی طرح کی
 روایات اور تشریحات کو بعد کے لوگوں نے اپنے اپنے مصاحف کے اندر اپنی متن کے ساتھ درج کر لیا ہے
 چنانچہ کتاب اختلاف مصاحف اہل المدینہ و اہل الکوفہ و اہل البصرہ عن الکشاف
 و کتاب اختلاف المصاحف الخلف، و کتاب اختلاف اہل الکوفہ و البصرہ و الشام فی
 المصاحف الخلف، و کتاب اختلاف المصاحف لابن داؤد السیجستان، و کتاب
 اختلاف المصاحف و جمیع القراءات المدائنی، و کتاب اختلاف المصاحف الشافعی
 و المجاہز و العراف لابن عامر البیہقی، و کتاب محمد بن عبد الرحمن الاصفہانی
 فی اختلاف المصاحف ہمارے بیان پر شاہد مدلل ہیں۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے اور تاریخی حقیقت بھی ہے جس کی تائید میں صحیح روایات موجود ہیں و
 یہ کہ اہل محض نے یہ خیال کیا کہ ہم لوگ جس قرأت پر قرآن پڑھ رہے ہیں وہ دوسرے لوگوں کی قرأت
 سے بہتر ہے کیونکہ انہوں نے حضرت مفداؤ سے قرآن سیکھا تھا۔ اہل دمشق بھی انہیں کی تائید میں
 تھے۔ اسی طرح اہل کوفہ کا خیال تھا اور یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ترجیح دیتے تھے اور اہل
 حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے تسک کرتے تھے چنانچہ ان کے مصحف کا نام (باب الملوب) رکھا گیا تھا
 حضرت عثمان غنیؓ نے اس اختلاف کو محسوس کر کے حضرت حفصہؓ رضی اللہ عنہا کے پاس سے وہ
 قرآن طلب فرمایا جو عہد نبوی میں لکھا جا چکا تھا اور اس کی نقلیں ممالک اسلامیہ میں بجاوادی گئی تھیں

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر تاریخ اسلام قیامت تک ناکر سکتی ہے اور یہی وہ بات ہے جس کو قاضی ابوبکر انتقار میں فرماتے ہیں انما قصد جمعہم علی القرآن ان... الثابتة المعروفة عن النبي صلعم وانما هما اللس كذلك... خشية دخول الفسح والشبهة علی من یاتی بعد۔

لہذا حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک یا دو سورتوں کی زیادتی بھی ہیں جس سے ختم ہوجاتی ہے کیونکہ حسب تصریح اور باب سیر وتلمیخ حضرت ابی کی وفات عہد فاروقی میں مدینہ کے اندر ہوئی ہے اور نقل مصاحف کی تاریخ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ثابت ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے سامنے حضرت ابی کا مصحف نہ رہا ہو یقیناً تھا جیسا کہ ”مسند السعود“ اعلیٰ بن محمد میں ہے۔
 • فقلا عن کتاب ابی جعفر محمد منصور وروایہ محمد بن مزید بن مروان فی اختلاف المصاحف ان القرآن جمعه علی عہد ابی بکر مزید بن ثابت وخالعه فی ذلک ابی وعبد اللہ بن مسعود... واخذ عثمان مصحف ابی وعبد اللہ بن مسعود... فضلسها وکتب عثمان مصحفا لنفسه، ومصحفا لاهل المدينة، ومصحفا لاهل مکه، ومصحفا لاهل الکوفة، ومصحفا لاهل البصرة، ومصحفا لاهل الشام۔
 ان شہادتوں کے عہد حضرت ابیؓ اور ابن مسعودؓ کے مصاحف کے اندر سورتوں کی کمی بیشی کی بھر کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے ناہتہر وایا اولی الالبصار

رہ گئی یہ بات کہ حضرت ابیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے مرتب کردہ مصاحف ابی بن سیدوطیؒ نے خود یکے کے بعد حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کا مرتب کردہ قرآن نو شیخ زبجانیؒ نے کھنڈر میں بخت کے اندر خط کوئی میں لکھا ہوا دیکھا ہے جس کے آخر میں تحریر ہے کتبہ علی بن ابی سہب فی سنة اربعین من الهجرة۔ اگر یہ مشکوک ہے تو ابی مذہب و سیدوطیؒ کا دیکھا کہیں نہ مشکوک نہ تھا پس سب مشکوک ہیں اور قطعی وہی قرآن ہے جو حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ وغیرہم کے عہد میں پہلے میں بطور حکم، غور و زری سے پہنچے اور صلح دامن کے لئے اوپر اٹھایا گیا تھا وہی قرآن تھا اور ہے

جو محمد عثمانی میں افق عالم میں بھوایا جا چکا تھا اور عہد عثمانی میں صحابہ کا اس پر اتفاق اور اجماع ہو چکا تھا چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لہی اس نکتہ عثمانیہ میں موجود تھے ملاحظہ ہو التبیان فی اداب حلقۃ القرآن دردی، اور امامیہ کے مسلم الثبوت مجتہد و محدث علامہ عبداللہ رنجانی کی تاریخ القرآن۔

مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود کی جانب جو غلط انتسابات ہیں ان کی حقیقت واضح ہو جاتی اور مزید کاوش کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے لیکن حسب وعدہ عروس قرآن کے پیر سے اس گرد و غبار کو بھی پاک کرنا ایک دینی اور علمی خدمت ہے جو بد قسمتی سے اپنے ہی بندگان کے عدم تدبیر کی بنا پر اسفارِ حدیث میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱) داقل ابن حجر فی شرح البخاری قدح من ابن مسعود الکامل المعوذتین فخرج احمد وابن حبان عنہ انہ کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفہ۔

۲) اخرج غیرہ ان عبد اللہ بن مسعود کان یحک المعوذتین من مصحفہ و یقول اھما لیستامن کتاب اللہ۔

۳) اخرج النبیاسر والطبرانی من وجہ اخر ان ابن مسعود کان لا یقرء بمساو کذلک کان بری ہذا المرأ فی فائحة الکتاب۔

اس لئے حضرت ابن مسعود کے مصحف میں سورتوں کی کل تعداد ۱۱۱ ہوتی ہے مذکورہ ۱۱۰۔ جن کتابوں میں ایک سو دس منقول ہے وہ یا تو سہو کا تب ہے یا غلط ہے لہذا تین کے بجائے چار کی کمی کو ماننا اور معوذتین و فاتحہ کے علاوہ کو پوچھنا ابن مذہم اور سیوطی کی تقلید کی بنا پر ہے نہ تحقیق۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن حجر کی روایت پرستی مشہور ہے اس لئے ہم خود اس سے زیادہ کہنا چھوٹا منہ پری بات سمجھتے ہیں البتہ امام ابو محمد علی بن حزم اندلسی کی تحقیق جن کے متعلق ابن بشکوال کی شہادت ہے کان ابو محمد اجمع اھل الاندلس قاطبۃ لعلوم الاسلام وادسعھم معرفۃ۔

اور حافظ ابو عبداللہ حمیدی کا یہ فقرہ ماسرائیاً مثله (التاج المکمل) جلالتِ علم و تحقیق کے

فے سب سے بڑی دستاویز ہے۔ مذکورہ بالا روایات پر نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں علامہ ابن حزم نے
 میں ہذا کذب علی ابن مسعود و موضوع۔ یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود کی جانب سے مذکور
 بلا سورتوں کے قرآنیت کا انکار بیان کیا جاتا ہے یہ جھوٹ اور گڑھی ہوئی جعلی روایات ہیں۔

شیخ نووی شارح مسلم کا ارشاد ہے ان المسلمین اجمعوا علی ان المعوذتین والفاتحة
 من القرآن، ومن جحد منها سیدھا کفر۔ وما نقل عن ابن مسعود باطل لیس صحیح ^{الشیخ}
 امام نووی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن مسعود سے جو نقل کیا جاتا ہے لغو اور باطل ہے اور ہرگز اس
 طرح کی روایات صحیح نہیں ہیں۔ اور جو قرآن کے کچھ حصہ کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں ان ابن مسعود کان ینکر کون سورۃ الفاتحة والمعوذۃ
 من القرآن، وهو قول فی غایۃ الصعوبۃ والا غلب علی الظن ان نقل هذا الذہب
 عن ابن مسعود نقل باطل

ظاہر ہے کہ صحابہ کے عہد مبارک میں جب متواتر ان سورتوں کا قرآن ہونا مسلم ہو چکا تھا تو
 پھر انکار کے کیا معنی گویا معاذ اللہ، قرآن کا متواتر ہونا اس وقت ثابت نہ تھا حالانکہ اس کا کوئی شہد
 نہیں لہذا تواتر کے بعد انکار کفر کے مراد ہے اور یہ بات ابن مسعود کی طرف جو منسوب کی جاتی ہے
 بے اصل اور لا طائل ہے۔

احادیث کے تتبع سے بھی مذکورہ بالا تحقیقات پر روشنی پڑتی ہے خود موطا امام محمد میں حضرت
 عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت موجود ہے واذا صلی وحدۃ قرء فی الاولین بغایتۃ الکتاب
 وسورۃ الخ۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ ابن مسعود اسی طرح فاتحہ کو قرآن کی سورہ مان رہے ہیں جس
 طرح دوسری سورتوں کو۔ قتال ندبیر۔

ہم اوپر ثابت کرتے ہیں کہ جب عثمان غنی نے تمام ممالک محروسہ میں عہد نبوی کے مدق قرآن
 کی نقلیں بھیج کر آئندہ کے سادے جھگڑے ختم کر دئے تو پھر ابن مسعود کے معصوم میں کی کا سوال کی
 مدق نہیں رکھا کیونکہ ابن مسعود کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی ہے اور حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ

مسئلہ کے بعد غالباً مسئلہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ نقل قرآن کی تاریخ شہادت سے بہت پہلے کی ہے
یعنی مسئلہ یا باختلاف روایت مسئلہ میں اگر کسی کو اصرار ہی ہو کہ مصحف ابن مسعود میں صرف چند
سورقوں کی کمی تھی اور اپنے ثبوت میں انھیں کمزور اور لاعلم، باطل اور موضوع روایتوں اور مدعی کٹاؤ
سے استفادہ کرے تو ہم کو یہ حق حاصل ہے کہ جہاں سے تم کو یہ بے سرو پا باتیں ملی ہیں وہیں بے فقرہ بھی
ہے خوفت بنیم عبد اللہ یا عمر بن الخطاب بالحدود والتمام الطاعة یعنی بخیر عثمان بن مسعود ابن مسعود
کو جب حضرت عثمانؓ کے مصحف "الامام" میں کچھ توقف ہوا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنی
پانی کو عثمانؓ کے مصحف کی مطاعت کا حکم دیا اور خاموشی پر مجبور کر دیا۔ لیجئے "جرگٹ گئی تھی تو لڑائی ہو گئی"
البتہ شیخ ابن حجر کا یہ فرمانا "عم ابن مسعود الکاسر المعودین" کو کیسے غلط مان لیا جائے
کہونکہ حافظ ابن حجر کا تجربہ مسلم ہے تو پھر ابن حجر، قاضی ابوبکر باقانی، صاحب روح المعانی، صاحب
فوائح الرحمت، فرید دہدی اور صاحب شرح مواقف وغیرہم کی توجہات کو کیوں نہ تسلیم کر لیا جائے
اور شاد ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی ان سورقوں کے کلام اللہ ہونے میں قطعاً شبہ نہ تھا وہ
وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصد و قیہ
اور علاج تھا معلوم نہیں کہ غلط کی غرض سے آماری گئی یا نہیں اس لئے ان کو مصحف میں درج کر دیا
اور قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نادر وغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے حالانکہ عبداللہ بن مسعودؓ
کے اس فعل سے بھی کسی صحابی نے اتفاق نہیں کیا۔ اسی بنا پر اجماع ہو گیا۔ فذلک الاحادیث مالا یلتفت
الیہ لہذا قرآن آج بھی وہی ہے جو لوح محفوظ میں تھا باقی غلط خلاصہ یہ کہ یہ ہے صحت قرآن کی علمی و تاریخی
تحقیق کا ایک ادنیٰ اشارہ و کو کفر الکافرین۔

ان بزرگوں کے اسہارا کی | اغانی اور اصحاب کے ائمہ موجود ہے کہ فرزدق کو جریر ہمیشہ باؤں میں بٹہری پڑھائی
جنہیں تم سے کہ نہیں نظر | عار دیا کرتا تھا لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرزدق شاعر نے کہا کہ ایک بار
میں اپنے والد کے ہمراہ جنگ کی طرف گیا وہاں حضرت عثمانؓ نے میرے باپ سے کہا کہ اپنے لشکر کے کو قرآن مجید
حفظ کرو چنانچہ جب تک میں نے حفظ نہیں کیا بیڑی پڑی رہی۔ چنانچہ فرزدق نے ایک سال میں حفظ

کیا اور دین کے غم میں اپنے اسی واقعہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

وما صبہا علی فی حدید مجاشع مع القید الا حاجۃ لی امریدھا
مجاشح کی جبری جو میرے پیروں میں پڑی تھی اس کی وجہ صرف ایک مقصد تھا جسے میں حاصل
کرنا چاہتا تھا۔

باقی اسامیہ میں۔ ہشام بن کلبی نے تین روز میں قرآن حفظ کیا (مذکرہ الحفاظ)۔ سفیان بن عیینہ
نے چار سال کی عمر میں حفظ کیا (مستطانی)۔ قاضی ابو محمد اصفہانی نے پانچ سال کی عمر میں حفظ کیا
(علی ہادی)۔ امام شافعیؒ نے سات سال کی عمر میں حفظ فرمایا (تاریخ الخلفاء)۔ سہل بن عبد اللہ
تستری نے چھ سال کی عمر میں حفظ کیا (خریۃ الاصفیاء)۔ میر سید اشرف سمانی نے سات سال
کی عمر میں حفظ کیا (خریۃ الاصفیاء)۔ جلال الدین سیوطی نے آٹھ سال کی عمر میں حفظ کیا (حسن الحفظ)
مولا سید محمد بن نصیر آبادی نے نو برس کی عمر میں ایک سال کے اندازہ میں حفظ کر لیا (دایا گار سلطنت)
مذکورہ بالا اسامیہ حفاظ کے نقل کرتے کلمہ مدعا ہے کہ آج درس قرآن کا بڑا درد اور شہو ہے مگر
حفظ قرآن پر کبھی توجہ نہیں درس قرآن مزید بہتر چیز ہے مگر آج درس کون دے رہا ہے؟ وہ جس نے
بقول مساندہ سے پڑھا اور ذاد عربی سے اتنی مامست ہے کہ تفسیروں کو سمجھ سکے یہ نہایت خطرناک
ہم ہے اور جس کا مشاہدہ آج ہر ہر قدم پر ہو سکتا ہے۔ یہ فریضہ اہل علم کا ہے نہ کہ کلام کے صاحبزادوں
کا۔ سچ ہے ہر لوہو اس نے حسن پرستی شعار کی ”ابا بروئے شہوہ اہل نظر گئی“ البتہ قرآن میں نصیب
حاصل کرنا بالکل آسان ہے لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے بلکہ اس
عظیم و جلیلہ کلام کے متعلق ایسا لگان کیوں کر کیا جاسکتا ہے جس پر عمریں بیت گئیں اور صدیق گذر
گئیں مگر اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے عجائب و اسرار ختم نہ ہو سکے خود اس کتاب الہی سے معلوم
ہوتا ہے کہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ اس خدا کی آمار ہی ہوئی ہے جس کے احکام
علیٰ زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و حقائق
اختبار فیہ، احکام و قوانین، اور وہ اسرار خفیہ جن کی تک بدون توفیق الہی کے عقول و انہام انسانی

کہ ساری نہیں ہو سکتی اور اس کتاب کی تاثیر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کام نہیں سنسٹر میں جو رہ اور ان کے مقلدین کا مبلغ علم سطحی اور فشرنگ محدود ہے ان کی ساری کاوش عقلی نظریات، احصاء و ترتیب، جمع اور تفریق قرآن تک ہے لیکن منقرآن سے من کو دنیا کا وہ نہیں نہ قرآن کی موسیقیت و جاذبیت، اسلوب اور اعجاز سے کوئی سروکار ہے اور نہ تاثیر اور کلام کی قد سبت سے بہرہ۔ بقول سنائی

عروس حضرت قرآن نقاب نگہ بر اندازد کدر الملک ابماں را محمد بنی از غوغا

پھر عروس قرآن اپنے جلال جہاں آرا کے نقاب کشائی کی قرب کرے تو کیوں کر کہے یا تو پھر احمق جیسے ماہر کلام عرب سے پوچھو کہ قرآن کیا ہے جو نہ حافظ تھا اور نہ اسرارِ نشی کا عالم مگر جب سورۃ فاتحہ کی ہر آیت کریمہ کی بے پڑمی السارق والسارقة الخ اور مجلے عزیز حکیم کے غفور الرحیم پڑھو یا تو چونک اٹھا اور کہا کہ ذرا قرآن لا دیں غفور الرحیم کا موقع نہیں ہے کیا بات ہے چنانچہ قرآن وہ یا گیا تو عزیز حکیم تھا بیک اٹھا کہ اگر یہ نہ ہو تو خدا کے کلام ہونے میں مجھ کو شک ہو جانا غیر اس ہا یک نکتہ کو تو سمجھی ہی سمجھ سکتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ کلام پر بصیرت و فداقت بخشے لیکن نتج بھی جب ایک حافظ پڑھتے پڑھتے بھول جانا یا الٹ پلٹ کر دیتا ہے تو غیر حافظ کو کھٹک پیدا ہو جاتی ہے اور بغیر احب قرآن جہاں نہیں آتا۔ یہ صرف کلام الہی اور اس قرآن کی خصوصیت ہے جو حفظ و معنی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ جس کے آج ہزاروں لاکھوں حافظ موجود اور بقول حضرت ربیع بن انس صدیقنا جلیلہم رفاقنا ان کے سینے گویا کتب منزل میں بلی ہو آیات بیانات فی صد ویر اللہ یون او تو العلم۔ جس طرح مجمع صد پر شاہد عدل اسی طرح وقالوا اساطیر الاولین الکتبہا جمعی علی علیہ بکرتہ و اصیلا جمع کتابی پر واضح شہادت ہے اگر زمانہ نے مساعت کی اور پیش نظر کاموں سے فرصت ہو گئی تو انشا اللہ بعض دوسرے اہم مباحث اضافہ کر کے دلائل القرآن کو مکمل کر دیں کہ وہی اسی پر گفتار تاجوں۔ رَبَّانَا لَا تُؤْخِذْنَا اِنْ سَيِّئْنَا وَلَا تَنْسِنَا اِنْ اَخْطَاْنَا۔ والسلام علی من اتبع الهدی

دربار الہی اسلام کی منظر میں

از

(جناب مولوی محمد ظفر الدین صاحب استاذ دارالعلوم ممبئیہ سابقہ)

زیر ترتیب کتاب ”نظام مساجد“ کے دو باب مختلف عنوانوں کے تحت آپ ”برہان“ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، آج اسی کتاب کا ایک تیسرا باب پیش خدمت ہے۔ (برہان) مساجد کے اجتماعی نظام کی مختصر تفصیل گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائی، جس سے ان گھروں کی دینی اور دنیوی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا، اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ان کا جو ہمارے لئے کس قدر ضروری ہے اور قدرت نے اس سلسلہ کو قائم و دائم فرما کر ہم پر کتنا احسان کیا اب بتانا ہے کہ اسلام نے ان مقدس درباروں کو کیسے سراہا ہے اور ان کی قدر و منزلت کس سپر ایہ میں بیان کی ہے، یکسر ان کو مشکوٰۃ نبوت کی روشنی میں دیکھئے اور کتاب الہی میں تلاش سب سے پہلے اس سلسلہ میں کتاب الہی کی چند آیتیں درج کی جاتی ہیں جن میں صاف مطلقاً میں ان کی شرافت و قبولیت کا اعلان کیا گیا ہے، اور ان کی ظاہری و باطنی وقعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے،

ساجدہ کا ہی | دنیا اور دنیا کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں اور سب کی سب اسی کی قدرت سے خلعت وجود سے ممتاز ہیں، دنیا کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے، جس کو کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نہیں، لیکن جس کو اللہ تعالیٰ خود کہہ دے ”یہ میرا ہے“ اس کی قسمت لکھ لی جاتا اس کی عزت و قبولیت اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیتی ہے جو دوسرے کے حصہ میں نہیں ہے انہی میں، مقدس دربار الہی میں جن کو ہم ”مسجد“ کے مختصر لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ان کی نسبت سب اہمیت نے اپنی جانب فرمائی ہے اور ان کو اپنے ذکر کے لئے مخصوص فرمایا ہے، جس میں کسی اور

کی شرکت منظور نہیں۔

اِنَّ الْمَسْجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ
 اللّٰهِ اَحَدًا (رجن ۲۰)

مسجدیں اللہ ہی کی ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی کو
 مت پکارو۔

اللَّهُ أَحَدًا (رجن-۲)

میت لکھو۔

بلاشبہ نسبت ساری دوسری نسبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس نسبت سے جو شرافت اور زندگی حاصل ہوتی ہے وہ اور شرافتوں سے بلا توجہ تخصیص کی مزید عزت اس کی وقعت و قیمت کا زیر دست مظاہرہ ہے۔

مسجد کی خدمت کسی کو جب اپنا بنالیا جاتا ہے تو پھر یہ گوارا نہیں ہوتا ہے کہ اس کو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ جو اس کا مخالف ہو، کیونکہ جب اس کو مالک سے عقیدت نہیں، دل میں اس کی خشیت و محبت نہیں اور وہ اس کے احکام پر اطاعت کا سر نہ کہنے والا نہیں ہے تو یقینی طور پر وہ اپنی مفوضہ خدمت کو بحسن و خوبی ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لے گا، پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مشرکوں اور فاجرین کو جب مسجد اور اس کے مالک سے ملجی لگاؤ نہیں تو اس مسجد کی خدمت رب العزت ان کے ہاتھ میں کیوں کر چھوڑے گا، ارشاد فرمایا

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ

مشرکوں کی لیاقت نہیں ہے کہ اللہ کی مسجدیں

اللّٰهُ شَٰهِدٌ عَلٰى اَنفُسِهِمْ

آباد کریں جس حالت میں کہ وہ اپنے ادب پر کفر و انکار

بِالْكَفْرِ (توبہ - ۳)

کا اقرار کر رہے ہیں۔

یہ دوبار الہی کے احترام کا اظہار ہے تاکہ ان گھروں کی قدر و منزلت دلوں پر نقش ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گھر اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں ان کی وہی خدمت کریں جو خدا کے دوست ہوں جن کے دل میں اس کی خشیت و محبت گھر کر چکی ہو تاکہ وہ ان کے بنانے میں عقیدت و محبت کی پوئجی صرف کر سکیں اور یہ سمجھ کر خدمت کے لئے کمر باندھیں کہ یہ دنیا کے پزیر و کار کا گھر ہے اور اس کے چاہ و میل اور اس سے عرض و نیاز کا دربار ،

مذکورہ میں آں کو ابھی درج ہے کہ رب ذوالجلال و الاکرام نے جن کو حقِ نمیر بخشا ہے، ان کے لئے غامری

اور معنوی دونوں طرح کی پابندی رکھی ہے، اپنی ان کا دل اور باطن بھی مومن ہو اور ظاہر اور جسم بھی،
قلب ایمان کی دولت سے سمور ہو تو جسم عمل کی دولت سے مالا مال۔

إِنَّمَا يَتَّقِ مَنْسَجِدَ اللَّهِ مَنْ أَمَنَ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
وَأَتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ
فَعَصَى أَمْرًا أَن يَكُونُ مِنَ
الْمُهْذَبِينَ (توبہ-۳)

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا اپنی لوگوں کا کام ہے جو اللہ
پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور نہ کسی پابندی
کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ کے سوا کسی سے ڈریں
ہیں اپنی سے تو یہ ہے کہ مقصود کو پہنچ جائیں۔

۱۔ ایمان باللہ“ لاکر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کو سچی عقیدت ہو، اور اپنے کو صحیح معنی میں
احکام الہی کے تابع قرار دے لے اور ”آخرت پر ایمان“ سے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ اس کو اپنے سامنے
کاموں کے حساب و کتاب کی ذمہ داری کا پورا احساس بھی ہو اور پھر اس میں کامیابی اور ناکامی پر
ثواب و عقاب کا یقین بھی، یہ دل اور نیت کی اصلاح کی شرط ہے باقی ظاہری طور پر بھی وہ ایسا
ہو جس سے خدا پرستی نمایاں ہو، بدنی اعتبار سے بھی اور مالی لحاظ سے بھی، جس کو ”اقامت صلوٰۃ
اور ادائے زکوٰۃ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کاموں میں شہرت و
عزت اور دیار و سمعہ کا فریب آجائے اس لئے یہ بھی فرمادیا گیا کہ یہ سب کسی اور کے خوف سے نہ ہو
بلکہ جو کچھ ہو، رب العزت کی خشیت سے ہی ہو جس کو ”وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ“ کے مختصر حصہ میں
بیان فرمایا ہے، ماحصل یہ ہے کہ مقابلہ کے وقت چاہے وہ ذہنی ہو چاہے خارجی اللہ تعالیٰ کی
خشیت غالب رہے،

کوئی جب ان ساری خصوصیتوں سے سرفراز ہو کر دوبار الہی کی خدمت انجام دے گا تب
کہیں جا کر وہ اس کام میں حق راستہ کو پائے گا اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ ان میں سے شاید کوئی شخص
بھی مشرک میں نہیں پائی جاتی، بخلاف مومن کے، کہ وہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ایمان کا حامل ہوگا،
دوبارہ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کی خدمت کے لئے ان قیود کو کیوں بیان فرمایا، کیا ان

سے مسجدوں کی عظمت و شوکت کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔

پھر کے معنی | تعظیم کا لفظ بہت سے معنوں کو شامل ہے۔ کرنی فرماتے ہیں

اعمالہ مسجد مسجد اللہ ای بنحو البناء
والتزین بالفرش والسمراج
والعبادة وترك حديث الدنيا
و دنیا کی باتیں مسجد میں نہ کرنا۔

(جل ص ۲۶)

مسجد کی تعظیم و تکریم | اوپر کی باتوں میں مسجدوں کی بنیادی حیثیت ظاہر کی گئی ہے اب ان کے علی پہلو پر
ادرا س میں مباد | نظر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا مقصد رکھا ہے اور وہ ان گھروں میں کیا چاہتا
ہے کیونکہ کسی چیز کی تعمیر خود مقصود بالذات نہیں ہوتی، بلکہ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے
مصلح و حکم مطلوب ہوتے ہیں، ارشاد ربانی ہے۔

فِي مَبْنُوتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ
قُبُلُكُمْ فِيْهَا اَسْمَاءُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيْهَا
ان گھروں میں حکم دیا اللہ نے کہ ان کی تعظیم کی جائے
اور ان میں اس کا نام لیا جائے اور صبح و شام اس
کی پاکی بیان کریں۔

اس آیت میں ”مبوت“ سے مراد مسجدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ
ان کی تعمیر کے بعد یہ فرض ہے کہ ان کی تعظیم و تکریم کا حق ادا کریں اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں اللہ
تعالیٰ کی یاد ہوتی رہے اور دن رات اس کی تقدیس بیان کی جائے اور ہر دم سے تسبیح و تہلیل
آباد رکھا جائے، اگر اس میں کوتاہی ہوئی تو پھر مسجد کا حق پورا پورا ادا نہ ہوا اور یہ سب اس طرح
سے ہو کہ دل و دماغ پر یہ امر مستحضر رہے کہ ہم اللہ کے گھر میں ہیں، تاکہ دربار الہی کے آداب میں فرق
نہ بنے جائے، بلکہ آداب کا خیال اس کی لذت کو دو چند کر دے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کو نصین کر لینا
چاہئے کہ تعظیم و تکریم کے لوازمات اس کو میسر نہیں ہیں۔

بہر حال یہ بات تو روشن ہو گئی کہ مسجدوں کا وجود اس لئے عمل میں آیا کہ ان میں ذکر و تشریف

گو بیچ ہوا دکان میں پہنچ کر رب العزت کا دھیان تازہ ہو جائے، اور جس جگہ اتنا اہم کام ہو جگہ اسی نے اس کا وجود عمل میں آیا ہو اس کی اہمیت کتنی ہوگی یہ ہر شخص یا سانی سمجھ سکتا ہے۔

اخلاصِ نصیب | پھر افتد کی یاد ہو تو کس طرح ہو کہ ظاہر سے زیادہ باطن پر اثر انداز ہو، یا دالہی میں یہاں کسی کی ذمہ برابر کمیز نہ ہونے پائے، اور دلِ اخلاص کے استعاہ سمندر میں ڈوبا ہو ویسا تو باخدا جہاں بھی ہو قافلہ ہی ہو لیکن خصوصیت سے اس جگہ اور بھی خلوص و دلہیت کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے، کہ یہ دیباہ الہی ہے، اور محبوبِ حقیقی کا جلوہ آنکھوں کے سامنے ہے،

وَأَقِمُّوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ اور تم اپنا چہرہ ہر مسجد کے پاس سیدھا رکھو اور
وَأَذْكُرُوا مَنَاصِبَ لَهُ الدِّينِ (اعراف ۳۰) اللہ تعالیٰ کی عبادتِ مخلص بن کر کیا کرو۔

مسجدوں کی بڑائی کے ذکر کا یہ بھی ایک پیرایہ ہے کہ وہاں پہنچ کر دل میں کھل سے پاک کر لو اور نیت کے کل پُرنے اخلاص کے آبِ زمزم سے دھو ڈالو تاکہ کہیں سے شرک نہ ہو نہ کھنے پائے کیونکہ یہ وہ دربار ہے جہاں خدا سے سرگوشی ہوتی ہے اور یہی وہ گھر ہے جس کو دنیا کی جنت سے تغیر کیا جائے تو غلط نہیں،

طہارتِ نفاست | باطن میں جس عقیدہ نے جڑ پکڑ لی، ظاہر میں اس کے برگ و بار پیدا ہونے ضروری ہیں جس کی عزت ہم دل میں کریں گے یعنی طور پر عمل سے اس کو ظاہر بھی کرنے کی کوشش کریں گے یہی وجہ ہے کہ درجہ کمال میں ایمان و اسلام ایک ہو جاتے ہیں، ایک طرف تصدیق بالہجاء کا حکم ہے تو دوسری طرف عمل بالہجاء کا بھی مطالبہ موجود ہے، تو جب قرآن نے مساجد کے باطنی معنی کا حکم فرمایا: اِسَاقِیْہِ ظَہَرِیْ ظَہَرِیْ احترام کو بھی نہ چھوڑا، ارشاد فرمایا

يَا أَيُّهَا آدَمُ خُذْ زِينَتَكَ عِندَ ابْنِ آدَمَ کے بیٹو! مسجد کی ہر عارضی کے وقت اپنا لباس زمینت پہن لیا کرو۔ (اعراف ۳۱)

یعنی جب عرض و نیاز کے لئے، مناجات اور سرگوشی کے لئے دربار الہی میں آؤ تو عینِ منہل لباس زیب تن کر لیا کرو، جو پاک و صاف اور شرعی حدود کے مطابق ہو تو اہم الحاکمین کے سامنے

ان کے دبار میں حاضری دے رہے ہوں تو ظاہری آداب کا بھی پورا پورا لحاظ رکھو، تاکہ ظاہری طور پر بھی کسی کو بے ادبی کا شبہ نہ ہو سکے، یہ درست ہے کہ وہ پہلے دل کی گہرائی کو دیکھتا ہے مگر دل کی صفائی کا آخر جسم پر ہونا بھی ضروری ہے اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ دل کی دیرانی کے ساتھ زہیہ ذہنیت ہوتی ہے وہ کسی درجہ میں مطلوب نہیں۔

لیکن موجودہ دور میں دین کی عدم محبت کی وجہ سے لباس میں جو بے پرواہی ہوتی ہے وہ بھی کسی درجہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اس آیت سے مسجد کے لئے حسنِ ہیئت کا حکم بھی مستفاد ہوتا ہے جو مسجد کی بزرگی و احترام کا ایک دلنشین طریقہ ہے، تفسیر ابن کثیر میں ہے اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نماز کے وقت ہیئت اچھی سے اچھی ہونی چاہئے،

صاحب تفسیرات احمدی لکھتے ہیں

ومن السنة ان ياخذ الرجل
احسن هيئة للصلوة وفيه
دليل على وجوب ستر العورة
في الصلوة (ملک)

سنت ہے کہ نماز کے لئے اچھی سے اچھی ہیئت اختیار کرے اور اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ نماز میں ستر عورت واجب ہے۔

بہر حال قرآن پاک نے مسجدوں کی تنظیم و تکریم کے دونوں پہلو بیان کئے ہیں اور ان کی تقدیر فرماتے ہوئے ہر طرح ذہن نشین کرنا چاہا ہے
مسجد کا خاتم سب مسجدوں کی عظمتِ شان کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جو ان کی مخالفت کرے وہ عند اللہ سے بڑا فاسق ہے | مستحب قرار پائے اور واقعہ ہے کہ جس کو خدا ظالم کہے اس سے بڑھ کر معنوب بھی کون ہو سکتا ہے چنانچہ ایک آیت میں یہی بیان ہے کہ جو دربارِ الہی کی مخالفت کسی طرح بھی کرتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں، کیونکہ ان کی عظمت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان میں داخلہ ہوتو خلعتِ الہی اس پر چھائی ہوتی ہو،

خداوند متعال

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ
اللَّهِ أَنْ يُدْعَىٰ فِيهَا اسْمُهُ وَيُحْمَدَ
فِي خُرَاجِهِمْ أَوْ لِيَتَذَكَّرَ لَكُمْ
أَنْ تَدْعُوا لَهُمْ خُلُوعًا إِخْلَافِينَ لَهُمْ
فِي الدُّنْيَا خُرَاجًا لَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ (نورہ - ۱۴)

اس سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا، جو اللہ تعالیٰ کی
مسجدوں میں ذکر اللہ کو بند کر دے اور اس کی دیرانی
کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو کبھی بے باک ہو کر
ان میں قدم بھی رکھنا چاہئے، ان کی دنیا میں ہی پوری
ہوگی اور آخرت میں بھی ان کی سزا سخت ترین ہوگی

شانِ زرد میں اگر یہ آیت خاص ہے گراپنے حکم میں عام ہے، اور تمام مسجدوں کا یہی حکم
ہے، جو کوئی بھی مقاصدِ مساجد کی تکمیل میں مانع بنے گا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی یاد کو قصداً روکے
گا اور عذاب ہوگا، اور عند اللہ وہ بڑا ظالم قرار پائے گا، اس میں شبہ نہیں ہے کہ اپنے حال کے
اعتبار سے کفر و شرک ہی ظلمِ عظیم ہے مگر اس لحاظ سے کہ تخریبِ مساجد کے خواہاں دوسروں کو ہدایت
سے روکتے ہیں اور اسلام کے ایک بڑے شعار کو مٹاتے ہیں وہ اپنے اس فعل میں کفر و شرک سے
بھی بڑھ کر بڑے کام کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ یہ دربار الہی روئے زمین پر اسلام کا ایک بڑا شعار
اشغال کی حفاظت میں اساجد کی اہمیت کا ایک اور طرز بیان اختیار فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کدب لغت
ان مقدس گھروں کی حفاظت و نگرانی فرماتا ہے کوئی قوم جب حد سے تجاوز کرتی ہے اور معابد کے
مثلنے کے درپے ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اس طرح اپنے معبدوں کی
نگرانی کر کے اسے پالتا ہے،

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهَدَّتْ بَنَاتُ صَوَامِعَ وَبَنَاتُ
وَصَلَوَاتٍ مِّنْ مَّسَاجِدٍ يُدْعَىٰ فِيهَا
اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (۲۰)

اگر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں میں ایک دوسرے کا اند
نہ لگاتا تو اپنے اپنے زمانہ میں نصاریٰ کے عبادت
اور خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور
مسلمانوں کی وہ مسجدیں جن میں بکثرت اللہ تعالیٰ کا
نام پڑھا جاتا ہے منہدم ہو گئے ہوتے۔

اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہوا ہر زمانہ میں اس وقت کی شریعت کے مطابق جو گھر
 بھی بنائے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور ان کو دشمنوں کے دست برد سے بچایا اور
 ہمارے دور جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی ہوئی شریعت کا دور ہے اور یہ آخری شریعت
 ہے اس کے مطابق جو صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے گھر میں ان کی بجانب اللہ حفاظت ہوتی
 رہی ہے اور ہوتی رہے گی، بعض حفاظت ایسی ہوتی ہے جس کو ہم محسوس نہیں کر پاتے ہیں اور
 بعض کو ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔

تاریخ میں مسجد حرام پر ابراہیم بادشاہ کے حمل کی داستان تازہ ہے اور اس کا جو حشر ہوا
 وہ قرآن پاک مبینیٰ کتاب میں مندرج، ارشاد باری ہے
 وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ طُفْرًا مِّنْ مَّاءٍ يَّابِئِلُ يُزَكِّيهِمْ لَعَنَّا آخِرَتَهُمْ سِجِّيلٌ فَخَطَّاهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُولِي (مکہ)
 یہ کس قدر کھلی حفاظت تھی، جو تاریخ میں اب تک تازہ ہے،
 مسجد سے متعلق قرآن پاک کی یہ چند آیتیں جو مصرع ہیں پیش کر دی گئیں، غرض جو تذکرہ کیا
 ہے اسے یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے، ان میں بار بار غور کیجئے اور ہر پہلو سے ان میں فکر و نظر سے
 کام لیجئے۔

اب آئیے رحمت عالم صلعم کے چند ارشادات بھی ملاحظہ کر لیں تاکہ ان درباروں کی وقعت
 و حرمت کھل کر سامنے آجائے اور جو پہلو اچاگر نہ ہو سکا ہے اس پر ایک ہلکی روشنی پڑ جائے، کیا
 عجب ان سے وہ گھر ہیں کھل جائیں، جواب تک نہ کھل سکی تھیں۔

سہارنہ کو پیاری ہے | حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
 رب العزت کے یہاں شہروں میں محبوب ترین مسجدیں ہیں اور مغفوض ترین بازوئیں،
 مسجدیں آئے دل | ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان صبح شام مسجد میں حاضر
 اللہ کے جہن میں | ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں مہمانی کا کھانا تیار کرتا ہے، جو جنت میں

۱۔ مسلم باب فضل المساجد ۱۲۲۱ ج ۱

صبح و شام ہمانی پیش کی جائے گی، مسجد میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر کہلاتی ہیں اور یہ مستحب ہے کہ عورتیں ہمان کی دعوت کرتی رہیں، تو بات سمجھنے کی ہے کہ نازی کھانا اللہ تعالیٰ کے ہمان پورے، لہذا اللہ تعالیٰ یہاں کے جلد وہاں جنت میں ہمانی پیش کرے گا۔

نور کمال کی بنیاد ایک بار آپ نے ان لوگوں کو جو تاریکی میں بھی مسجد حاضر ہوتے ہیں نور کمال کی بنیاد سنائی۔

نور المشائین فی الظلمۃ الی اللہ
بالنور التام یوم القیامۃ
التومنی (مشکوٰۃ باب المساجد)

مسجد کا مری رحمت ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں اس دن اپنی کاندھ پر ہے پناہ دے گا جس دن اس سایہ کے سوا کوئی اور سایہ ہی نہ ہوگا، ان سات میں ایک وہ شخص ہوگا کہ وہ جب مسجد سے نکلتا ہے تو واپسی تک اس کا وہ بیان اسی طرف لگا رہتا ہے، ایک حدیث ہے کہ جو شخص مسجد میں داخل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے تب عزت اسے نقصان، خسران وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا جس شخص کو دیکھو کہ مسجد سے محبت کرتا ہے اور اس کی خدمت کرتا ہے، اس کے مومن ہونے کی شہادت دو،

حدیث میں "تمہاد" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مسجد کی نگہداشت و خبر گیری کرنا، اس کی محافظت و حرمت کرنا، چارہ و دینا، نماز پڑھنا، عبادت میں مشغول رہنا، ذکر کرنا، علوم دینی کا درس دینا۔ ان تمام معنی کو یہ لفظ شامل ہے۔

جلال سیل اللہ ایک دفعہ آپ نے مسجد جانے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ رحمتِ الہی میں غوطہ لگاتے دے ہیں ایک دوسری حدیث میں ہے کہ وہ جاہل فی سبیل اللہ ہیں۔

لہ مشکوٰۃ باب المساجد و واضح الصلوۃ عن البخاری و المسلمۃ ایضاً ایضاً عن ابی داؤد و ایضاً عن ابن ماجہ و غیرہ

مساجد شہ کے گھر میں مسجدوں کی عظمت کو مختلف پیرایوں میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ان کو اللہ تعالیٰ کے گھر سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

المساجد بیوت اللہ وقد ضمن الله
لمن كانت المساجد بيته بالروح
والراحة والجوار على الصراط
الى الجنة (کنز العمال ج ۶ ص ۱۱۱)

مسجد میں خانہ خدا میں، اور یہ جن کا گھر ہے اللہ تعالیٰ
نے اس کے لئے ہر بانی، آرام اندہ بل صراط سے
گزار کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت لی ہے۔

یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ گھر اور چہار دیواری میں سکونت کا محتاج ہے، ان تمام چیزوں سے اللہ تعالیٰ پاک ہے مطلب یہ ہے کہ ان گھروں پر اس کا خاص فیضانِ رحمت ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں مسجدوں کو آخرت کا بازار کہا گیا ہے۔

مساجد جنت کے باغ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دانشمندانِ طریقہ سے فرمایا۔ تم جب جنت کے باغوں سے گذر دو تو آسودہ ہو کر کھائی لو، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا، کہ جنت کے باغات کون؟ ارشاد ہوا مساجد۔ پھر پوچھا گیا آسودہ ہو کر وہاں کھانا کیوں کر؟ ارشاد فرمایا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد۔

مساجد نیکی بہتر ہیں اور بابرِ رسالت میں ایک یہودی پہنچا اور اس نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے بہتر جگہ کون سی ہے؟ رحمتِ عالم صلعم نے یہ سن کر سکوت فرمایا اور کہا مرا یہ سکوت روح الامین کی آمد تک ہے، اب ابھی اسی حال میں تھے کہ حضرت جبریل امین تشریف لے آئے، حضورؐ نے ان میں کہ میں نے وہ سوائے ان پر پیش کر دیا، جبریل امین فرماتے تھے مرا علم اس سلسلہ میں اب سب سے زیادہ نہیں ہے ہاں پروردگارِ عالم سے معلوم کر کے بتا سکتا ہوں، پھر تھوڑی دیر میں حضرت جبریل امینؑ آگئے لگے اے اللہ کے پیارے رسول! میں دربارِ انبوی میں حاضر ہوا، اور اس قدر قریب ہوا، جتنی قربت کسی نہ ہوئی تھی آپؐ نے پوچھا وہ نزوی کی کیسی تھی، روح الامین نے جواب دیا، مرے اور ربِ تعالیٰ

نے منکوحہ ابی اساجد بن عمری

کے درمیان ستر ہزار فوری پردے مائل تھے، پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے سوال کو جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا کی بدترین جگہ بازار میں اور اس کی بہترین جگہ "مساجد" مسجہد کی برکت حضرت معاذ بن حنفیہؓ ایک جلیل القدر صحابی ہیں ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ خلافت موعود صبح کی نماز میں تاخیر ہو گئی، معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب نکل آئے گا، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اقامت کہی گئی اور آپ نے نماز پڑھائی اور بہت لمبی نماز پڑھائی، سلام پھیرنے ہی کا وار دی، تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جاؤ، راہی کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف منوجہ ہوئے اور فرمایا ناخبر کی وجہ بیان کرنا ہوں، بات یہ ہوئی کہ میں رات میں نیند سے بیدار ہوا، جو کچھ نماز میرے لئے مقدر تھی وضو کر کے ادا کی، پھر حالت نماز ہی میں غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور بوجہ اس ہو گیا کہ مناسب اپنے کو پروردگار عالم کے پاس پایا، جو اپنی احسن صفت کے ساتھ جلوہ گر تھے، ارشاد باری ہوا اے محمد! میں نے کہا لبیک کہا، حکم ہوا: بتاؤ ملا اعلیٰ کے فرشتے کس باب میں جھک گئے ہیں اس سوال کو میں نے بار فرمایا میں نے ہر بار یہی کہا "لا ادری" (میں نہیں جانتا) آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت مجھ پر ڈالا۔ تا آنکہ اس کا نمایاں اثر میں نے محسوس کیا، اس کے بعد ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی، اور میں نے ان کو خوب اچھی طرح جان لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! آپ کہتے ہیں کہ میں نے لبیک کہا، حکم ہوا ملا اعلیٰ کس بات میں الجھ رہے ہیں۔ اب میں نے کہا "کفار" میں (یعنی گناہوں کا کفارہ کون عمل بنتا ہے) ارشاد باری ہوا، وہ کیا ہیں؟ میں نے جواب میں کہا

(۱) کھانا کھانا دار مسکینوں (محتاجوں کو)

(۲) نرمی سے بات چیت کرنا دزیر دستوں اور ٹوٹے ہوئے دل والوں سے)

(۳) اور نماز پڑھنا رات میں، جب لوگ خواب استراحت کے مزے لوٹ رہے ہوں، پھر آپ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مانگیں جو چاہئے ہو، آپ فرماتے ہیں، کہ میں نے اس وقت یہ دعا مانگی۔

۱ مشکوٰۃ باب المساجد عن ابن حبان

”اللّٰهُمَّ اسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَأَنْ تُغْفِرَ لِي
وَإِذَا أَمَرْتُ فِتْنَةً فَتَوَفِّئْ خَيْرَ مَفْعُولٍ وَأَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ
مَنْ يُحِبُّنِي إِلَى حُبِّكَ“

اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ سب جتنی ہے پس اسے یاد کر لو اور پڑھو

مسجد شہار اسلام | مسجد شہار اسلام سے ہے، حدیث میں ہے کہ تم جب کوئی مسجد دیکھو، یا اذان
سن لو تو پھر قتال نہ کرو دوسرے یہ کہ مسجد محل صلوٰۃ اور مرکز عبادت ہے جہاں رحمت اللہ کا جہیز
ترشح ہوتا رہتا ہے اور یہ مسجد اسی درجہ سے کعبہ کے مشابہ ہو جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے کہ جو پاک صاف ہو کر گھر سے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے
نیت کی پاک | حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رحمت عالم مسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو میری ایسا
مسجد میں کسی پاک اور اچھی نیت سے آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کی مانند
ہے، اور جو کسی اور نیت سے آتا ہے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے، جو دوسرے کی متاع
چھانی ہوئی نظروں سے دیکھنا ہو، ایک دفعہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد میں جس ارادہ سے آتا ہے
وہی اس کے حصہ میں آتا ہے۔

صاحب شفعۃ اللغات نے ”امثال الاعمال بالنیات“ والی پہلی حدیث کے ضمن میں مثال
دے کر بتایا ہے کہ مسجد میں کتنی مختلف نیتوں سے آدمی آ سکتا ہے اور پھر ہر ایک کا اجر بتایا ہے، اور
اور تمام نیتوں کا اجر حدیث ہی سے ثابت کیا ہے تفصیل دیکھنا ہو تو ہاں ملاحظہ فرمائیے،
قرآن اور احادیث میں مسجدوں کے متعلق جو کچھ آیا ہے امید ہے اس کا خلاصہ اس مختصر
مضمون میں آگیا ہے، دانا دینا اور عقل والوں کے لئے اس میں بڑی وسعت ہے،

یہ جو کچھ لکھا گیا وہ یکسر مساجد کے متعلق، مگر مسجد کی عظمت ایک اور طریقہ سے بھی سمجھنے

مشکوٰۃ باب المساجد عن الزمذنی داحد نے حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۹۲ مشکوٰۃ باب المساجد ج ۱ ج ۱

فضل الھدی المسجد

کی کوشش فرمائیے کہ یہ عظیم الشان دربار، دینی و دنیوی اعتبار سے کتنا بلند ہے
 مسجد کی قربت اس گھر کی بڑائی کا یہ حال ہے کہ اس کا قبض و کرم پڑوس کو بھی نہیں محروم کرتا، رحمت
 کی چینٹیں اڑ کر ان پر بھی پڑتی رہتی ہیں، جس سے ان کا درجہ بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے ارشاد
 نبوی ہے۔

فضل الدار الفہیۃ من المسجد مسجد سے جو گھر قریب ہیں اس کی فضیلت
 علی الناسجۃ کفضل الغازی دور والے گھر پر ایسی ہے جیسی غازی کو گھر
 علی القاعد (کنز العمال ص ۱۲ ج ۴) میں بیٹھنے والے پر فضیلت حاصل ہوتی ہو
 دیکھا آپ نے، کہ پڑوس کا مرتبہ بھی کتنا اونچا ہو گیا، یہ قریب اور اس پاس کے مکانات
 اپنے دوسرے مکانات سے سبقت لے گئے، اور ایسا کیوں نہ ہو، جہاں رحمت الہی کی بارش
 ہوتی ہے، جو جلوہ گاہ خدا ہے اور جس کو دنیا کی جنت کہا گیا ہے۔ یقیناً اس کا پڑوس بھی اس سے
 کچھ نہ کچھ نفع اندوز ہو گا ہی۔

تسکین خلد اگر اس کے ساتھ قدرت کا یہ انصاف بھی ہے کہ جو دور رہتے ہیں ان کو بھی محروم
 نہیں کیا ہے بلکہ ان کو بھی کسی نہ کسی طرح یہ حصہ عطا کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
 ان اعظم الناس اجرا فی الصلوۃ زیادہ اجر ان کے لئے ہے جو دور دور سے چل کر آتے
 الجہد ہم الیہا ممشی فالجہد ہم ہیں اور جو مسجد اگر جامع سے نماز پڑھتے ہیں
 والذی ینتظر الصلوۃ حتی یصلیہا تنہا نماز پڑھ کر سونے والے سے بہتر ہیں۔
 مع الامام اعظم اجر امن الذی
 یصلیہا ثم ینام

(مسلم باب کثرة النفا الی المسجد فضل الذی ینام)

اس حدیث میں ان کے لئے تسکین کا مواد فراہم کیا گیا ہے جو مسجد سے دور رہتے اور
 رہتے رہتے ہیں، اور پڑوس کی محدودی کا تدارک اس ثواب عظیم سے کیا گیا ہے جو دور سے چل

کرائے میں ہوتا ہے اور اس چلنے کے ثواب کی کثرت کا یہ حال ہے کہ کوئی قدم ثواب سے خالی نہیں ہے۔

مسجد میں ثواب حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ ہمارا گھر مسجد سے دوری پر تھا، ایک موقع سے میں نے ارادہ کر لیا کہ اپنا گھر بیچ ڈالوں اور چل کر مسجد نبوی کے پڑوس میں (جس حد تک ممکن ہو) بسوں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس ارادہ سے روک دیا اور فرمایا ان لکھ کل خطوة در حجة ان لکھ کل خطوة در حجة (مسلم باب كثرة الخطا الى المساجد ج ۱ ص ۲۵۹)

حضرت جابر کا بیان ہے کہ مسجد نبوی کے پڑوس میں کچھ جگہ خالی ہوئی، قبیلہ بنو سلم جو مسجد سے دوری پر آباد تھا اس کا ارادہ ہوا کہ پڑوس میں آکر آباد ہو، اور پہلی جگہ چھوڑ دے یہ خیر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا، انھوں نے انبات میں جواب دیا، آپ نے جب ان کا یہ ارادہ ملاحظہ فرمایا تو ان سے کہا

یا بنی سلمۃ دیسا کہ تکتے تاسر کہ اے بنی سلمہ! اپنے مکانوں کو ختم پکڑو، تمہارے نشان قدم رکھے جائیں گے، اپنے مکانوں کو ختم پکڑو۔ تمہارے نشان قدم رکھے جائیں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ نے ان کو ترغیب دی کہ جہاں تھے وہیں رہیں دوری سے نگہرائیں یہ دوری بھی باعث ثواب بنتی ہے یعنی رہاں سے چل کر جب مسجد آتا ہوتا ہے تو چلنا زیادہ پڑتا ہے اور اسی اعتبار سے ثواب میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ یہاں ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے، پھر یہ بھی ایک برطعت بات ہے کہ آدمی جب گھر سے با وضو مسجد کے لئے نکلتا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہوتا ہے اس طرح اجر میں کچھ اور اضافہ کی توقع ہے۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا

لا بعد فلا بعد من المسجد مسجد سے جو جس قدر دور ہوتا اور وہ آتا ہے اس

اعظم اجلی

حضرت آئی بن کعبؓ ایک نصاریٰ کا اقداسیان کہ تھے ملکہ یہ صاحب مرے علم میں مسجد سے رنادرلوں میں، سب سے دور رہنے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ ہر وقت بہ پابندی کھج حاضر ہوتے تھے، کبھی بھی ان کی جماعت نہیں جوئی علی ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ کاغذ آپ سواری کے لئے ایک گدھا خرید لیتے، تاکہ آپ کو راست کی تاریکی اور پتے دن میں مسجد جانے میں آرام دیتا، انہوں نے یہ سن کر فرمایا، مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں مسجد کے قبل ہوتا اور مجھے کی مشقت سے بچتا، بلکہ مری تو خواہش یہ ہے کہ آنے جانے میں جو قدم انھیں ان تمام کے نشان قدم مرے نامہ اعمال میں لکھ دئے جائیں آنے کے بھی اور واپسی کے بھی، اس شخص نے علیؓ علیؓ السلام کو حیب اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا آمدورفت دونوں کے ثواب اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا کیے۔

ایک دفعہ رسولِ تعالین صلعم نے ارشاد فرمایا کوئی جب پاک و صاف ہو کہ وہ صوفی
مسجد کے لئے چلا ہے کہ فریضہ ادا کرے تو ایسے شخص کا ایک قدم گناہ گشتا ہے اور دوسرا
کے لینے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

سفر کا اسی میں سب کا حامی | مساجد کی ایک عظمت شان یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس ہوتے تو سب سے پہلے مسجد ہی میں تشریف لاتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے وہیں لوگوں سے مل کر گھر تشریف لے جاتے آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا و اسی سفر و حضر و ستر و سرگشا تھا کہ مسجد میں اترنے نماز ادا کرتے، پھر منزل مقصود کی طرف چلتے اب بھی مسلمانوں کے لئے یہ طرز سفر و حضر ہے۔

احکام و ایک سنت طریقہ ہے اور بیش قیمت فوائد پر مشتمل ہے اس کے لئے یہی حکم مقرر ہے

المسلم باب فضل الصلوة المكتوبة في جامع الخوارج ٢٢٩ هـ في بيان ما مسلم باب استحباب ركعتين في المسجد من قدم صفوفه ٢٣٠ هـ

احبیات تذرفالب

(حباب آلم مظفر تھو)

وہ نگاہ میں ہوں سلاخی دور و پنہاں ہو گئیں
میری نظروں سے ملیں اور پھر وہ جاں ہو گئیں
سب سے غم خانے کی سب شمعیں نور ہو گئیں
گھٹتے گھٹتے - دل میں آہیں کاہش جاں ہو گئیں
جو ٹکاہیں پر وہ جہلوہ سے جبرداں ہو گئیں
سب قفس کی تیلیاں شلیخ گلستاں ہو گئیں
کون ان سے یہ کہے زلفیں پریشاں ہو گئیں
میری خاطر رونق بانا را مکاں ہو گئیں
نا خدا کہتا ہے جن کو عسری طوق ہو گئیں
حسب کی ساری رگیں زنجیر زنداں ہو گئیں
یہ بہاریں وہ ہیں جو باسند زنداں ہو گئیں
گلشن ہستی کی مبادیں بھی دیراں ہو گئیں
اے زہے قسمت جواب فریادیں ہو گئیں
جب نفائیں بھی یہاں کی دشمن جاں ہو گئیں

وہ نگاہ میں ہوں سلاخی دور و پنہاں ہو گئیں
میری نظروں سے ملیں اور پھر وہ جاں ہو گئیں
سب سے غم خانے کی سب شمعیں نور ہو گئیں
گھٹتے گھٹتے - دل میں آہیں کاہش جاں ہو گئیں
جو ٹکاہیں پر وہ جہلوہ سے جبرداں ہو گئیں
سب قفس کی تیلیاں شلیخ گلستاں ہو گئیں
کون ان سے یہ کہے زلفیں پریشاں ہو گئیں
میری خاطر رونق بانا را مکاں ہو گئیں
نا خدا کہتا ہے جن کو عسری طوق ہو گئیں
حسب کی ساری رگیں زنجیر زنداں ہو گئیں
یہ بہاریں وہ ہیں جو باسند زنداں ہو گئیں
گلشن ہستی کی مبادیں بھی دیراں ہو گئیں
اے زہے قسمت جواب فریادیں ہو گئیں
جب نفائیں بھی یہاں کی دشمن جاں ہو گئیں

کادھو نندگی میں جبرِ نظرت سے آلم

جتنی دیریں تھیں سب تقدیراں ہو گئیں

جس آشتیاں پہ ناز تھا وہ آشتیاں نہیں

(جناب شیر محمد نوری بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ملک)

اب میرے دل میں کوشش ہو گئی ہے	ریخِ قفس، فراقِ شبنم گراں نہیں
پہاں تری نظر سے مرا آستان نہیں	جو پہلہ درمیاں تھا وہ اب درمیاں نہیں
اس آگ میں بہت تو ہے لکین جس کا نہیں	دل جل گیا مگر مرے لب پر فقاں نہیں
محدود آشتیاں مری آہ و فقاں نہیں	گلشن کا ذکر کیا ہے لرزنی ہے کائنات
یہ ماجرائے غم ہے کوئی داستان نہیں	حالِ دل تباہ سنیں آپ غم سے
نیری نظرِ نظر سے تو ملے کہاں نہیں	دیدِ حرم کی فید سے ہو کاش بے نیاز
دنیا ہے ناشناس کوئی رازِ دواں نہیں	فطرت نے یہ سمجھ کے اٹ دی تھا رخ
اب گردِ کارواں بھی پسِ کارواں نہیں	کہوں کر سکون ہو دلِ حسرتِ نصیب کو
اہلِ نظر کے واسطے ساحلِ کائنات نہیں	ہر موجِ بحرِ عشق ہے ساحل لے ہوئے
دنیا سمجھ رہی ہے جہاں میں وہ نہیں	لگ راز ہے کنالِ محبت میں بے خودی

رودادِ انقلابِ چین کیا کہوں مشیر

جس آشتیاں پہ ناز تھا وہ آشتیاں نہیں

یہ شعر جناب شیر محمد نوری بی۔ اے۔ بی۔ ٹی ملک کی ہے۔ اس شعر میں جناب نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔ اس شعر میں جناب نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔ اس شعر میں جناب نے اپنے دل کی بات کہی ہے۔

تبصرہ

مشکلات القرآن | از مولانا ذوالکبر اصلاحی تطبیح خود و مقامات ۱۹۰ صفحات طباعت
 و کتابت بہتر قیمت دو روپیہ پتہ ۱۔ ابو الخیر صاحب مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ روپیہ
 مولانا حمید الدین الفراسی مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے حقائق و مطالب پر غور و فکر
 کرنے کی نعمت و دولت خاص سے نوازا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کتاب الہی کے
 فہم و درک میں صرف کر دی اور اس میں شبہ نہیں کہ مولانا مرحوم نے اپنی عمر سبھی گوشوں کے
 جو نتائج متحد تصنیفات کی شکل میں یادگار چھوڑے ہیں مجموعی اعتبار سے قرآن مجید کے فہم
 اور اس کے مشکلات کے حل میں بہت مدد و معاون ثابت ہوئے ہیں مولانا کی تفسیر کی خصوصیت
 یہ ہے کہ وہ بڑی حد تک قرآن کو قرآن سے ہی سمجھنا چاہتے ہیں مولانا نے اپنے اس ذوق کو اپنی
 حکمت ہی محدود نہیں رکھا بلکہ وہ مخلص خادین قرآن کی ایک ایسی جماعت بھی چھوڑ گئے جو انہیں
 کے طریق تادیل و تفسیر کی روشنی میں کتاب حکم کی خدمات انجام دے رہے ہیں مولانا ذوالکبر
 اصلاحی بھی انہیں میں سے ایک ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب موصوف کے بارہ مقالات کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر مقالہ قرآن مجید
 کی کسی ایک آیت کی تفسیر اور اس سے متعلق ضروری مباحث پر مشتمل ہے ان سب مقالات
 میں مولانا فراموشی رحمتہ اللہ علیہ کا انداز فکر نمایاں ہے جو ہمارے نزدیک کہیں کہیں تفسیر ماراٹے
 کی حد میں داخل ہو گیا ہے اور اس اعتبار سے اس پر کلام کی کافی نگاہیں ہے مثلاً ما کان
 لنبی ان یقول لہ اسرئ الایۃ میں ان کا پہلے دعویٰ کہ اس آیت کے جتنے شان نزول ہیں
 وہ قرآن اور عقل دونوں کے خلاف ہیں اور اس سلسلہ میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے اس

ہزار سال پہلے | جناب مولانا عبد منافرا حسن صاحب گیلانی تقیہ متوسط مقامات

میں صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد علم، پتہ۔ انجمن ثمرۃ الترمیت سورجیانی دیوبند۔ دارالعلوم دیوبند کے سورتی طلباء نے ثمرۃ الترمیت کے نام سے ایک انجمن قائم کر دی ہے جس کا مقصد طلباء میں تحریر و تالیف کا ذوق پیدا کرنا اور اچھی کتابوں کا شائع کرنا ہے خوشی کی بات ہے کہ اس دوسرے مقصد کا آغاز انجمن نے ایک ایسی فاضل ہستی کے رشحاتِ قلم سے کیا ہے جو خود ناظرۃ دارالعلوم کی انجمنی کاپی کا ایک چمکتا ہیرا ہے اس کتاب میں فاضل مصنف نے تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے نامور مسلمان سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی کتابوں کی مدد سے اپنے سے ایک ہزار سال پہلے کے ہند، چین، مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے حالات۔ رسوم و عوائد۔ ادب و تہذیب۔ سماجی اور اقتصادی معاملات و تعلقات اپنے مخصوص انداز میں بیان کئے ہیں اور واقعات کے بیان کے ساتھ ان سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر ہوتا گیا ہے اس اعتبار سے یہ کتاب معلومات افزا مفید اور دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز و نصیحت آموز بھی خاص ہندوستان کے حالات میں مسلمانوں کے ساتھ اس زمانہ کے ہندوؤں اور بدھوں کے سنگفہ و خوشگوار تعلقات کی جو تصویر اس کتاب میں نظر آتی ہے اس سے حقیقت بالکل صاف نمایاں ہو جاتی ہے کہ آج کل دونوں قوموں میں جو کشیدگی بلکہ منافرت پائی جاتی ہے اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن بہر حال مذہب اس کی بنیاد پر گز نہیں ہو سکتا جیسا کہ فاضل مصنف نے خود مقدمہ میں لکھا ہے یہ کتاب دراصل موصوف کی چند منشور اور غیر مرتب یادداشتوں کا مجموعہ ہے جو پہلے قسط دار در سالہ دارالعلوم میں چھپتا رہا اور پھر طلباء کے اصرار سے چھپانے اس کو نظر ثانی اور ترتیب کے بغیر یہی کتابی صورت میں چھاپنے کی اجازت دے دی۔ اس بنا پر اس میں مذہب و ترتیب اور ربط مضامین ہے جو ایک پہلے سے سوچی ہوئی تالیف میں ہونا چاہئے اور مذہب و جامعیت معلومات ہے جو مولانا موصوف ایسے وسیع النظر عالم کی تصنیف میں متوقع ہو سکتی ہے۔ تاہم کتاب موجودہ حالت میں بھی بلا این مطالعہ اور دلچسپ ہے اور اگر یہ کتاب و طباعت کی غلطیاں بھی بکثرت رہ گئی ہیں لیکن پھر اس کا نامہ جو ہے اس کے ساتھ ساتھ انجمن

حوصلہ افزائی اور رواد کی مستحق ہے

نوائے حیات | طبع دوم از جناب سچئی اعظمی صاحب تقطیع کلاں ضخامت ۲۰۴ صفحات کتابت و جہافت بہتر قیمت ہے پتہ ۱۔ دار المصنفین اعظم گڑھ۔

جناب سچئی اعظمی اردو کے مشہور اور معیاری شاعر ہیں۔ موصوف شاعری کے شبلی اسکول کے تخلص رکھتے ہیں اس لیے ان کے کلام میں اس اسکول کی تمام خصوصیات خلا خالات میں نظر اور عظمت ابیان میں صفائی اور سہرائی، روانی اور سلاست۔ تراکیب میں شکوہ و ممانت پورے درجہ پائی جاتی ہیں ابتذال اور درخشاں عام سے بچنے کا یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ بقول مولانا سید سلیمان ندوی کے جنہوں نے اس مجموعہ پر آٹھ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے ”اس پورے مجموعہ کلام میں نہ ایک شعر یا مصرعہ بھی ایسا نہیں ہے جو تخلص یا شاعر کے نام کی شرکت سے آلودہ ہو“

اس مجموعہ میں غزلیں تو برائے بیت ہی ہیں اگرچہ جتنی بھی ہیں کیفیت سے خالی نہیں پورا بڑے نظموں اور قطعات پر ہی مشغول ہے جو مختلف عنوانات مثلاً حمد و نعت۔ صلوة و سلام۔ اور کمال۔ ہم عصر۔ قومی، ملی و سیاسی، اخلاقی، ادبی اور نچرل مناظر سے متعلق لکھی گئی ہیں اردو کے علاوہ فارسی کی بھی چند نظمیں اور قطعات ہیں اس میں شب نہیں کہ یہ مجموعہ کلام ہمارے حیات کے عناصر صالحہ میں ایک قابل قدر اضافہ ہے جس میں دعوتِ عمل بھی ہے اور حسنِ خیالی جس ادیبی جو شاعری بھی ہے اور حکمت بھی جس میں کیفیت و رنگینی بھی ہے اور لطافت و شگفتگی۔ درود و آخر بھی ہے اور حوصلہ و امید بھی جیسا کہ ہم نے کہا لائق مصنف کی زبان شگفتہ اور باوقار ہے لیکن اس کے باوجود یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بعض بعض متردک لاسنتھال الفاظ مثلاً ”نیک“ لے بیاتے نیک۔ سکھانے کے بجائے شکھانا (ص ۷۰ و ۱۵۰) سے اجتناب نہیں کیا گیا ہے سی طرح بعض ترکیب بھی صحیح نہیں ہیں مثلاً ”سراپا درد مند حیات“ اور اشرف المخلوقات ص ۷۰ و ۱۵۰ کہ سراپا درد مند حیات ”اور اشرف المخلوقات“ ہونا چاہیے تھا۔

امورِ شبلیاں | از مولانا سید امداد علی تقطیع خود ضخامت ۷۹ صفحات کتابت و جہافت

بہر قیمت ۱۲ روپے ۱۔ اولیٰ عالمی دہنی رام روڈ نئی نادر کلی لاہور۔

اس مختصر کتاب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت ہاجرہ سے لے کر مصر کے مشہور لیڈر سعد زاقول پاشا مرحوم کی بیوی صفیہ خانم تک مختلف اسلامی ملکوں کی اٹھائیس ٹاپوگرافک حالت اور ان کی زندگی کے بعض اہم واقعات بہت مختصر طور پر بیان کئے گئے ہیں کہیں کہیں بعض شخصیتوں کے متعلق جو تاریخی مباحث پیدا ہو گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت ہاجرہ کون تھیں؟ باندی ہاجرہ کشمیر کی لاجپور ہندو تھی یا مسلمان؟ ان کی طرف بھی اشارے کئے گئے ہیں۔ زبان صاف ستھری اور سلیس ہے کتاب سببیت مجموعی اور ہر ایک قانون کے قلم سے جو شخصیت کے میدان میں فوارہ میں داماد قدر افزائی کی مستحق ہے۔

تفسیر منظرِ بَری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کے لئے بہت سی کتابیں مرقوم ہیں کہ حضرت قاضی ثناء اللہ بانی تہذیبیہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیات کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوشہ زیبا کی بجائے ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ سالہا سال کی رسی پٹ کو ششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ اس عظیم تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کا تعداد پچاس سالہ طباعت و کتابت کی گرائی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں مل رہی ہیں۔

ہر جلد جلد اول تقطیع ۲۹۲۲ء سات روپے، جلد ثانی سات روپے، جلد تیس

سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے، جلد ثانی از طبع، جلد رابع ہم، جلد ششم از طبع

مکتبہ برہان لاہور بازار جامع مسجد علی

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت علیؓ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت سٹیل جلد میٹر
اسلام کا اقتصادی نظام - دقت

کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للکڑ جلد چھ
مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للکڑ جلد ص

مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ
لغت قرآن پر یہ مثل کتاب - جلد اول طبع دوم

قیمت للکڑ جلد ص

جلد ثانی - قیمت للکڑ جلد ص

جلد ثالث - قیمت للکڑ جلد ص

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور

مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم ایس پی ایچ ڈی کی

محققانہ کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ

قیمت للکڑ جلد ص

ہندوستان میں مسلمانوں کا

نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت للکڑ

جلد ثانی - قیمت للکڑ جلد ص

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی

اور مباحث تصوف پر جدید اور محققانہ کتاب

قیمت عام جلد سٹیل

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات

جاث و مستند ذخیرہ - صفحات ۶۰۰ تقطیع

قیمت عام جلد سٹیل

ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد

کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -

قیمت عام جلد سٹیل

تحفۃ النظائر یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن

معد تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند

قیمت عام

قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی

ترویجی کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کا

جلد اول جلد ع

جلد دوم جلد سٹیل

وحی الہی

مسند وحی اور اس کے تمام گوشوں کے

پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسند پر لیے

اندر میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کا

کام ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہو

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت عام جلد

منیر ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد مدینہ

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

خاص۔ جو خصوص حضرت کم سے کم پانچ سو روپے بیکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محتاجیت سے خدمت بخشیں گے ایسے علم فاضل صاحب کی خدمت میں اداسے اور مکتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر باگی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہونے رہیں گے۔

ن۔ جو حضرات کچھ سو روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محتاجین میں شامل ہوں گے۔ بے خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خاص ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبہ برہان کی بعض ادوار اور رسالہ برہان کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

ا۔ جو حضرات اشلہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ محتاجین ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان جس کا سالانہ چندہ چھ سو روپے ہے پیش کیا جائے گا۔

نہام۔ ندوۃ ادرا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے اہل میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت و مطلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر طلباء کے لئے ہے۔

رسالہ برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۵ اورتالیخ کو شائع ہوتا ہے۔
(۱) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان وادب کے معیار پر مبنی
ان میں خارج کئے جاتے ہیں۔

راہنہام کے بہت سے رسالے لوگ خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے
سے زیادہ ۵۰ تالیخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پچھ دو بار بلا قیمت بھیج دیا جائے گا۔
در شکایت قابل مانتا نہیں بھیجے جائے گی

طلباء اور کے لئے در آمد کے کمپٹ باجوابی کاروبار میں بھیجنا چاہیے۔ غریبوں کی خبر کا حال پر سوال ضروری ہے۔
سالانہ چندہ ششماہی میں بھیج دیا جائے۔ (۱) حصول علم کی ہرچہ دس گئے۔
درآمد کو وقت کوئی ہر نامی کل پتہ ضرور لکھئے۔

دلیس ہر طرح بشر نے جہاں بھی میں لکھ کر دفتر برہان آدو بازار جاتے دلی غریبوں سے شائع کیا۔

Nov 50.

ندوة المصنفين ديني كالمى ودينى ماہنامہ

پیشکش کنندہ علامہ
محمد رفیع

18 NOV 1950

برہان

مرتبہ
سعید احمد بے آبادی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست جمع کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو اندازے کے حقوق کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید

ایڈیشن جس میں نظرتانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں۔ قیمت ۳۰، جلد ۱۱

سلسلہ تاریخ ملت - مختصر وقت میں تاریخ

اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی

ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں

سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشین انداز میں لکھا

گیا گیا ہے۔ قیمت ۳۰ جلد ۱۱

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)

عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا

دل پذیر بیان۔ قیمت ۳۰ جلد ۱۱

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)

قیمت ۳۰ جلد ۱۱

خلافت عباسیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)

قیمت ۳۰ جلد ۱۱

خلافت عباسیہ (تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ) قیمت ۳۰ جلد ۱۱

خلافت عباسیہ - جلد دوم (تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ) قیمت ۳۰ جلد ۱۱

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ

سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفات... قیمت ۳۰ جلد ۱۱

فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے

اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو

مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ۳۰ جلد ۱۱

غلامان اسلام - اسی سے زیادہ غلامان اسلام

کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی

بیان - جدید ایڈیشن قیمت ۳۰ جلد ۱۱

اخلاق و فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق

پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں

غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب

کو زیادہ دل نغیز اور سہل کیا گیا ہے۔

قیمت ۳۰ جلد ۱۱

قصص القرآن - جلد اول تبسرا ایڈیشن

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات

و واقعات تک۔ قیمت ۳۰ جلد ۱۱

قصص القرآن - جلد دوم حضرت یسٰ

حضرت یحییٰ کے حالات تک تبسرا ایڈیشن۔

قیمت ۳۰ جلد ۱۱

قصص القرآن - جلد سوم - انبیاء علیہم السلام

کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان

قیمت ۳۰ جلد ۱۱

بُرْهَانُ

شماره ۵

جلد سبت و پنجم

نومبر ۱۹۵۰ء مطابق صفر المظفر ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

۲۵۸	سید احمد	۱۔ نظرات
۲۶۱	حضرت مولانا سیدنا خواجہ حسن صاحب گیلانی	۲۔ خردین حدیث
۲۶۲	مولانا ابو سلمہ شفیق احمد بیدی دستار دار	۳۔ امام دار قطنی
۲۹۱	حضرت مولانا محمد خداداد صاحب سکریٹری	۴۔ مسئلہ قرآنی اور مسلمان
۳۰۳	جناب منشی عبدالقدیر صاحب	۵۔ مولوی محمد
۳۱۰	از خواجہ احمد قادری ایم۔ اے	۶۔ چندی کتابیں
		۷۔ آیات
۳۱۶	جناب آلم مظفر بخاری	۸۔ ریاستان قرض
۳۱۷	(س)	۹۔ نقد و تہذیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرت

ایک خبر ہے کہ ابھی حال ہی میں پنڈت نہرو لکھنؤ تشریف لے گئے تو اپنے ایک بیان میں انھوں نے اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار فرمایا

”میں بہت دنوں کے بعد لکھنؤ آیا ہوں یہاں تو بڑی تبدیلی معلوم ہوتی ہے جو مکانوں اور دکانوں کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ یہاں کی بولی میں جو تبدیلی ہوئی ہے اس کا اثر میں نے محسوس کیا ہے میں نے اپنے آپ کو ابھی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جلنے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں آپ اسے سمجھیں گے بھی یا نہیں؟ یہاں جو اشتہار چسپاں دیئے ہیں اور نوٹس دیئے ہیں ان کا تو میں ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا چوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں یا تو دہلی میں رہ کر بہت کچھ بھول گیا ہوں یا اس شہر نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ میں خود بہت پیچھے رہ گیا ہوں۔“

(ہماری زبان مورخہ حکیم ذہیر شاہ)

بھارت کے وزیر اعظم اور انٹرنیشنل شخصیت کے مالک ہونے کے باوجود ہمارے پنڈت جی کتنے بھولے اور استخوان ہیں کہ ان کو آج تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہونے کے بعد کسی قوم کے انتہائی ترقی یافتہ ہونے کی دنیا میں صرف دو ہی علامتیں ہیں ایک یہ کہ زبان بگڑنے کے ساتھ ساتھ اس کا ذہن بھی بگڑ جائے اور دوسرے یہ کہ اس ملک کا سب سے بڑا شہری اور اس قوم کا سب سے بڑا آدمی بھی اس ماحول میں اپنے آپ کو ”ابنی“ محسوس کرنے لگے اور یہ آج کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ ابھی پوری ایک صدی بھی نہیں ہوئی کہ کی سی بات ہے کہ انگریزوں نے اس ملک کے لوگوں کو جو ان کے خیال میں ناشائستہ۔ غیر مذہب اور ادھام پرست تھے تہذیب و تمدن اور ترقی و شائستگی کے زیور سے آراستہ کرنا چاہا تھا تو انھوں نے بھی تو یہ ہی کیا تھا کہ یہاں کے لوگوں کی زبان بدلی۔ صورت اور شکل بدلی اور یہی ملک

کائن کا دل اور دماغ بھی بدل ڈالا پس جب بدلنا ہی معیار ترقی ہو گیا تو اب اس کی بحث ہی بطل ہو گئی کہ تبدیلی نے شکل کیا اختیار کی ہے بہر حال جمود تو باقی نہیں رہا۔

جو شخص پنڈت جی کے خلوص اور ان کے اس جذبہ مبقرار سے واقف ہے کہ وہ کس طرح اپنے ملک کو امریکہ اور انگلینڈ کی طرح خوشحال اور ترقی یافتہ بنا دینا چاہتے ہیں وہ اس درد اور سوز و گداز کو محسوس کر سکتا ہے جو ان کے اس فقر میں کہ ”میں یہاں اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر رہا ہوں“ چھپا ہوا ہے۔ ہمیں پنڈت جی کے ساتھ اس معاملہ میں پوری ہمدردی ہے لیکن ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ یہ حالت رہنے والی نہیں ہے پنڈت جی آخر بھارت کی ناؤ کے کھیلوں ہار بھی تو نہیں جاتا مولانا حالی اس قسم کے موقع کے لئے کہہ گئے ہیں۔

رہیں گے نہ طاح یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی

خدا قبر ٹھنڈی رکھے مولانا عبد اللہ سندھی کی ان کی بعض باتیں اُس وقت سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور دل انہیں قبول نہیں کرتا تھا۔ لیکن آج حرفِ حجت ان کی تصدیق ہوتی جا رہی ہے فرمایا کرتے تھے کہ ”گاندھی جی دنیا کے بہت بڑے انسان اور بلند پایہ روحانی بزرگ ہیں میرے دل میں ان کی بڑی عظمت و محبت ہے لیکن میرے نزدیک ان سے یہ بہت بڑی بھول ہوئی ہے کہ انہوں نے سیاست کے ساتھ مذہب اور کچھ کارِ شہ جوڑ دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ مذہنی پرستی اور رجعت پسندی بھی ترقی کر رہی ہے مولانا فرماتے تھے کہ ایک مذہبی ملک میں سیاست کے ساتھ مذہب کا اتنا تعلق تو نہ صرف مناسب بلکہ ضروری ہے کہ لوگوں اور قوماں سے معاملہ کرنے وقت مذہب کے بنیادی اصول و اخلاق کا لحاظ رکھا جائے یعنی جھوٹ نہ بولا جائے کسی کو قریب نہ دیا جائے کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کی جائے لیکن ہندوستان ایسے ملک میں جہاں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب کے ملتے والے آباد ہیں وہاں سیاست پر گھٹکوں کے وقت مذہب کا اہم

لیجائی کسی خاص فرقہ یا قوم کے کلیجہ اور اس کی ردائیت کہن کا چہرہ اگر نالک کو سیاست میں آگے تو جانے کے بجائے پیچھے ہٹا دینے کا سبب ہو سکتا ہے اور اس سے فرقہ دارانہ فضا پیدا ہو کر قوم میں محبت پسندی کے چاٹیم پیدا کر سکتی ہے۔

لہذا اس سلسلہ میں ترکی کا حوالہ دیکر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کمال اتاترک کو مذہب کو سیاست سے الگ رکھنے کا نسخہ ہاتھ نہ آتا تو ترکی کا اس درجہ ترقی یافتہ ہونا تو کیا اس کا زندہ رہنا و شہر ہو جانا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ترکی سے مذہب رخصت ہو گیا ہے سخت غلطی ہے کیونکہ ترک بہر حال مسلمان ہیں اور اسلام ان کے جسم و جان میں اس درجہ پیوست ہو چکا ہے کہ وہ اگر اس کو چھوڑنا بھی چاہیں تو نہیں چھوڑ سکتے البتہ ہاں اگر سیاسیات میں ترک ہمیشہ کی طرح مذہب اور خلافت کا نام لیتے رہتے تو ملکی اور سیاسی معاملات میں ان کا نقطہ نظر کبھی ترقی پسندانہ نہ ہوتا اور دوسری جانب ترکی کی حریف طاقتیں اس کو شکستہ شب کی نظر سے دیکھ کر کبھی اسے پیچھے اور سیاسی طور پر مضبوط ہونے کا موقع نہ دیتیں۔

ملک میں سیاسی شعور پیدا ہوا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک غلامی سے آزاد ہو گیا لیکن چونکہ اس سیاسی شعور کے ساتھ قاضی پرستی، رجعت پسندی اور کلچرل عصبیت بھی بھلتی پھولتی رہی تھی اس لئے اس کا انجام یہ ہوا کہ بجائی بھائی سے جدا ہو گیا اور باب وطن اپنے دیس میں بردیسی ہو گئے اور انسانی تہذیب و بحکومت خاک و خون میں تڑپنا پڑا۔ اور پھر معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا ہے بلکہ ہر ترقی پسندانہ نقل و حرکت اور دشمنی کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ چنانچہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت جس کی پروری ملک پر حکومت بھی ہے۔ اس کے دیرینہ سال ویدار منتر صدر کا حکم کھلا یہ ارشاد اور پورے ملک سے اس کی اپیل کہ وہ گوشت نہ کھائیں۔ نمک اور گھی نہ کھائیں۔ مکھن اور شہد نہ کھائیں۔ جو تہ پہنیں کسی دوا کا استعمال نہ کریں۔ ٹیکہ یا انجکشن نہ لگوائیں یہ سب کچھ اسی سیاست کے ساتھ مذہب اور مذہب کے کلچر کے سمبندھ کا نتیجہ ہے چونکہ یہ صدر کا انگریزوں کا ارشاد ہے اس لئے بھارت کے ہر شہری کا ذہن بے حد اس پر عمل کرے اس بنا پر اگر اس ملک کے ۳۴ کروڑ انسان سب کے سب ان ولایت پر عمل کرتے ہیں تو دوسروں سے اس ملک کا نقشہ کیا ہوگا اور موجودہ اقوام عالم کے رتق میں اس کا کیا مقام ہوگا

تدوین حدیث

محاضرہ چہارم

حضرت مولانا سید منظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ اسلامیہ

(۱۰)

مان لیجئے کہ دوسو حدیثیں سہی، خیال تو کیجئے کہ جس شخص کا مسلک پر قرار دیا جاتا جو کہ وہ دنیا سے حدیثوں کے قصے ہی کو ختم کر دینا چاہتا تھا وہی کیا ڈولیک نہیں دود دوسو حدیثوں کا خود راوی بن سکتا ہے؟

اور تعداد کا یہ قصہ تو محدثین کی خاص اصطلاح کی بنیاد پر ہے، ورنہ شاہ ولی اللہ نے ازائد الختامیں فری حدیث کے بعض نکات کا ذکر کر کے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے والوں میں حضرت عمر کا شمار صحابہ کے اس طبقہ میں کرنا چاہئے جنہیں مکثرین کہتے ہیں، یعنی جن کی حدیثوں کی تعداد پندرہ یا زائد ہے بلا مؤثر۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

پس ایسے عزیزان از مکثرین باشند و شواہد میں مقدمہ بسیار است لکن بسط مقالہ میں آن باب فرستے می طلبید ^{۲۱۲} از الہ

یعنی ان بزرگوں کو چاہئے کہ طیف مکثرین (بزرگ یا ہزار سے زائد حدیثوں کی روایت کی نفی) والوں میں ان کو شمار کیا جائے اس دعویٰ کی تائید میں بہت سی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں مگر اس کی تفصیل کے لئے فرصت کی ضرورت ہے۔

لہذا صاحب نے اس سلسلہ میں چند روایات کو بھی شمار کیا ہے ”عزیزان“ کے نقطہ سے سب سے پہلی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں حضرت عمرؓ بھی شریک ہیں ۱۲

فلاصہ یہ ہے کہ جن روایتوں کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کر کے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ حدیثوں کی روایت کے قصے ہی کو ختم کر دینا چاہتے تھے قطع نظر ان کمزوریوں کے جو ان روایتوں کی سندوں میں پائی جاتی ہیں میں پوچھنا ہوں کہ ان کے مقابلہ میں صحاح کی ان حدیثوں کو کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے جن کی اتنی بڑی تعداد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے کتابوں میں ملتی ہیں۔ اور یہ مجھیں تو اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب خواہ مخواہ یہ مان لیا جائے کہ حضرت عمرؓ کی طرف یہ روایتیں جو منسوب کی گئی ہیں ان کا مقصد ہی ہے جو حدیث کے مخالفین ان سے سمجھنا یا سمجھانا چاہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ معمولی تال سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو روایتوں کے انکار سے منع فرماتے تھے، یعنی چاہتے تھے کہ کتنا و کیفا حدیثوں کے بیان کرنے میں کثرت کی راہ لوگ نہ اختیار کریں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ جن صحابیوں کو آپ نے روکا تھا، ان پر الزام حضرت کا یہی تھا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے بیان کرنے میں انکار کی راہ اختیار کی آپ کے الفاظ انکم اکثر تحریر الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بہ کثرت حدیثوں کی روایت کو وہ روکنا چاہتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے کس لفظ سے یہ سمجھ لیا گیا کہ سرے سے کلیتہً روایت حدیث کے رواج ہی کو وہ مسدود کرنا چاہتے تھے بلکہ اسی سلسلہ میں قزط بن کعب صحابی و شعبی نے یہ تصور نقل کیا ہے اور مخالفین حدیث اس کو بھی عموماً اپنے خیال کی تائید میں پیش کرنے کے عادی ہیں۔ یعنی شعبی کہتے تھے کہ حضرت قزط بن کعب نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ

خرجنا فشیعنا عمر الیٰ ہذا

ہم حدیث سے نکلے، تو میری مشائخت میں

شروع ہا جاء فتوضاء ثم قال

حضرت عمرؓ مرا نامی مقام تک آئے پھر آپ

اندرون لہو خراجت معکم

نے باقی طلب کیا اور وضو کیا، پھر فرمایا تم

قلنا اس وقت ان تشیعنا وکفنا
 قال ان مع ذلك الحاجة
 خرجت اناکم تانوں بلدتہ
 راجلہا دوی بالقرا ان
 مکد وی الفحل غلا تصد دھم
 بالاحادیث عن رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم فتشغلوہم
 جود القرآن و اقلوا المہرایہ
 عن رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم امضوا وانا
 شریککم جامع ص ۱۲۴ تذکرۃ الصحابہ

لوگوں نے سمجھا بھی کہ تمہارے ساتھ میں بھی
 (مدینہ سے نکل کر یہاں تک) کہیں آ جاؤ
 نے عرض کیا ہم لوگوں کی مشائست کے لئے
 آپ تشریف لائے اور ہماری عزت افزائی
 فرمائی حضرت عمرؓ نے تب کہا کہ اس کے سوا
 ایک اور ضرورت بھی تھی جس کے لئے میں
 مدینہ سے نکل کر تمہارے ساتھ یہاں تک آیا
 ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسے شہر میں
 پہنچ گے جس کے باشندوں میں قرآن کی
 تلاوت اس طرح گو سنجی ہے جیسے شہد کی
 مکھڑوں کی جھنجھناہٹ سے گونج پیدا ہوتی
 ہے، تو دیکھنا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی حدیثوں کو بیان کر کے تم لوگ ان لوگوں
 کو قرآن کی مشغولیت سے، روک نہ دینا
 قرآن کو استوار کرنے چلے جاؤ، اور رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے
 حدیثوں کے بیان کرنے میں کمی کیجیو۔

اب جاؤ، اور میں تمہارا ساتھی ہوں،

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان تین صحابیوں والی روایت میں حضرت عمرؓ نے حدیثیں
 کے انکار کی جہاں شکایت کی وہیں قرظہ کی اس روایت میں اپنے منشا کو ظاہر کرنے
 میں عموماً طعنی طور پر حدیثوں کی روایت سے لوگوں کو منع نہیں کیا۔ بلکہ فرمایا کہ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہے
 روایت کی بات ہے، میں تو حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کو روایت حدیث
 کا حکم سمجھتا ہوں، البتہ یہ حکم ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے، اپنی کثرت کی راہ اختیار
 کی جائے۔ ورنہ اقلال اور کسی کی شرط کی تکمیل کرتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا الفاظ کے
 ساتھ حضرت عمرؓ حدیثوں کی روایت کا یقیناً حکم دے رہے ہیں، حافظ ابن عبد البر نے
 بھی ان روایتوں کا تذکرہ کرتے ہی لکھا ہے کہ

هذا يدل على نهيه عن الاكثار
 فانه لا اقلال من الرواية
 عن رسول الله صلى الله عليه
 وسلم
 حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا الفاظ یہ بتاتے ہیں
 کہ روایت حدیث میں کثرت اور زیادتی کو وہ
 رد کرنا چاہتے تھے اور اس کا حکم دے رہے
 ہیں کہ روایت حدیث میں کمی کی راہ اختیار
 کی جائے۔

بجائے جلی کر دی لکھتے ہیں اور بالکل سچ لکھتے ہیں کہ
 ولو كثر الرواية وذمها النهي عن
 الاقلال والاكثار
 اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں
 کی روایت مطلقاً ان کے نزدیک ناپسند ہوئی
 اور اس فعل کو وہ کلیۃً سیرِ خیال کرتے تو چاہتے
 تھا کہ روایتوں کے بیان کرنے میں کثرت و
 زیادتی اور قلت و کمی دونوں ہی سے لوگوں
 کو روک دیتے

باقی الفاظ سے کہیں منع کرنے تھے؟ ظاہر ہے کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عین
 کسی بات کے منسوب کرنے میں منسوب کرنے والوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں

ان کے بارے میں عہدہ برائے ہونے کی توقع احتیاط کے اسی طریقے سے ممکن ہے۔ حافظ
ابن عبد البر نے بھی اسی توجہ کو پیش کرنے ہوئے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے
کہ حدیث روایت سے مخالفت اور قلت روایت کا حکم حضرت عمرؓ نے اسی لئے دیا تھا کہ
اپنی حدیث میں اس شخص صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات کے منسوب ہو جانے کا زیادہ
اندیشہ تھا۔ نیز اس کا بھی خوف تھا کہ جو حدیث لوگوں کو اچھی طرح محفوظ ہوں اور پورا ہوں
اپنی یاد پر نہ ہو اس قسم کی حدیثوں کے بیان کرنے پر لوگ جری ہو جائیں گے۔

آخر میں اپنے اس بیان کو حافظ نے ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

ان ضبط من قلة روايته الكثر
روایت میں کمی اور قلت کی راہ اختیار کرنے
ممنوع المستكثر وهو العبد
دالوں کے لئے ضبط و احتیاط کی نوع روایت
من السهو والخط الذي
میں کثرت کی راہ اختیار کرنے والوں سے بھی
الايمان مع الاكثار
زیادہ ہے، نیز بھول چوک اور غلطی سے
محفوظ نہیں رہ سکتا جو روایت میں کثرت کی

راہ اختیار کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ قطعاً تھا کہ لوگوں کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے سے روک دیا جائے بلکہ وہ یہ
چاہتے تھے کہ ان ہی حدیثوں کی حد تک لوگ اپنے بیان کو محدود رکھیں جن کے متعلق
پورا اطمینان ہو کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا یا سنا ہے وہی وہ بیان کر رہے ہیں، لیکن خاص
حدیث جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بیان کرنے
میں سے لوگوں کو روکنا تھا کہ

جس نے اس حدیث کو اچھی طرح حافظ میں
جلالہ، اور اس کو سمجھ لیا اور یاد کر لیا جاتے

بہت ماحولہ و من خشی ان لا
یعنی خافی الا اجل له ان
بلکہ بعلی ۱۲۳

کہ وہی اس کو ان مقامات تک بیان کرنا چاہیے
جہاں تک پہنچ کر اس کا ادنیٰ رک جائے مگر
جسے اندیشہ ہے کہ حدیث کو دل میں پورے
طور پر جانیں سکا ہے میں اس کے لئے بھی
اس کو جائزہ قرار دوں گا کہ میری طرف جہوت
کو وہ منسوب کرے۔

حافظ نے حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کو جو صحاح ستہ بلکہ بخاری و مسلم میں بھی موجود
ہیں پیش کرتے ہوئے پوچھا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ کا وہی مسلک ہوتا، جسے مخالفین حدیث
ان کا طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں تو لوگوں کو اس حدیث کے بیان کرنے کا حکم کیوں دیتے
بلکہ ان کے آخری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو اپنی یاد پر پورا اطمینان اور
موجود نہ ہو صرف ان ہی کو روکتا ہے حضرت عمرؓ کا اصل مقصود ہے، حافظ کے اپنے
اظہار میں کہ

خرج معناها على ان من
ممن في شئ تركه ومن حفظ
شيئا واتقاه جازله ان يحدث
به وان لا يكثر بحيل ولا ينسك
على التمس في ان يحدث بكم
من جمع من جلد و ردى تحت
وسمين ۱۲۴

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ سے بھی سمجھ میں آتا
ہے کہ حدیث کے متعلق کسی قسم کا شک اگر
رکنا ہے تو چاہئے کہ اس حدیث کی روایت
ترک کر دے اور جس نے حدیث کو یاد رکھا
ہے اور اچھی طرح سے اس کو محفوظ کر لیا ہے
اس کے لئے جائز ہے کہ لوگوں سے اسے بیان
کرے، یہ حال کثرت یعنی روایت میں کثرت
و زیادتی کے جس طریقہ کا حضرت عمرؓ اسناد
کرنا چاہتے تھے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جن

لوگوں کی یہ عادت جوتی ہے کہ پہلی بری حدیث
 ونا درست جو بات بھی ان کے کان پڑی اسے
 بیان کرنے لگتے ہیں، وہی اس حکم کے موافق
 ہیں اور ان ہی سے اس حکم کا
 تعلق ہے

آخر دینی زندگی کی جو بری تعمیر خبرِ احاد کی ان حدیثوں پر جب موقوف نہیں ہے،
 اسی لئے ہر مسلمان تک ان کا پہنچانا بول ہی غیر ضروری ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان کی تبلیغ میں عمومیت کی راہ اسی لئے اختیار نہیں فرمائی ایسی صورت میں کھلی
 ہوئی بات ہے کہ جو کچھ بیان کر رہا ہے بیان کرنے والے کو جب اس پر پورا اطمینان بھی نہ
 ہو تو خواہ مخواہ ان کے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے، بلکہ مسلمانوں پر جو
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت کرنے میں عائد کی گئی ہیں، ان کا اقتضار
 یہی ہے کہ ایسی روایت سے آدمی دامن کش ہو کر گذر جائے مشہور حدیث نبوی جس
 میں فرمایا گیا ہے کہ

كفى بالمرء كذبا ان يحدث بكل
 کسی شخص کے جھوٹ کے لئے یہ کافی ہے کہ جو
 کچھ سنے اسے بیان کرنا چلا جائے۔
 ماسمع

اس میں جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے بھی لکھا ہے، احتیاط کے اسی طرزِ عمل کی طرف
 اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ نقطہ نظر تھا جس کا ذکر بعض صحابہ اس وقت کرتے تھے، جب لوگ ان سے
 کہتے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کیوں نہیں بیان کرتے، بخاری میں حضرت
 عبداللہ بن زبیر کے حوالہ سے یہ کمالہ نقل کیا گیا ہے، یعنی عبداللہ بن زبیر کہتے تھے کہ میں
 نے اپنے والد زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ کو میں دیکھتا

ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں بیان کرتے، جواب میں حضرت زبیر نے فرمایا کہ

ہذا النبی لم انا مره منذ املت
ولکنی منعته بقول من کذب
صلی اللہ علیہ وسلم سے میں کبھی جدا نہ ہوا لیکن
میں نے ان ہی سے سنا ہے کہ تصد آجھ پر جو
جو ٹ باندھنا ہے چاہئے کہ ایسا ٹھکانہ آگ
میں بنا لے۔

حالاں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثوں کی کافی تعداد مروی ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو ہر کبھی حضرت سے کسی روایت کی شکایت تھی، ان ہی شکایات کو سن کر آپ فرماتے

انی لم یغنی ان احداث حدیثا
کثیراً ابن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال من تعد علی الحدیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو میں
کثرت سے جو بیان نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ
ہے کہ من تعد والی روایت مجھ کو اس سے
روکتی ہے۔

جس کا مطلب بھی ہوا کہ روایت کی کثرت میں حضرت انس کو اس کا اندیشہ تھا کہ
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے بعض صحابی جب
زیادہ عمر اور بوڑھے ہو گئے تھے لوگ ان سے عرض کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں
سنا لیں کیجئے تو فرماتے

کبر لا وشیئنا والحدیث عنہ
صلی اللہ علیہ وسلم تشدید
ہم اب سن ہو گئے، بھول گئے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر گئے
حدیث کا بیان کرنا بڑا سخت معاملہ ہے

قرظ بن کعب جن کو کوفہ رخصت کرنے ہوئے حضرت عمرؓ نے اقلال روایت کی وصیت کی تھی ان کے متعلق بھی لکھا ہے کہ جب وہ کوفہ پہنچے اور لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیں کچھ بیان کیجئے تو انھوں نے عناف لفظوں میں انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ

ھانا عمر بن الخطابؓ میں پچھلے ہیں عمر بن الخطاب نے اس سے منع کیا ہے

بعض روایتوں میں ہے کہ قرظ نے کہا کہ عمرؓ کی اس وصیت کے بعد

ملحدت بعد اہل بیت امن حضرت عمرؓ کی ممانعت کے بعد رسول اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے میں

نے کوئی حدیث نہیں بیان کی

منہاج جامع

حدیثوں کے باب میں احتیاطی کی روش تھی جس کی پابندی بعد کو لوگ کرتے رہے، امام مالک کے متعلق ان کے شاگرد رشید امام شافعیؒ تو کلیہ ہی بیان کرتے تھے کہ

كان مالك اذا اشتك في الحديث امام مالک کو جب کسی حدیث میں شک پیدا

ترکہ کلام الدیاج الذہبؒ ہو جاتا تو اس کو کلیتہً ترک کر دیتے (یعنی اس

حدیث کو بیان ہی نہیں کرتے تھے)

لوگوں نے لکھا ہے کہ حضرت امام مالک کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے

بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کے کمرے سے سات صندوق نکالے، جن میں صرف

ابن شہاب زہریؒ کی حدیثوں کے مستودات بھرے ہوئے تھے، مسودوں کی حالت یہ

تھی کہ

ظہور سہاویؒ نے ہمدانیؒ کے دونوں صفات بھرے ہوئے تھے

ان کو باہر نکال کر لائے اور امام مالک کے شاگردوں کے حوالہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا

میں نے کیا۔ ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی جب ان کو معلوم ہوا کہ ان مسودوں میں جو کچھ

لکھا ہوا ہے، امام مالک نے ایک چیز بھی کسی کے سامنے ان سے بیان نہ کی تھی ان ہی کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ

لما مات مالک فاصیب فی
 بیتہ صنادیق بن جن ابن عمر
 مرضی اللہ تعالیٰ عنہما لیس
 فی الموطاء منہ شیء الا حدیث
 جب امام مالک کی وفات ہوئی تو عمر میں چند
 صندوق پائے گئے جن میں حضرت عبداللہ بن عمر
 کی روایتیں تھیں ایسی روایتیں جن میں سے
 ان کی کتاب موطار میں صرف دو حدیثیں پائی
 جاتی ہیں۔

امام مالک کی کتاب موطار کے متعلق لوگوں نے لکھا ہے کہ شروع میں دس ہزار روایتیں
 پر یہ کتاب مشتمل تھی، لیکن ہر سال امام مالک اس پر نظر ثانی کرتے اور جس روایت میں معمولی
 شک بھی ہوتا، اس کو کتاب سے ساقط کر دیتے۔ اس طریقہ سے بڑا حصہ روایتوں کا موطا
 سے خارج ہو گیا، ص ۲ دیباچہ۔ امام مالک خود بیان کرتے تھے کہ ابن شہاب زہری
 سے میں نے جتنی حدیثیں سنی ہیں ان میں ایک بڑا حصہ ایسا ہے جس کا میں نے کسی سے
 ذکر نہیں کیا۔

ان خطیب نے امام بخاری کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ

ترک حشرۃ الآف حدیث
 لرحل فیہ نظر و ترک متلھا و
 اکثر بغیرہ فیہ نظر چھ ۲۵۰ تاریخ بغداد
 کسی شخص (راوی) کی روایت کروہ دش ہزار
 حدیثوں کو میں نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اسی شخص
 میں کوئی بات محل غور و فکر نظر آتی تھی اور اسی
 قدر یا اس سے زیادہ مقدار والی حدیثوں کو لکھا
 نے اسی لئے ترک کر دیا کہ ان کے بیان کرنے
 والے میں بھی کوئی بات قابل غور نظر آتی،

احتیاط کرنے والے اس سلسلہ میں کن حدود تک پہنچ گئے تھے اس کا اندازہ اس

فقہ میں کتبہ کتاب قبیصہ
نورسہ علیہ فتوح قرائۃ علیہ

قبیصہ (تالعی) کی روایت کردہ حدیثوں کا
مکتوبہ مجموعہ کم ہو گیا، بعد کو کم ہونے کے بعد
دہی نسخہ ابن رستم کو مل گیا، مگر اس لئے کہ
درمیان یہ نسخہ غائب ہو گیا تھا، اس کی مندرجہ

روایتوں کا بڑھنا چھوڑ دیا۔

یعنی ان کو شبہ ہوا کہ جس زمانہ میں کتاب غائب رہی، ممکن ہے اس میں کسی نے کچھ
کی دہشی کر دی ہو، صرف اس شک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصہ کا پڑھنا ہی انھوں نے ترک کیا
اس میں شک نہیں کہ حدیثوں کی روایت میں احتیاط کی ان نزاکتوں کا احساس خود
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا کرایا ہوا تھا، عرض کر چکا ہوں کہ من کذب علی متعمداً والی
ہدایت فریب قریب تو اتر کے درجہ میں جو پہنچ گئی ہے اس کی وجہ دی تھی کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم عموماً صحابہ میں روایت حدیث کی ذمہ دار یوں کو مختلف طریقوں سے راسخ
کرا رہے تھے، صحاح کی کتابوں میں تو مجیدہ روایت نہیں ملی لیکن امام ابو جعفر طحاوی نے
مشکل الآثار میں اپنی متصل سند کے ساتھ اس کو درج کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی
مجلس میں ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ایک
حدیث بیان کی، مجلس میں حضرت مالک بن عبادہ صحابی بھی شریک تھے، آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع)

»آخری حج، میں ہم لوگوں کو اس عہد کا پابند بنانا

فرمایا کہ چاہتے کہ قرآن کو بچڑے رہو، قریب

ان النبي صلى الله عليه وسلم

عبد الباقى حجة الوداع

وَأَمَّا الْفُلُ فَأَنزَلْنَاهُ ذِكْرًا رَّبِّهِمْ فَاسْمِعُوا آيَاتِ الْفُلِ

الحی قومہ یشتہون الحدیث
 یعنی نفس عقل شیعہ اقلیم حدیث
 بہ ومن افتری علی فلیتبوء
 بیتا و مقعد انی جہنم ^{لہ اشکال}

ہے کہ تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ جس کے پاس
 جو چاہیں گے کہ میری حدیثیں ان سے میلان کر دو
 پس اس سلسلہ میں جس کسی نے کسی بات کو
 سمجھ لیا ہے اور یاد کر لیا ہے اسے چاہئے کہ
 اس حدیث کو بیان کر دے (اور یاد رکھو کہ
 قصد امیری طرف جو چھوٹ کو منسوب کرے گا
 اسے اپنا ٹھکانہ یاد فرمایا، کہ اپنا گھر چاہئے کہ
 جہنم میں بنائے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعویٰ وصیت کے ان الفاظ میں اور
 حدیثوں کی روایت کرنے میں حضرت عمرؓ کو برجن الفاظ کے ساتھ تاکید فرماتے تھے۔ کچھ
 فرق ہے اور یہی میں کہنا چاہتا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی مبارک وصیت کی تجدید
 حضرت ابوبکرؓ بھی اور حضرت عمرؓ بھی اپنے اپنے عہد خلافت میں فرماتے رہے، صحابہ
 کو بھی روایت حدیث کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی اور صحابہ کے بعد مسلمانوں
 کی جو جماعت حضرت عمرؓ کے سامنے آئی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض وصیت
 سے استفادے کا موقع تو کیا بنا، ان میں بڑی تعداد ایسوں کی تھی جنہوں نے پیغمبر کو دیکھا ہی
 نہ تھا مگر حضرت عمرؓ کی داروغہ کی غیر معمولی سختیوں ہی کا نتیجہ تھا کہ جب بڑے بڑے صحابہ میں
 کامل اطمینان کے بغیر حدیثوں کی روایت کرنے کی بہت باقی نہیں رہی تھی تو دوسروں کے
 لئے جسارت کا موقع ہی کیا تھا یہی وجہ تھی جو امیر معاویہؓ اپنی حکومت کے زمانہ میں لوگوں
 سے کہا کرتے تھے کہ

بن الحسن الدارقطنی میں سمعانی صاحب کتاب الانساب جب ادم سے گزر رہے تھے تو ان کے ذمین شیخ سعد اللہ بن محمد المقرئ نے دارقطنی میں اپنی مسجد دکھائی تھی

نعیم | دارقطنی نے ابتدائی تعلیم بغداد میں حاصل کی پھر علوم و فنون کی تحصیل کے لئے کوفہ بصرہ شام، واسطہ اور مصر وغیرہ کی بادیہ زور دی کی۔ وقت کے ائمہ فن اور اساطین حدیث سے فیض و کتاب کر کے ائمہ وقت کی صف میں شامل ہوئے علم حدیث اور معرفت علما اسکا راجل میں وہ مکمل پیدا کیا کہ محدثین کے بیان کے مطابق یہ فن انہی پر ختم ہو گیا۔

مطوق میں انکس علوم و فنون کے بعد مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے اداس میں بھی ایسی شہرت ہوئی کہ اطراف و جوانب سے تشنگان علوم جوق در جوق ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے اداس در سگاہ نے بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو پیدا کیا۔

اساتذہ | ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز النبوی م ۳۱۰، ابوبکر محمد بن حسن نقاش م ۳۵۱

ابوسعید اصطخری، ابوسعید الفراء، محمد بن الحنفیہ الطبری، ابوبکر بن مجاہد، ابواسم بن محمد

م ۳۲۵، ابوبکر بن ابی داؤد م ۳۱۶، یحییٰ بن محمد بن صاعد م ۳۱۸، ابن درید، ابن سیردر

علی بن عبداللہ بن مبشر، محمد بن القاسم الحاربی، ابوطی محمد بن سلیمان المالکی، ابو عمر القاضی

ابو جعفر احمد بن اسحاق بن ہبلول المتونجی م ۳۱۸، ابن نیا والنسیا بوری م ۳۲۲، قاضی

بدر الدین البیہیم، احمد بن القاسم الفرائسی، حسین محاسنی، عمر بن احمد بن علی القطان، محمد

بن عبداللہ بن عیلام، محمد بن اسحاق ابن عبدالرحیم، الحسن بن رشیق العسکری م ۳۴۰،

ابو احمد حمزہ بن محمد الدہقان العقی، ابوزید محمد بن محمد بن احمد الفاشانی القصبی م ۳۷۱، ابوبکر محمد

بن محمد بن احمد الکافی، ابوبکر احمد بن محمد بن عیسیٰ، ابوبکر محمد بن علی بن الحسن النقاش نزہی

ستیس م ۳۶۹، حسین بن احمد بن رستم المعروف بابن زہیر المادرائی، ابوبکر محمد بن جعفر البصری

اسماعیل الخطیبی م ۳۵۰، محمد الدارقطنی م ۳۵۱، احمد بن سہل ابوبکر الرملی المعروف بابن الغابی

ابن عقدہ م ۳۳۲، ابن الاسباری م ۳۲۸، ابو حفص عمر بن احمد المروزی م ۳۲۵،

لے تذکرہ ج ۳ لے انساب لے اشعۃ المعانی

ابو جعفر بن سلیمان البخداوی م ۳۲۸، ابوالحسن ابو عبد اللہ عبدالرحمن، علی بن الفضل بن علی م ۳۲۸
 محمد بن محمد بن المعروف بالغازی م ۳۲۱، احمد بن عیسیٰ، محمد بن عبد اللہ البخداوی م ۳۵۲
 علی بن احمد م ۳۵۱، عبد الباقی بن صالح البخداوی م ۳۵۱، ابو احمد حامد بن احمد بن محمد بن
 احمد المروزی م ۳۲۸، ابو بکر محمد بن عمر بن محمد بن العباسی م ۳۵۵، ابو سعید احمد بن محمد بن علی بن
 م ۳۵۴، حمزہ بن محمد ابوالقاسم الکنتانی المصری م ۳۵۴، ابو اسحاق ابراہیم بن حامد الاندلی م ۳۵۴
 ابو عبد اللہ الحسین بن اسماعیل م ۳۲۸، محمد بن نوح م ۳۲۱، محمد بن احمد بن خضص م ۳۲۱
 ابو طالب احمد بن نصر بن طالب م ۳۲۳، ابو الحسین علی بن محمد بن عبید م ۳۲۰، ابو الطیب
 محمد بن جعفر بن درین البخداوی م ۳۵۴، ابو محمد عبد اللہ م ۳۴۳، ابن جریر ابو سلم عبدالرحمن
 بن محمد بن عبد اللہ البخداوی م ۳۴۵، محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ ابو الحسین البخداوی
 م ۳۴۹ ابراہیم بن عبد الصمد بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم وهو آخر من سادی الموطن
 ابی المصعب تمام مورخین اور تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ دار قطنی نے نبوی سے بھی علم حدیث
 اخذ کیا ہے اور نبوی کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی اور دار قطنی کی پیدائش ذوالقعدہ ۳۳ھ ہے
 اس کا طے سے نبوی کی وفات کے وقت دار قطنی کی عمر زیادہ سے زیادہ چار سال کی ہوئی ہے
 چنانچہ ابویوسف قواس کا بیان ہے کہ جب ہم نبوی کے پاس جاتے تھے تو دار قطنی بچے تھے
 ان کے ہاتھ میں روٹی اور اس پر سالن ہوتا تھا اگر اس وقت کے سماع کو صحیح تسلیم کر لیا جائے
 تو ان کے حافظہ اور ذوق و شوق کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن پھر بھی نبوی سے روایت میں
 دار قطنی مدلس کرتے ہیں ابن طاہر کا بیان ہے کہ لدا اس قطنی مذہب حنفی فی التمدیس
 نقول فیہ المحدث مد من البغوی قری علی ابی القاسم البغوی حدثنا کفر فلان
 خضص ابو بکر البرقانی م ۳۲۵ ان کا نام صاحب تعلیق النبی نے ابو بکر محمد بن احمد ابن غالب
 المعروف بالبرقانی لکھا ہے لیکن یہ صحیح نہیں محمد ابو بکر برقانی کے والد کا نام ہے خود برقانی کا
 لے طرح الشریب لے تذکرہ ج ۳ لے تعلیق النبی

نہیں اور طرح التشریح میں ہے ابو منصور محمد بن محمد بن احمد البرقانی، لیکن یہ بھی اور بہت
 نہیں، یہاں نسبت میں اختلاط ہے یہ ابو منصور، برقانی نہیں بلکہ برقانی ہیں، مشتبه النسبۃ
 للذی میں ہے اس لئے اب صحیح نام و نسب اس طرح ہوا ابو بکر احمد بن محمد بن احمد بن خا
 التو لدمی البرقانی، حضرت خواجہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبد الغنی منذری صاحب
 ترفیہ و تزیین (ابو بکر منذری) ترفیہ و تزیین کردہ اند لیکن منذری ترفیہ و تزیین
 واسطے دارقطنی سے بہت متاخر ہیں اور ان کا نام عبد العظیم زکی الدین م ۶۵۶ ہے اور جو دارقطنی
 کے خاگرد ہیں وہ عبد الغنی بن سعید الازدی المصری م ۹۰۴ صاحب کتاب المتوفت و المتوفت میں
 اور دوسرے تلامذہ حافظ ابو نعیم اصبہانی صاحب علیہ الادب م ۳۰۴ حاکم صاحب مستدرک
 م ۵۰۵ نام رازی صاحب فوائد مشہورہ م ۴۱۱ ابو حامد الاسفرائینی ابوذر عبد بن احمد مروی
 م ۳۴۴ ابو محمد خلل، ابو القاسم بن محسن، ابو طاهر بن عبد الرحیم، قاضی ابو الطیب طبری، ابو بکر
 بن بشران، ابو القاسم حمزة السہمی م ۲۲۷، ابو محمد جوہری، ابو الحسن بن الانبوسی، عبد الصمد بن
 مامون، ابو الحسین بن المہدی بالید م ۲۶۵، ابو جعفر محمد بن احمد بن محمود السمنانی، ابو سلیمان
 فادون حبیب البینیری، عبد الواحد بن الحسن المقرئ الابہری، عبد الوہاب بن عبد اللہ اللوف
 باین اورعی، ابو مسعود صالح بن احمد، ابن النالیسی، ابو عبد الرحمن محمد بن الحسن السہمی م ۲۲۴
 الحسن بن علی التیمی الواقدی م ۴۴۴

مشتبه النسبۃ للذی میں ہے

البرقانی بالفہم برقان من ذری

خوارزم منها الحافظ ابو بکر

احمد بن محمد بن احمد بن

غلب صاحب التصانیف

میں ان کی وفات ۷۲۵ھ میں ہوئی

تذکرہ ج ۲۴۷ لسان المحققین

اور دونوں سے جس میں پہلے کو فتح یعنی نوقان
تو یہ طوس کا نصب ہے اور دوسرے کے ابو منصور
محمد بن محمد بن احمد النوقانی ہیں دار قطنی سے
ان کے سن کے راوی ہیں

البرقانی یہ برقان کی طرف جو خوارزم میں ایک
گاؤں ہے۔ منسوب ہے۔ یہیں کے حافظ ابو بکر
احمد بن محمد بن (احمد بن) غالب صاحب تصانیف
ہیں ان کی وفات ۴۲۵ھ میں ہوئی اور اگر باکو
صفر سے پڑھا جائے تو اس وقت جعفر کے والد
برقان کی طرف منسوب ہوتا ہے جہاں تک مجھ
کو علم ہے۔ اور اگر فون کو فتح اور بجلتے رار کے
واؤ کے ساتھ یعنی نوقان پڑھا جائے تو اس وقت
میں یہ طوس کے نصب کی طرف منسوب ہوتا ہے
..... اور اسی خط کے ابو منصور محمد بن محمد
بن احمد النوقانی ہیں جو دار قطنی سے ان کے
سن کے راوی ہیں۔

۴۲۵ھ۔ وبنون الاولی مفتوحة
نوقان ہی قصبة طوس منہا
..... وابو منصور محمد
بن محمد بن احمد النوقانی
حدث عن الدار قطنی بالسنن
حافظ ابن حجر م ۵۲۸ لکھتے ہیں
البرقانی نسبة الى برقان من
قوى خوارزم الحافظ ابو بکر
احمد بن محمد بن (احمد بن)
غالب صاحب التصانیف مات
۴۲۵ھ وبالضم نسبة الى والد
جعفر بن برقان ما علمتہ،
و بنون مفتوحة وقبل القاف
واو بدل الراء نسبة الى
نوقان قصبة طوس منہا۔
..... وابو منصور محمد
بن محمد بن احمد النوقانی
حدث عن الدار قطنی بالسنن

ادب وفت | علمائے سلف لغت و ادب کی طرف خاص طور پر اپنی توجہ مبذول کرتے تھے اور
علم لغت کے بغیر کلام اللہ میں گفتگو کو ناجائز تصور کرتے تھے اس لئے محدثین کرام حدیث و فقہ
سیاسی و دینی کے محدثین کرام ادب و زبان کے ماہر ہونے تھے چنانچہ قطادہ مطابق ۱۱۸ کے متعلق ہے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

سے پہلے علم ادب کی طرف رجوع کرتے تھے چنانچہ دارقطنی نے بھی پہلے اس طرف توجہ کی اور
مکرر وقت کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے ادب و شعر میں کمال حاصل کیا۔

ازہری کا بیان ہے کہ جب دارقطنی مصر پہنچے تو وہاں مسلم بن عبداللہ نامی مدینے کے
ایک علوی شیخ تھے ان کے پاس کتاب الانساب حصر بن داؤد زہیر بن بکار کی روایت سے
تھی یہ انساب کے علاوہ اشعار کا بھی مجموعہ تھا اور اس میں دحسب ادبی لطافتیں تھیں، مسلم خود
میدان فصاحت کے شہسوار اور عربی زبان کے ماہر تھے لوگوں نے دارقطنی سے سوال کیا
کہ آپ اس کتاب کی قرأت کیجئے کیونکہ آپ کی زبان سے سننے کے لئے لوگ مشتاق ہیں
انھوں نے قبول کر لیا اور اس کے لئے ایک وقت مقرر ہوا اور اہتمام کے ساتھ مجلس ترتیب
دی گئی، مہر کے تمام اہل علم و ادب اور صاحب فضل و کمال اس ارادہ سے شریک ہوئے
کہ دارقطنی کی غلطیوں یا غرضوں پر گرفت کی جائے لیکن اس میں لوگ ناکامیاب رہے اور تمام
حاضرین اس پر متحیر تھے شیخ علوی سے رہانہ گیا اور وہ جلا آٹھے و عمر بیدہ البضائینی آپ کو
عربی زبان پر بھی اتنی قدرت حاصل ہے۔

ان کو شعرا کے دیوان کے دیوان ازہر تھے فقیل کان بحفظہ و ادین جماعۃ چنانچہ
سید حمیری کا مکمل دیوان محفوظ تھا۔

رقیب حاشیہ صفحہ گذشتہ کان مرا اسانی اللغة و العربیہ و ایام العرب و النسب (مذکر ۱۰۰)
شعبہ ۴۰۰ کا جو درجہ حدیث میں ہے وہ کسی سے خفی نہیں ان کے متعلق اصمعی جیسے ماہر علم و ادب کا
بیان ہے کہ لحدیث احد قط اعلم بالشعر من شعبہ ابن المبارک المہزی (۱۸۰) کے متعلق علما
کی رائے ہے کہ جمع العلم و الفقه و الادب و الفحو و اللغة و الزہد لہ انساب للسماعی
یہ تذکرۃ الحفاظ دی ہے ان کی کنیت ابوہاشم نام اسماعیل بن محمد محدث بہ سید حمیری ہیں علمائے ادب
کا خیال ہے کہ جاہلیت و اسلام میں تین ہی شعرا بہت پرگو میں بشار ابو القاسم و ابومیسرے سید
حمیری ان کے مضامین بلند و بندش حبیب ہوتی تھی، الفاظ غریبہ کے استعمال سے محتر و اور محتاط
تھے، ایک بار لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ آپ عام شعرا کے دستور کے مطابق غریب
(رقیب حاشیہ صفحہ آئندہ)

عقائد شیعہ کی صدا معلوم ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں دکان فیہ الخراف عن علی بن ابی طالب لیکن یہ محض الزام ہی الزام ہے اس کو حقیقت اور صداقت سے کوئی تعلق نہیں ان کے علاوہ اور بھی سلف صالحین ہیں جن پر شیعیت کا غلط الزام لگایا گیا ہے لیکن ان بزرگوں کو شیعوں کے خیالات فاسدہ، عقائد باطلہ، اور ادھام کا ذبیحہ سے کوئی علاقہ نہیں جو اہل تشیع کے بنیادی عقائد ہیں، بعض فزعی خیالات میں اتحاد ہو یہ دوسری بات ہے جس طرح حاکم کے متعلق حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

معنی تشیع اداں است کہ قائل بودہ تفضل حضرت علی بر حضرت عثمان کہ مذہب مجھے از اسلام ہم بود۔ لیکن حق تو یہ ہے کہ دارقطنی و شیعہ کے اس قسم کے فزعی عقائد سے بھی ہمارے تھے ان کا کوئی عقیدہ جہور محدثین و سلف صالحین کے خلاف نہ تھا ابن طاہر کا بیان ہے کہ بغداد میں ایک بار تفضل علی میں جھگڑا ہوا لوگ دارقطنی کے پاس پہنچے ان کا بیان ہے کہ میں نے دارقطنی، اس مسئلہ میں خاموش رہنا پسند کیا مگر پھر خیال آیا کہ دین میں سکوت بہتر نہیں اور کہا کہ حضرت عثمان افضل ہیں کیونکہ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے اور یہی اہل سنت کا مسلک ہے اور اسی مقام سے رفض کی ابتدا ہوتی ہے جو زجانی کے متعلق جو اخراجات عن علی فرمایا ہے اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ جو زجانی تفضل علی کے قائل نہیں اس لئے ان پر جرح کی جا رہی ہے بلکہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں گستاخی اور سوء ادبی کے کلمات استعمال کرتے تھے اس لئے ایسا کہا۔ ایک روز جو زجانی مرغی ذبح کرنے کے لئے آدمی تلاش کر رہے تھے اتفاق وقت کہ کوئی صاحب تیار نہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ مرغی ذبح کرنے سے جاگتے ہو مالا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن میں ستر ستر آدمیوں کو ذبح کر ڈالا اللہ اعلم ان کا یہ جرح عقیدہ شیعہ کے ماتحت نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے صحیح الاعتقاد جذبات کے ماتحت ان پر جرح کی گئی ہے کیونکہ حضرت علیؑ کیا بلکہ کسی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی شان میں گستاخی

لے ہستان نہ تذکرہ نہ خلاصہ خزرجی انصاری

خلاصہ یہ کہ ایک ایسا شخص جو اپنے اساتذہ کو عقائد شیعہ کی وجہ سے رجل سور سے نفرت
کے ساتھ دیکھتا ہے ان پر شیعہ ہونے کا الزام کتنا بے بنیاد اور غلط الزام ہے ابن دہبی فرماتے ہیں
ما بعدہ من النشع یعنی دار قطنی کو شیعیت سے دور کا بھی لگاؤ نہ تھا خطیب بغدادی
ان کے سخت عقیدہ کی توثیق ان نظروں میں فرماتے ہیں مع الصدق وصدق المعتقد
یعنی عقیدہ صاف اور صحیح تھا اور زہرہ رو کا بیان ہے کہ ایک روز دار قطنی کے ساتھ جانا تھا
وہاں میں تاحی ہو چکے تھے ان کو دیکھتے ہی وہ قطنی نے چٹایا اور ان کے رخسار کو چومنے لگے یہ اس
پر حیرت کے لیے ہو چا کہ ان میں وہ دار قطنی نے جواب دیا هذا امام المسلمين والکن ابن ابی کثیر نے اپنے
تافہی کے بعد عقیدہ مخالف سب کو معلوم ہے حضرت شامی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ زہرہ رو تاحی نہ تھا
غرض ان تاریخی واقعات اور عملی شواہدات کے ہوتے ہوئے دار قطنی پر شیعہ ہونے کا کسی طرح نہیں کیا
نہ تذکرہ نہ ایضاً نہ نیز ان لامعتل و فرح شہر پ نہ بتان

جاہلگتہ اور یہ غلط التزام ہے جس سے دارقطنی کا دامن بالکل پاک و صاف ہے۔
 دہکتے ہوئے حافظ انہایت ذکی و فطین تھے غضب کا حافظ تھا، حافظہ کے بارے میں محدثین ہزاروں
 کہے ہیں تاریخی روایات مشہور ہیں اس کا ایک نمونہ اور مصداق آپ بھی تھے، کم سن ہی تھے
 کہ اہل اعیانہ کی مجلس میں حاضر ہوئے موصوف اطار کر رہے تھے دارقطنی کے پاس
 رہا یہ تھا اسے نقل کرنے لگے، اور سماع بھی جاری تھا حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ
 آپ کا سماع صحیح نہیں کیونکہ آپ کھٹے جارہے ہیں دارقطنی نے کہا میں دونوں کام ساتھ ساتھ
 کرتا ہوں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شیخ نے کتنی حدیثیں اطار کرائی ہیں؟ کہا نہیں دارقطنی
 نے کہا ہر ایک حدیث کا اطار ہوا ہے پہلی حدیث کی سند اس طرح ہے اور میں اس طرح
 دوسری حدیث کی سند اس طرح اور میں اس طرح ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث کے متون و
 وسندات کو با تفصیل بتا دیا۔ تمام حاضرین متعجب ہوئے پھر محدثین نے اس واقعہ سے دوسرا
 مسئلہ استنباط کیا جس کے لئے اصول حدیث کا مطالعہ کیا جائے

سماعی کہتے ہیں کہ وکان یضرب بہ الشی فی الحفظ

سمیعہ موقوف کہتے ہیں کہ جب میں خطیب سے ملا تو کہا انت الحافظ ابوبکر خطیب
 نے کہا میں تو احمد بن علی الخطیب ہوں، حفظ تو دارقطنی پر ختم ہو گیا۔

فطانت اور انتقال ذہنی بھی بلا کا پایا تھا ایک روز نفل نماز پڑھ رہے تھے پاس ہی
 ایک صاحب حدیث پڑھ رہے تھے اس میں ایک روای نسیر بالنون والسین مضمون تھا
 اس کو انھوں نے بشیر پڑھا دارقطنی نے نمازی میں کہا سبحان اللہ وہ شخص خوشخبر ہو گیا
 سمجھا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے جس کی طرف توجہ دلا رہے ہیں لیکن پھر تصحیح کر کے سیر
 دیا یاں پڑھا دارقطنی نے پھر سبحان اللہ کہا اب وہ چپ ہو رہے تو دارقطنی نے پھر حالت وقوف
 و صلیطہ میں

لے مقدر بنی صلاح و تذکرہ لے اونساب لے تذکرہ لے بستان

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے نازی میں تھے کہ ایک شخص حدیث پڑھ رہے تھے انھوں نے عمرو بن شعیب کو عمرو بن سعید پڑھا دارقطنی نے سبحان اللہ کہا، طاری سند کا اعادہ کہے خاموش ہو رہا آپ نے فوراً یہ آیت تلاوت کی یا شعیب اصلو نکتہ کامرہ رعب دارقطنی کی مجلس میں بہت ہیبت و وقار طاری رہتا بڑے بڑے علماء حضلاء جن کے علم و فضل کا غلط بلند تھا ان پر بھی ایسی ہیبت طاری رہتی کہ چوں کہیں کرتے، محمد بن عمر لکھنوی کا بیان ہے کہ ابن شاہین دارقطنی کے ساتھ ایک مجلس میں جمع ہوئے لیکن ہیبت اور خوف سے ایک لفظ نہ بول سکے کہ شاید کوئی غلطی ہو جائے۔

فقرو نقلاً احمد بن کرام کی ایک جماعت فقر و فاقہ میں مبتلا رہی ہے امام بخاری اور دیگر محدثین کو مالی مشکلات کی وجہ سے طرح طرح کی مصیبتیں بھینی پڑی ہیں لیکن کبھی بھی یہ مشکلات ان کے شاہراہ علم کے لئے سد راہ نہ بن سکیں غم و ارادہ کی جنگی کے ساتھ علم و دین کی لذت سے ایسے سرشار تھے کہ اپنی عسرت اور فقر و فاقہ کا احساس ہی نہیں تھا، ابی بن خالد م ۲۷۶ اپنے متعلق فرماتے ہیں انی لاعرت راجلا کانت تمضی علیہ الايام فی وقت طلبہ

ليس له عيش الا وراق الكرنب ته

ابو بکر بن ابی دار و کہتے ہیں

دخلت الكوفة و هي درهم

واحد فاشتریت به ثلثین

مدا باقلا و فکنت اکل منه کتاب

عن الشیخ فما فرغ الباقلا و

حقی کتبت عنه ثلاثین الف حدیث

ما بین مقطوع و موصول

لہ بستان لہ تذکرہ لہ ایضاً

جب میں کوڑ پیچھا تو مرے پاس صرف ایک

درہم تھا جس سے میں نے باقلا خریدا

اسی کو کھا کھا کر حدیثیں لکھتا رہا جب نہیں

ہزار حدیثیں ہیں لکھ چکا تو باقلا ختم ہوا

بالکل اسی طرح کا بر قاتی کا واقعہ ہے

وخط الفرائد وسمی ثلاثہ دینار
وہم ہر فضاحت الدنانیر
وہی الدنار ہر فضاحت الی خباہر
فلکنت آخذ منہ کل یوم غنغین
وآخذ من احمد بن بشر جزء
فالکتابہ وافرغہ بالعشی فلکنت
ثلاثین جزء وقد ما عند الخباہر
میں جب الفرائد پہنا تو میرے پاس کچھ رہے تھے
مگر سب ضائع ہو گئے ایک درہم بچا ہوا
جسے نابائی کے حوالہ کیا اور اس کے عوض دو
روٹی روز لیا رہا۔ اور اپنے شیخ احمد بن بشر سے
مسودہ لے کر حدیث کھتا رہا جس وقت بازار
ختم ہوا ہے اس وقت میں تیس جزر کھچکا
تھا پھر چلا آیا

فسافرت

دار قطنی ہی ارباب علم و فضل کے اس وراثت سے محروم نہ رہے۔ (ابتدائی عمر ضابطہ منقر
د مسکت میں گندی، فراخی و وسعت کا نام و نشان نہ تھا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا کہ دار قطنی
کے پاس پہنچے انہوں نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی ان کے علم کی خوب قدردانی ہوئی اور بہت
کچھ مال دیا جس سے فارغ ابالی حاصل ہوئی۔

دار قطنی اور معاصرین مشہور ہے کہ معاصرۃ سبب منافرت ہے اور اکثر بڑے بڑے بزرگوں کا دامن
بلی اس سے ٹوٹ ہے، امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہبی، یحییٰ بن معین، امام شافعی، ابن حجر عسقلانی
و غیر ہم نے ایک دوسرے کے خلاف جو کچھ کیا وہ صرف معاصرۃ ہی کا اثر سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے
کہ محدثین کو کہنا پڑتا یلتفت الی کلام الامران بعضہم فی بعض لیکن دار قطنی کا دامن اس
سے پاک ہے یہ معاصرین اور تلامذہ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھے، معاصرانہ قاتل
ان کو کسی قابل قدر شے کی قدر افزائی سے باز نہ رکھ سکی اپنے ایک معاصر عبد اللہ بن یحییٰ بن یحییٰ
۲۲۴ کے مطلق کہنے میں اس شان کا آدمی میں نے نہیں دیکھا۔

طابین خلکان کے تذکرہ کے طرح التشریب جاتے تذکرہ

دارقطنی جب مصر سے آئے تو برقانی نے سوال کیا کیا آپ نے کسی کو ایسا ہی پایا حین کو علم کا فہم ہو فرمایا مصر میں ایک نوجوان کو جسے عبدالغنی کہا جاتا ہے، آگ کا شعلہ ہے پھر آپ نے زبردست توصیفی کلمات سے ان کا ذکر کیا۔

دارقطنی معاصرین | دارقطنی کو معاصرین اور محدثین نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا وہ ان کی کی نگاہوں میں نہایت عزت و احترام کرنے لگے حاکم فرماتے ہیں دارقطنی حفظہ فہم، ورع میں ہیں بکثرت روزگار اور قراۃ و نحو کے امام تھے ان کے متعلق جو کچھ میں نے سنا تھا اس سے زیادہ ہی پایا ابوذر ہروی کہتے ہیں میں نے حاکم سے پوچھا کیا آپ نے دارقطنی جیسا کسی کو دیکھا ہے کہا خود انھوں نے اپنے جیسا نہیں دیکھا ہے میں کیا دیکھوں گا قاضی ابوالطیب فرماتے ہیں دارقطنی ملک حدیث کے امیر المؤمنین ہیں "خطیب بغدادی فرماتے ہیں دارقطنی اعجب روزگار فرید الدہر اور اپنے زمانہ کے امام تھے ان پر معروضہ علی واسمار الرجال و حدیث کا علم منہی ہو گیا، حدیث کے علاوہ کئی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے حافظ عبدالغنی بن سعید فرماتے ہیں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین شخص اپنے اپنے وقت کے بہترین کلام کرنے والے ہیں علی بن المدینی، موسیٰ بن ہارون دارقطنی عبدالغنی جب بھی ان کا تذکرہ فرماتے "استاذی" کہتے ذہبی فرماتے ہیں مدائنی نے ان پر کبر ان جیسا کسی کو نہ پایا۔

حدیث فقہ | اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل عطا کیا تھا اور جو تفوق و منزلت حاصل تھی اسے اہم طرح سمجھتے تھے چنانچہ کبھی کبھی حدیث بالسنۃ کے طور پر اظہار بھی کرتے تھے ابوالقاسم ازہری کا بیان ہے کہ دارقطنی سے ابن ابی الفوارس نے کسی حدیث کی علت یا راوی کے متعلق سوال کیا جواب سے قدر غمو کر کہا ابو الفتح! اب ان سب چیزوں کا جاننے والا مشرق و مغرب میں میرے سوا اور کون ہے؟

ایک دن لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے جیسا ہی کسی کو دیکھا ہے تو یہ آیت پڑھ کر غافل

تذکرہ گاہ بستان

میرور ہے فلاں کو انفسکو الخ اور کچھ جواب نہ دیا لیکن لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا اگر کوئی ایک فن مراد ہے تو بے شک میں نے اپنے سے اعلیٰ و افضل لوگوں کو دیکھا ہے اور اگر وہ تمام فنون مراد میں جو مجھ میں ہیں تو ایسا آدمی میں نے نہیں دیکھا ہے۔

ابو الطیب طبری کا بیان ہے دار فطنی کی مجلس میں حاضر ہوا اور مس ذکر کی حدیث جس کے طرق کو دار فطنی نے جمع کیا تھا پڑھی جاری تھی قاری فارغ ہوا تو آپ نے فرمایا اگر اس وقت امام احمد بن حنبل بھی حاضر ہوتے تو وہ بھی ان احادیث سے استفادہ کرتے۔

نرم مزاجی | نہایت نرم مزاج اور رقیق القلب تھے بہت جلد ابدیہ ہو جاتے آپ کے استاد ابو بکر الزلیلی ابن نابی جو فیکر کے دار پر چڑھائے گئے تھے ان کا تذکرہ جب بھی آپ کے سامنے آتا تو رو دیتے اور فرماتے کہ جس وقت ان کی چڑی اویڑی جارہی تھی اس وقت یہ آیت ان کی زبان پر تھی کَانَ ذَا الْفِی الْکَلْبِ مَسْکُورًا

انکاری | منکر الزاج اور متواضع تھے اور علم سے جو خاکساری و تواضع یہاں ہوتی چلتے بچھاتے موجود تھی کسی بھی کسی جھوٹے سے علم حاصل کرنے میں جھکتے نہیں تھے فرماتے ہیں من احب ان ینظر تصور علمه فلینظر فی علی حدیث الزہری للمحدث بن یحیی الذہلی (م ۲۵۸)

عبد الغنی الاندلی المصری جو آپ کے تلامذہ میں ہیں ان کا بیان ہے کہ جب میں الموطع والمختلف لکھنے لگا تو دار فطنی پہنچے اور میں نے اس سلسلہ میں ان سے استفادہ کیا اور ان تمام مضامین کو موقوف و مختلف میں جمع کر دیا جب تصنیف سے فراغت ہو گئی تو استاد نے مجھ سے کہا اس کی قیادہ کیجئے تاکہ مجھ کو آپ سے سماع ہو جائے میں نے کہا حضرت! اس میں جو کچھ ہے سب آپ ہی کا تو فیض ہے فرمایا یہ سب کچھ نہیں سنا جائے گا تم نے جو کچھ لیا ہے وہ محض متفرق لیا ہے اور اس میں سب مجتمع ہیں اس کے علاوہ اس میں کچھ نئے دو سرے ضمیمہ کی بھی استفادہ کیا ہے غرض ان کے اصرار پر میں نے قراءت کی۔

لہٰذا ابن خلکان کہ انساب سماعی لہٰذا عم البلدان شہ تذکرہ ج ۲ لہٰذا ج ۳

تنگی | مزاج میں تنگنگی اور تفریح بھی تھی ایک روز ابو الحسن بیضاوی نے ایک شخص کو جو حدیث کی طلب میں آیا تھا ان کے سامنے پیش کیا اور کہا یہ شخص مسافر ہے آپ کچھ اطا فرمائیے دارقطنی نے معذرت کی اور کہا کہ فرصت نہیں ہے لیکن بیضاوی کب ماننے والے تھے اصل کیا آخر دارقطنی نے ایک حدیث اٹھا کر کہائی جس کو تقریباً بیس طرق اور سند سے روایت کی اور سب کا متن یہ تھا فمما احدثہ ابو الحسن الحاجۃ دوسرے روز وہ صاحب پھر آئے اور مناسب دہیہ لے کر آئے دارقطنی نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور ایک حدیث سنہ طرق سے اٹھا کر کہائی من ان سبب حدیثوں کا یہ تھا۔ ۱۵۱۱ آٹھ کھریں غلاموں کے ساتھ دارقطنی کا علم و فضل میں اپنے وقت کا امام ہونا اور مختلف علوم و فنون میں ان کا تقویٰ مسلم ہے خصوصاً علم حدیث کے ہر شعبہ میں جان کی خدمات جلیلہ میں وہ تاریخ کے سینے پر ثبت ہیں علم حدیث کے ہر موضوع پر نہایت قابل قدر تصنیفات ہیں جنہیں ارباب علم و فضل نے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ذیل میں ہم ان کی تصانیف سے ناظرین کو روشناس کرنا چاہتے ہیں اس تذکرے سے ان کے تجربہ علمی کا اندازہ ہو سکے گا۔

سنن دارقطنی | تیسری صدی حدیث کی ترتیب و تدوین کے لحاظ سے نہایت مبارک و مسود زمانہ دہی ہے سنت کی خدمت اور اس کی تحیص اور رواۃ کا نقد اسی زمانہ میں ہوا اس کے قبل جنہی کتابیں تالیف ہوئیں وہ سب کی سب اقوال صحابہ و قتادی تابعین سے مخلوط و مزوج ہوا کرتی تھیں لیکن اس دور میں تالیف کا طریقہ ہی بدل گیا اور نئی راہ نکالی گئی اور صرف مستحکم جمع کیا جیسے نگاہ لیکن صحیح و سلیم رطب و یابس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور ہر صحیح و ضعیف کو جگہ دے دی گئی، نتیجہ ہوا کہ ہر ارباب نظر و فکر نہ تھے ان کے لئے سخت دشواری پیش آئی لیکن امام بخاری ۲۵۱ و امام مسلم ۲۶۱ و دیگر ائمہ جہادہ نے اس کوتاہی کو محسوس

کرتے ہوئے ایسی کتابیں تدوین کیں جن کی نظیر دنیا کی کسی زبان و مذہب میں نہیں ملتی
جو تہی صدی کے ابوابِ علم بھی اسی نقش قدم پر چلنے لگے اور ان کا کام زیادہ تر افادہ کا ہوا،
اس صدی کی مشہور کتاب معجم طبرانی م ۳۶۰ ذکیر وصغیر و اسطی سنن دارقطنی م ۳۸۵
صحیح ابن حبان م ۳۵۴ وغیرہ میں دارقطنی اور ان کی تصانیف کو قدر سے دیکھا گیا اور اس
سے فائدہ پہنچا بن صلاح کا بیان ہے کہ سات حافظ ایک ہی طبقے میں ایسے ہیں جن کی تفہیم
ابھی میں اور ہمارے زمانہ میں اس سے فائدہ عظیم ہوا ان میں سے ایک ابو الحسن علی بن عمار دارقطنی
ہیں، سنن دارقطنی اسی دور کی قیمتی کتاب ہے جس نے عوام و خواص میں مقبولیت حاصل کی
علامہ سیوطی اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہ بخاری و مسلم کے علاوہ جو صحیح حدیثیں ہیں ان
کی صحت اور تلقی بالقبول کا معیار کیا ہوگا؟ فرماتے ہیں اس کے متعلق علمائے حدیث کا یہ مسلک
ہے کہ جب محدث مصنف یا محدث تصنیف میں اس کی صحت کی تصریح کر دی جائے تو وہ حدیث
صحیح ہوگی اس مقام پر محدث تصانیف کو علامہ موصوف شمار کرتے ہیں اور اس میں دارقطنی کا
بھی ذکر ہے، فرماتے ہیں کسن بن ابی داؤد، الترمذی، والنسائی و ابن خزمیہ و الدارقطنی و الحاکم
و السیوطی وغیرہ کشف الظنون نے حدیث کی صحیح کتابوں میں دارقطنی کو داخل کیا ہے الا

ان السلف والخلف قد اطبقوا علی ان اصح المکتب بعد کتاب اللہ سبحانہ و تعالیٰ
البحار سی ثمر مسلم ثم الموطا ثم بیئۃ المکتب الستہ وھی ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن
الدارقطنی بالکل اسی طرح کا خیال طاش کبریٰ زاوہ نے بھی ظاہر کیا ہے علمائے متاخرین نے
اس کو اپنی تصنیفات کا موضوع قرار دیا اور اس پر کام کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے دس کتابوں
پر اطراف لکھی ہے جس کا نام اتحاف المہرۃ بطراف العشرۃ ہے جن دس میں دارقطنی بھی شامل

لہ مقلح السنۃ تہ تدبیر تہ کشف الظنون تہ بقیہ کتابیں یہ ہیں موطائک مسند شافعی مسند احمد
مسند ابی یوسف سنن ابی داؤد معجم ابن حبان معجم ابی یوسف سنن ابی یوسف سنن ابی یوسف
سلی التامر اور ایک دارقطنی نقل کیا ہے کہ میں ہر دس ہی کا اعتبار کیا ہے صحیح میں تھے
(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷)

ہے علامہ ابن الملقن م ۸۰۰ نے حدیث کی چھ کتابوں کے رجال پر کام کیا ہے اس ٹچ میں دارقطنی بھی ہے علامہ عراقی نے سنن دارقطنی کے ان رجال پر کام کیا ہے جو تہذیب کے علاوہ ہے علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں جن کتابوں کی احادیث کی تخریج کی ہے ان میں ایک سنن دارقطنی بھی ہے اور اس کی علامت قسط ہے۔

علامہ شمس الحق دیوانوی البہاری صاحب عون المعبود نے سنن دارقطنی پر تعلق لکھی ہے جس کا نام تعلق المغنی علی سنن دارقطنی رکھا ہے اور سنن کو معہ تعلق کے شائع کیا ہے۔

سنن دارقطنی کے چند نسخے ہیں دا، ابوبکر محمد بن عبد الملک بن بشران الحافظ (۲)، ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن عبد الرحیم الکاتب (۳)، ابومنصور محمد بن محمد النوفانی (۴)، ابوبکر احمد بن محمد بن احمد بن غالب البرقانی (۵)، ابوالطیب طاہر بن عبد اللہ بن طاہر الطبری (۶)، ابوالحسن محمد بن علی م ۶۶۵ اول الذکر متبوعوں نسخوں میں اصولاً فرق نہیں ہے صرف تقدیم و تاخیر اور رواۃ کے نسب و نسبت میں زیادتی و نقصان کا تھوڑا فرق ہے ابوالحسن سب سے آخری شاگرد اور آخری راوی ہے، ہندوستان میں ابن بشران کا نسخہ ہے۔

اس سنن کی سب سے اعلیٰ سند پانچ واسطہ سے ہے سب سے پہلی حدیث ثلثین والی ہے اس حدیث کے طرق و اسانید میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور تحویل پر تحویل کرتے چلے جاتے ہیں تقریباً ۵۰ سندوں سے اس کو ذکر کیا ہے جس سے دارقطنی کے قوت حافظہ اور استفادہ تام کا پتہ چلتا ہے پہلی سند حضرت جابر بن عبد اللہ سے ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ینبأ من الماء ثلثین فصافوق ذلك ثم یجسده شیئاً ایک حضرت ابن عباسؓ سے ہے یا من الماء ثلثین فصاعد ثم یجسده شیئاً اور باقی حضرت ابن عمرؓ بنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ولقبہ حاشیہ گذشتہ کا شمار نہیں کیا ہے کیونکہ حافظ بن حجر کے پاس صحیح ابن خزیمہ کا نسخہ تھا جس تعابین میں ایک ربع اس لئے نام باطراف المشروہ ہی رکھا اس کا ایک نقلی نسخہ مکتبہ مادیہ آستان قدس میں موجود ہے و خلافاً ابن ہند اور حیدر آباد میں بھی ہے یہ بقیہ کے نام یہ ہیں مسند احمد۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ مسند کرم۔ یہی تہ سبتان۔

یا ابن عمر عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دارقطنی، سنن میں پہلے حدیث کے تمام طرق کو جمع کر دیتے ہیں پھر اس کے مستند پر کلام کرتے ہیں اگر راوی ضعیف ہے تو اس پر جرح کرتے ہیں پھر حدیث حسن یا ضعیف ہونی کو اس کی تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے یا ضعیف۔

حدیث حسن کے شناخت کا ذریعہ مشائخ متقدمین جیسے امام احمد و بخاری رحمہما اللہ وغیرہا کے متفرق کلام میں یا پھر جامع ترمذی ہے لیکن اس کے نسخے مختلف ہیں اس لیے صحیح طور پر پتہ چل نہیں سکتا الا یہ کہ معتدل نسخوں مل جائے اور پھر تفسیر ذریعہ سنن دارقطنی ہے کیونکہ یہ اپنے سنن میں نص کر دیتے ہیں اور تصریح کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

پھر فقہ کے مذاہب کو بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معرفت بمذاہب الفقہاء میں بھی ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے۔

لہ مقدمہ ابن صلاح

مرزا شوق لکھنوی کا تنقیدی مطالعہ

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

مرزا شوق، جان عالم و اجد علی شاہ کے اس لکھنؤ کا شاعر ہے جہاں ہر منظر و صحنہ نگاہ اور ہر گوشہ بساط، دامن باغیاں بنا ہوا تھا نظارۂ جمال بھی تھا اور شوق وصال بھی۔ جام بلور بھی تھا اور ذہن و صبح بھی۔ صراحی سے ناب بھی تھی اور سفینۂ غزل بھی۔ اس کا تنقیدی مطالعہ نہ صرف لکھنوی ادب کے محرکات اور میلانات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے بلکہ اس تہذیبی ماحول کو جانتے کے لئے بھی۔ جب یہ معلوم ہوتا تھا کہ حکمِ نفا کو جامِ شراب کی گردِ دیش سے پھر دیا گیا ہے اور شاہو سحر کی یہ زنجینیاں قائم ہو کر رہ گئی ہیں قیمتِ علاوہ محصولِ ڈیڑھ روپیہ۔

سے کاہتہ۔ مکتبہ برہان، دہلی ۶ اور محمد اسلم، عماد الملک روڈ علی گڑھ۔

مسئلہ قربانی اور مسلمان

انرا

(حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب زیل سکرٹری جمیہ علماء ہند)

ارباب فکر و نظر جب کسی اہم مسئلہ پر غور کرتے ہیں بنیادی مقصد ایک ہوتے ہوئے بھی اکثر و بیشتر ان کے فکر کی دو جداجدا راہیں بن جاتی ہیں جن کو ہم افہام و تفہیم کی غرض سے تخیلی اور عملی کے نام سے پکار سکتے ہیں۔

میدان تخیل کا مازن معاشرہ کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے اول چند نظری مقدمات بناتا ہے اور پھر واقعات کی رفتار کو اپنے غرورہ مقدمات کے سانچے میں ڈھال کر ایسا نتیجہ نکالتا ہے جو واقعات و حقائق سے جدا بلکہ بعض مرتبہ ان کے برعکس ایک نئی حقیقت کی تخلیق کا سبب بن جاتا ہے اور وہ پیش پا افتادہ حقیقت اپنی جگہ تشنہ رہ جاتی ہے اور بسا اوقات مستور اور پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس عملی طریق فکر کا حامل اصل حقیقت کی تہ تک پہنچ کر صیح نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب رہتا اور مقصد کو ہر قسم کے نقصان و ضرر سے محفوظ رکھ کر اس کی تقویت کا باعث بنتا ہے بنت اور ارادہ اگرچہ دونوں کا پاک اور بے لوث ہونا ہے مگر مقصد تک پہنچنے یا اس کو قوی تر بنانے میں اکثر و بیشتر پہلا نا کام اور دوسرا کامیاب نظر آتا ہے۔

اس نازک و دردمیں بھی جبکہ ملک و وطن کے اہم مسائل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں سے متعلق بعض خصوصی اور اہم سے اہم زمائیں زیر غور اور زیر بحث ہیں ہمارے ارباب فکر مسطورہ بالا دونوں راہوں پر چل کر مسائل حل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے ذہنی کے مطابق مسلمانوں کو مشورے دے کر ان کی مشکلات کے حل اور مصائب و آہم کے

النداد کی فکریں کر رہے ہیں۔

ان ہی پیچیدہ مسائل میں سے ایک مسئلہ جو آج ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم رکھنے کی ہزار سالہ تاریخ میں بہت بڑے عرصہ سے ہمیشہ پیچیدہ بنا رہا ہے ”قربانی کا“ مسئلہ ہے۔

”گائے“ ہندوؤں کی مذہبی تقدیس کا ایک اہم جز ہے اور اس درجہ اہم ہے کہ ہندو مذہب کے تمام متوں کو یہی گائے ایک مرکز پر جمع کر دیتی ہے یہ تصویر کا ایک رخ ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ ہندو مذہب کے علاوہ اسلام، عیسائیت، یہودیت وغیرہ مذاہب میں گائے کو بھی ان جانوروں میں شمار کیا گیا ہے جن کا گوشت انسان کے لئے پاک اور حلال ہے اس لئے قدرتی طور پر ان مذاہب کے پیروں میں اس جانور کی مذہبی تقدیس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس مسلمانوں کے اہم مذہبی تہوار ”عید قربان“ میں جو کہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے خدای تعالیٰ کے سامنے اپنی قربانی پیش کرنے کی یادگار کا بہترین شاہکار ہے مخصوص حلال جانوروں کی قربانی کی فہرست میں یہ بھی شامل ہے اور یہی نہیں بلکہ ایک عرصہ دراز کے بعد مسلمانوں کے عام اقتصادی حالات کے پیش نظر اس مسئلہ نے اس لئے بھی اہمیت حاصل کر لی کہ قربانی کے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کچرا، بیٹھڑ، دنبہ ایک شخص کی جانب سے ایک ہی ہو سکتا ہے مگر اونٹ، بھینس اور گائے میں سات اشخاص شریک ہو کر قربانی کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں اور ہر کمرے کی اور بڑے جانور کی قیمت کا اگر موازنہ کیجئے تو صاف نظر آتا ہے کہ جو سات اشخاص جدا جدا سات بکرے کو خرید کر مالی حیثیت سے قدرت نہیں رکھتے وہ آسانی سے ایک بڑے جانور کی قیمت میں شریک ہو کر اپنے فریضہ کو ادا کر لیتے ہیں اور جبکہ اس ملک میں اونٹ کیاب ہے تو بھینس اور گائے اور ان دونوں کی نسل ہی سے کام لیتے ہیں مسلمانوں کی اقتصادی حالت کس درجہ کمزور ہے اس کا اندازہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ملک کے تمام باشندوں کو ہے اس لئے قربانی کے موقع پر

بحرے اور دہلی کی قربانی کم اور بڑے جانوروں کی قربانی زیادہ کرنے کا سبب یہی اقتصادی
مجبوری رہی ہے اور ہندوؤں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہرگز اس کا باعث نہیں ہوا
البتہ گزشتہ پچاس ساٹھ برس کے عرصہ میں انگریزوں کی غلامی کے ساتھ ساتھ جب
ملک میں حقوق طلبی کی بحث نے سیاسی رنگ اختیار کیا اور ایک اجنبی سامراجی طاقت نے
اپنی جڑوں کو مضبوط کرنے کے لئے ہندو مسلمان کو جدا جدا حیثیت دے کر مذہبی اور معاشرتی
منازعت کا پارٹ ادا کیا اور اس کے نتیجہ میں ہندو اور مسلم دونوں تہواروں میں خون کی بھولی
کھیل جلنے لگی تب یہ مسئلہ بھی بد قسمتی سے دونوں فرقوں کے درمیان باہمی منافرت اور
باہمی کش مکش کا ذریعہ بنالیا گیا۔

ہندو بھائی آنکھوں سے دیکھتے کہ انگریزوں کی چھاؤنیوں میں روزانہ ہزار ہا فٹسم کی
گائے گنتی میں اور وہ اس کو برداشت کر لیتے لیکن تین سو ساٹھ دونوں میں سے ایک دن جب
عید قربان کے نام سے اکثر مشہور ناکارہ اور دودھ سے بیگانہ ذبح کی جاتیں تو جانوروں کے نام
پر انسانوں کی قربانی سے دریغ نہ کرتے۔

اسی طرح مسلمان یہ محسوس کرتے ہوئے بھی کہ اس خاص جانور کے ذبح سے برادری
وطن کے جذبات مشتعل ہوتے ہیں انھیں بڑے جانوروں میں سے اسی جانور کی قربانی افضل
نظر آنے لگی۔

مگر یہ سیاسی بحران خلافت کی نیک تحریک نے بکرم پامال کر کے ملک میں پہلے سے
بھی زیادہ دونوں فرقوں کے درمیان یک جہتی پیدا کر دی اور ایک دوسرے کے جذبات کا
پاؤں و لحاظ سکھا دیا جس کا معمولی مظاہرہ یہ تھا کہ عید قربان کے موقع پر حکیم اجل خاں صاحب
کی تحریک پر دہلی میں جہاں سیکڑوں گائے قربان ہوا کرتی تھیں حکومت کی پوری مخالفت طاقت
کے باوجود مشکل سے دو یا تین گائے ہو سکی تھیں۔

اس سے یہ بخوبی اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی عام ذہنیت اس طرح کی واقع ہوئی

ہے کہ محبت اور جذبات خلوص کے ساتھ لگن کی جان بھی طلب کی جائے تو وہ دین نہیں کہتے اور پس و پیش کو بزدلی تصور کرتے ہیں لیکن کسی معاملہ پر قوت آزمائی کے ذریعہ قابو حاصل کرنے کی سعی کی جائے تو اس کے سامنے سر جھکانا اپنی توہین سمجھتے اور جاد بے جاہر طریقہ پر اس کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں خواہ اس مقابلہ میں خود ان ہی کو شدید خسارہ اور نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

پچنانچہ مسئلہ میں جب تحریک خلافت کمزور پڑ گئی اور حکومت سے نبرد آزما ہندو مسلم طاقت آپس میں ہی دست و گریباں ہونے لگی حتیٰ کہ مذہبی تہوار بھی اس زد سے نہ بچ سکے اور سیاسی بنجار کا ٹیڑھ سچے دونوں جانب سے مذہبی شکل میں چڑھنے لگا اور دوسرے مسائل کے ساتھ ساتھ ایک مرتبہ پھر اس مسئلہ کو خالص مذہبی اور اقتصادی حدود سے نکال کر سیاسی رنگ میں دیکھا جانے لگا اور ہندو مسلمان دونوں ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کی پروا کے بغیر اور طبعی اخلاقی معیار سے منہ موڑ کر مذہبی رسوم میں ایک دوسرے کو زک دینے ہی کو بڑا مذہبی کارنامہ سمجھنے لگے۔

بہر حال کہنا یہ تھا کہ دراصل مسلمان عید قرباں میں بڑے جانوروں کی خصوصاً آسانی سے بکرت بستے داموں دستیاب ہو جانے کی وجہ سے دودھ سے بے گانہ اور ناکارہ گالیوں کی قربانی خالص مذہبی اور اقتصادی نقطہ نگاہ سے کرتے تھے اور اس معاملہ میں ہندوؤں کے جذبات کو محسوس پہچاننا اور ان کو چڑانا مقصود نہیں ہوتا تھا تاہم دونوں جانب کے لیڈروں اور مقتدر شخصوں نے ضرور موقع بہ موقع اس مسئلہ کو سیاسی رنگ دے کر باہمی منافرت کو بڑھانے کا کڑا کر دیا اور دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی اور نفرت کے جراثیم کے لئے غذا کا کام دیا۔

میں نے متعدد مسلم سنجیدہ اور صاف دماغ مدبروں اور سیاسی بلند پایہ رہنماؤں نے جسٹس جنت کو شش کی کہ کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے تاکہ دونوں فرقوں کے درمیان اعتماد اور محبت کی بنیاد قائم ہو سکے۔ مگر مذہب کے نام پر سیاسی حربہ بن سکے لیکن انیسویں صدی افسوس کہ قوم پرست

ہریان ملک کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور فرزند پرستوں اور ارجی سامراجی طاقت کی مہربانیوں کی وجہ سے یہ اخلاقی مسئلہ سیاسی الجھنوں میں پھنس کر رہ گیا۔
یہ اس مسئلہ کا پس منظر ہے جو بغیر کسی ذمہ داری کے واقعات کی حقیقی روشنی میں پیش کیا گیا ہے تاکہ اس تاریک زمانے میں اس مسئلہ پر جو کچھ کہا یا لکھا جائے اس حقیقت کو پیش نظر رکھ کر مواد ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

ہندوستان مسئلہ میں آزاد ہو گیا اور انگریزوں کی سامراجی حکومت کے پنجہ استبداد سے اس کو پوری طرح آزادی نصیب ہو گئی لیکن اس نے اپنے ترکہ میں ہندوستان کی تقسیم اور بٹوارہ چھوڑا جو ملک کے باشندوں کو "خواہ وہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں ہندو ہوں یا مسلمان" بہت ہنگامہ ڈرا اور تباہی و بربادی کا وہ نقشہ سامنے لایا تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز و درماندہ ہے۔

اس موقف پر پہنچ کر ملک کے دونوں حصوں میں ہندو اور مسلمان کی سیاسی اور اجتماعی حیثیت میں سابق کی بہ نسبت بہت بڑا تفاوت ہو گیا اور ہندوستان کی وحدت کی صورت میں جو دن مسلمانوں کا بھارت کے حصہ پر ہو سکتا تھا باقی نہ رہا اور جو قیمت ہندو کی پاکستان کے حصہ میں ہو سکتی تھی وہ پاؤں ہوا ہو گئی اور کل جن متنازعہ مہامسائل میں پورے ملک کے ایک دوسرے کی رضا اور قبولیت از بس ضروری اور ناقابل نظر انداز سمجھی جاتی تھی آج دونوں حصوں کی اکثریت کی نگاہ میں ان مسائل کے حل کرنے میں اقلیت کا فیصلہ اور اس کی رائے سے سیاسی تو کجا اخلاقی حیثیت میں بھی کچھ زیادہ قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا۔

بحث اس میں نہیں ہے کہ ہوا کیا چاہتے ہیں نظریہ ہے کہ ہوا کیا رہا ہے اور گذشتہ دور کے فرقہ وارانہ قضیوں کے حل کے لئے عملی زندگی میں آج اور کل کے درمیان کیا تفاوت اور فرق ہے؟

اشارات و مضمرات میں موجودہ صورت حال کا جو جائزہ سطور بالا میں لیا گیا ہے اس

کو سامنے رکھتے اور اب غور کیجئے کہ ”قربانی کا داور مسلمان“ کے عنوان پر جن حضرات نے حالیہ معنائیں میں اظہار خیال کیا ہے اس کی نوعیت کیا ہے اور کیا مسئلہ کو اس طرح زیر بحث لا کر ہم واقعی حل کر سکتے ہیں یا حل کرنے کی بجائے جن مسلمانوں کی جان و آبرو کی خاطر اس مسئلہ کو سپرد قلم کیا گیا ہے ان کے لئے مزید مشکلات کا باعث بن رہے ہیں؟

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ برادر عزیز مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی پرنسپل مدرسہ حالیہ کلکتہ نے برہان بابت اکتوبر ۱۹۶۶ء کے شذرات میں عبد الصغیٰ کے حالیہ فتاویٰ سے منازح ہو کر گائے کی قربانی سے متعلق اظہار خیال کرتے اور اس مسئلہ کی شرعی حیثیت پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے اس جانب جو توجہ دلائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عید قرباں کے موقع پر گائے کی قربانی کے نام سے بھارت میں مسلمانوں کے خون کی جوار زانی ہوتی ہے اس کے متعلق ہم دو طرح غور کر سکتے ہیں ایک یہ کہ گائے کی قربانی ایک امر مباح ہے پس اس امر مباح کو اگر حکومت قانون اور قوت کے بل پر روک دے اور مسلمانوں کو مجبور کر دے تو ایسی صورت میں مباح بھی واجب الادا ہو جاتا ہے خواہ اس کا انجام کچھ ہی کیوں نہ ہو دوسرے یہ کہ حکومت نے اس کو قانون کی راہ سے روکا ہے اور قوت کے بل پر روکنا جائز نہیں ہے تو مسلمانان ہند اجتماعی حیثیت میں اس کا فیصلہ کریں کہ جبکہ گائے برادران وطن کی مذہبی تقدیس کا اہم شعار ہے تو ہم اعلان کرنے میں کآئندہ گائے کی قربانی ہرگز ہرگز نہ کریں گے تاکہ برادران وطن کی دل آزاری بھی نہ رہے اور مسلمانوں کی جان عزیز بھی خطرہ میں نہ پڑے۔

موصوف نے ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی پہلو کے متعلق خود کوئی فیصلہ کن رائے نہیں دی بلکہ علماء کرام خصوصاً جمیع علماء ہند کو دعوت دی ہے کہ وہ جلد از جلد اس کا فیصلہ کرے البتہ ان کا رجحان یہ ضرور ہے کہ اس مسئلہ کا فیصلہ دوسری صورت کے مطابق ہونا چاہئے مولانا نے موصوف کا یہ شندہ اپنی جگہ اگرچہ قابل قدر اور لائق توجہ ہے لیکن میری تہنید کے مطابق تخیلی ہے علی نہیں اور دقت کے تقاضا کے پیش نظر مضربے مفید نہیں اس لئے نہیں

نہ ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس لئے کہ یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی اور اس لئے آج ایسا ہونا برادرانِ وطن کی نگاہ میں بے وقت اور بے معنی ہے اور اگر مجھ کو زیادہ جرات کے ساتھ کہنے کی اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ موجودہ حالات میں یہ مستحسن ترین کارنامہ اخلاقی قدر و قیمت رکھتا ہے اور نہ سیاسی اور نہ اس سے مسلمانوں کی جان عزیز ہی خطرو سے بچ سکتی ہے غرض جو حل پیش کیا گیا ہے وہ تقسیم ہند کے بعد ”حل“ کہہ سکتا ہے لیکن ”حل“ بن نہیں سکتا۔

کیوں؟ اس لئے کہ موصوف نے پہلی بات ”جس پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی ہے“ یہ فرمائی ہے۔

اس نفسیاتی الجھن اور بیم درجہ کی اس جاں گداز کشمکش کا اصل باعث گائے کی قربانی کا مسئلہ ہے یہ مسئلہ ہمیشہ سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں کشیدگی اور کشاکش کا سبب بنا رہا ہے اور اب ملک کی تقسیم جن حالات میں ہوئی ہے ان کی زد سے اس کی نزاکت اور بھٹی بڑھ گئی ہے چونکہ یہ خالص مذہبی معاملہ ہے اس لئے علماء کا فرض تھا کہ تقسیم کے بعد ہی فوراً اس کے متعلق کوئی متفقہ فیصلہ کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرتے تاکہ لوگوں کے عالم میں رہنے کے باعث جان و مال کا جو خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے اس سے نجات ملتی اور صورت حال کا کوئی خوشگوار حل نکل سکتا لیکن افسوس کہ علماء نے ایسا نہیں کیا اور اب ایسا مرحلہ آگیا ہے کہ اگر ان کی غموشی کا یہ ہی عالم رہا تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے نتائج کتنے خطرناک اور افسوسناک ہوں گے (انتہی)

نشان زدہ عبارت یہ خلی کھارہی ہے کہ تقسیم کے بعد چونکہ علماء نے گائے کی قربانی کے ترک کا فیصلہ نہیں دیا اس لئے مسلمانوں کو جان و مال کا خسارہ برداشت کرنا پڑ رہا ہے مجھے حیرت ہے کہ مولانا نے موصوف نے اس مسئلہ کی رہنمائی نزاکت سے باخبر ہونے کے باوجود اتنا بڑا بوجہ علماء پر یا خود مسلمانوں پر ڈال دیا ہے اور حقائق و واقعات سے چشم پوشی

کا حسبِ ثابت ویا ہے۔ کاش وہ اس حقیقت پر نظر رکھتے کہ تقسیمِ ہند کے بعد مسلمان
معاذِ قربانی کا ذکر کئے ہوئے ہیں اور علماء کا فیصلہ ہونے نہ ہونے سے قطعاً نفوذِ وقت سے
خود حق کی رہنمائی کا فرض انجام دیا ہے تاہم عیدِ قرباں کے موقع پر گزشتہ سالوں میں خصوصاً
امسال جو فسادات ہوئے ہیں ان کے متعلق خود سرکاری کمیونٹیکے مظہر میں کہ مسلمانوں نے
ان مقامات پر گائے کی قربانی نہیں کی تھی لیکن فرقہ پرست ہندوؤں نے مسلمانوں کی جان و
مال کو نقصان پہنچانے کے لئے عیدِ قرباں کو بہانہ بنا کر خون کی ہولی کھینا۔ ہتھوری سجھا پانچ پنج پنیر پندر
دسہا پنور، سور، دسترا، دولت پور، وال آباد، مکری، راغظم گڑھ، لکھنؤ۔ جیل سجھا پنور،
سینور (بھوپال) کے فسادات اس حقیقت کو بخوبی واضح کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت بھی فراموش نہیں ہونی چاہئے وہ یہ کہ حکام کے اس
بات سے مطمئن ہونے کے باوجود کہ مسلمان گائے کی قربانی نہیں کریں گے انہوں نے اکثر
مقامات پر رہنمائی کی کہ اگر آپ بھینس یا بھینس کی نسل کی قربانی بھی کریں گے تو چونکہ ذبح کے
بعد بڑے گوشت کے درمیان یہ فرق مشکل ہے کہ گائے کا ہے یا بھینس کا اس لئے مسلمانوں
کے لئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ وہ قانونی یا بندی نہ ہوتے ہوئے بھی ایسا نہ کریں ورنہ فساد
کی ذمہ داری سے وہ بھی سبکدوش نہیں رہیں گے۔

ایسے حالات میں اگر علماء یہ متفقہ فیصلہ دے بھی دیں تو انصاف کیجئے کہ اس فیصلہ کی قدر
و قیمت کیا ہے اور کس طرح مسلمانوں کی جان و مال کا خطرہ اس فیصلہ سے ٹل سکتا ہے بلکہ
کو اگر در رس نگاہ سے دیکھا جائے تو یکطرفہ یہ فیصلہ مسلمانوں کی جان و مال کے لئے مزید خطرہ
بن سکتا ہے کیونکہ مفسد عناصر جن مقامات پر فساد کرنا چاہیں گے وہاں کے مسلمانوں پر یہ مجبوز
الزام عائد کریں گے کہ اس مقام کے مسلمانوں نے نہ صرف ہندوؤں کی جان و مال کی بلکہ
خود اپنے علماء کے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کی اور گائے کی قربانی کر کے دو سنگین جرموں کے
محرک بن گئے اس لئے ان کا صفحہ ہستی سے مٹا دینا ہی بہتر ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کا خوف دہرا اس یا مصلحت وقت کے پیش نظر ہے۔
 انسانی ذکرنا وہ اہمیت نہیں رکھتا جو علماء کے متفقہ فیصلہ سے پیدا ہو سکتی ہے مگر یہ بھی سبب
 نہیں ہے اس لئے کہ کسی قوم یا کسی فرقہ کا مذہبی یا سیاسی یا اخلاقی متفقہ فیصلہ جب ہی دوسری
 قوم یا دوسرے فرقہ کی نگاہ میں لائق اعتناء اور قابلِ وقت ہو سکتا ہے جب علیٰ زندگی میں وہ
 دوسروں کے ہم پلاد قوت و طاقت میں دوسروں کے ہمسر ہی نہ ہو بلکہ اس درجہ میں ہو کہ اگر
 دوسرے اس کے فیصلے کو نظر انداز بھی کر دینا چاہیں تب بھی نظر انداز نہ کرنے پر مجبور ہوں در نہ
 اس دنیا میں مکرور اور ضعیف عناصر کے فیصلے کھوٹے سکے سے زیادہ وقیع نہیں ہوتے۔
 درحقیقت اس فیصلہ کی قدر و قیمت یا آزادی سے قبل کے دور میں تھی اور یا آزادی
 کے بعد جب ممکن تھی کہ ملک کی تقسیم نہ ہوتی اور پورے ملک میں ہر حیثیت سے دونوں بڑے
 فرقے ایک دوسرے کی مکرور برابر کے سمجھے جاتے اور ایک کے فیصلہ کا اثر دوسرے کو قبول
 کرنا ناگزیر ہوتا۔

اللہ مسلمانوں کو جان و مال کے خطرہ سے بچانے عید کے موقع پر ان کے چہروں پر خن
 و دھن کی جگہ بشارت و مسرت پانے اور گائے کے نام سے ہندو مسلم مساوات روکنے کی
 غرض سے صبحِ محل تلاش کرنے کی بنا پر نہیں بلکہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ اس غرض سے کرنا مقصود
 ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بلندی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بات کے ترک کا متفقہ
 اعلان کر دینا چاہئے جس سے برادرانِ وطن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے خواہ آج
 کے دن اس کی اخلاقی قدر و قیمت بھی کچھ نہ سمجھی جائے لہذا یہ ایک تعمیلی حل تو بن سکتا ہے
 علیٰ مل نہیں ہو سکتا۔

کیا دھن مکوں کی اکثریت اس زعمِ باطل میں گرفتار نہیں ہے کہ جو متنازع فیہا مسائل
 حل تک حل نہیں ہو سکے یا اجمینی طاقت نے حل نہیں ہوئے دئے وہ آج اکثریت کی اکثر
 زبردست طاقت نے اس طرح حل کر دئے کہ اب ان کو متنازع فیہا مسائل کہنا ہی محسنی

ہے اور کل جو معاملات اخلاق، محبت، رواداری اور وطنیت و قومیت کے نام پر طے نہ ہو سکے آج اکثریت کی طاقت نے برآسانی حل کر دئے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک کی اقلیت اگر آج آزاد و فضا میں اخلاق و مردیت کے نام پر کسی پرانے قضیہ کا حل تلاش کرے تو اکثریت اس کو اس لئے مضحکہ خیز سمجھنے پر آمادہ نظر آتی ہے کہ اس کے نزدیک یہ فیصلہ اقلیت کی غلبہ و عریضیت اور عریضیت کا نتیجہ ہے نہ کہ اخلاقی برتری اور طہر کرداری کا یا کم از کم باہمی امن و سلامتی سے رہنے کے لئے صلح جو یا نہ جذبہ کا، چنانچہ آج اس مسئلہ ”قربانی گاد“ سے متعلق بھی بہت سے سنجیدہ دماغ بھی سوچتے اور زبان سے یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ اب اس ملک میں اس اقدام کے لئے مطلق گنجائش نہیں ہے تو ایسی صورت میں مولانا کے موضوع کا علمدار کرام کی خاموشی کو مورد الزام بنا کر ایک غیر موثر فیصلہ کی دعوت دینا ہرگز قرین دانشمندی نہیں ہے بلکہ دقت کے محرکات و عوامل سے چشم پوشی کے مرادف ہے۔

اللہ سبحانہ اگر (العیاذ باللہ) اپنے مذہب کو پس پشت ڈال کر اس حد تک جرأت بجا پر آمادہ ہو جائیں کہ ہندو دنیا کی طرح وہ بھی گائے کی تقدیس کو شعار بنالیں تو شاید یہ منصف فیصلہ اکثریت کے نزدیک درخور اعتنا بن سکے بشرطیکہ اس فیصلہ میں بھی ان کو کسی جگہ بونے منافقت محسوس نہ ہو اور پھر اس کے ازالہ کے لئے ایک اور منصف کانفرنس منعقد کرنے کی ضرورت پیش نہ آجائے۔

بہر حال موجودہ حالات میں اس مسئلہ کا اعلیٰ حل دو شکلوں میں سے ایک شکل میں ہو سکتا ہے، (۱) یہ کہ مرکزی حکومت اعلان کرے کہ اگرچہ حکومت قانونی طور پر کسی جانور کی قربانی ممنوع قرار نہیں دیتی لیکن ملک کے فرقہ وارانہ حالات کو روک دینا اصلاح کرنے کی خاطر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ گائے اور اس کی نسل کے علاوہ مسلمان مذہبی نقطہ نظر سے جس جانور کی بھی قربانی کرنی چاہیں گے اس حکومت اس معاملہ میں ان کی مدد کرے گی اور جو ان کے جائز حق میں مداخلت کرے گا وہ قانون کی خلاف ورزی کا موجب ہوگا۔ اور نہ صرف یہ اعلان کرے بلکہ سرکار کے ذریعہ تمام

صلیبانی حکومتوں کو توجہ دلائے کہ اضلاع اور قصبات و دیہات میں حکام اس حکم کی پوری طرح پابندی کریں اور اس جائز حق کی خلاف ورزی کرنے والوں کو مجرم قرار دیں۔

یہ فیصلہ بظاہر خوش آئند معلوم نہیں ہو گا اور سطحی نظر سے کہا جائے گا کہ اس سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ مسلمان خود ہی منفق طور پر یہ اعلان کر دیں کہ وہ گائے اور اس کی نسل کی قربانی کو نجوشی ترک کرتے ہیں۔ لیکن دور درسی کے ساتھ اگر اس پر غور کیا جائے تو پھر یہ مشکل بخوبی بخود خود دور ہو جائے گا۔

کیا سطور بالا میں جو نصریجات کی گئی ہیں اس کے بعد بھی یہ غلبان رہ سکتا ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی جانب سے بہتر سے بہتر فیصلہ بھی اکثریت کی نگاہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکے گا اور اس لئے امن و امان کا معاملہ بھی خاطر خواہ ترقی نہ پاسکے گا اس لئے حکومت کا فیصلہ ہی ان حالات میں مؤثر اور امن و سلامتی کا یہ ظاہر اسباب کفیل ہو سکتا ہے البتہ حکومت کے اس فیصلہ کو کامیاب بنانے میں پبلک کی امداد اور اس کا تعاون ضروری ہے دوسرا حل یہ ہے کہ سیاسی موقف سے بالاتر ہو کر اکثریت کی جانب سے اقلیت کو دعوت دی جائے کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے ہم حکومت کی جانب نہ دیکھیں بلکہ دونوں فرقوں کے ایک نمائندہ اجتماع میں متفقہ فیصلہ کریں جس کی پشت پر طاقت کی بجائے روادار محبت اور ایک دوسرے کے جذبات کا احترام ہو تب البتہ مولانا سعید احمد صاحب کی یہ پلکار وقت کی پکار کہی جاسکتی ہے اور بلاشبہ اس وقت خاموشی مجرمانہ حیثیت رکھ سکتی ہے۔

سید اگر ان دونوں حل کی آج کوئی صورت بن نہیں آتی تو خواہ مخواہ خود کو بے قیمت و بے ہنگام یا مشغول اور بے عمل اقدام سے خاموشی ہزار درجہ غنیمت کیوں نہیں۔

رباعید اضفی کے موقع پر فرقہ پرستوں کی جانب سے فسادات کا ہنگامہ اور گلے کی قربانی نہ کرنے کے باوجود اس کا بہانہ بنا کر غلہ ریزی کرنا تو کسی قسم کا حل بھی آپ سوچتے یہ تو اپنی شرارت پسند حرکات سے باز آنے سے رہے۔ ان مفسدوں اور شرارت پسندوں کا بیچ

یہ امر گمنام ہے اور نہ متفقہ فیصلہ اور نہ کوئی حل بلکہ حکومت کی بلوی طاقت اور امن پسند پبلک کی ان کے خلاف نفرت ہی اس کا صحیح علاج اور انسداد کا بہترین ذریعہ ہے۔

ادریہ بات قابل اطمینان ہے کہ ان تمام این و آں اور چنیں و چناں کے باوجود ہندوستان میں بھی ایسے صاف دماغ، صاف قلب اور نیک سرشت انسان موجود ہیں جو اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے مسائل کو باہمی رواداری اور ایک دوسرے کے جذبات کے پاس و لحاظ سے ہی حل ہونا چاہئے اور طاقت کے بل پر سرگز نہیں ہونا چاہئے اور یہی وہ حضرت ہیں جو آج بھی مسلمانوں کے اس قسم کے فیصلہ کی وقت کرنے پر آمادہ ہیں مگر اس مکر و فضا میں ابھی وہ اتنی قوت نہیں پاتے کہ اپنے فرقہ کی اکثریت کو بھی اپنا ہم خیال بنالیں۔

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں حالات سے بیوقوف ہوں اور یہ کہ ملک کے حالات کی مقدار یہی رہے گی نہیں ہرگز نہیں شکستہ سے آج تک میرا مشن بھارت کے گوشہ گوشہ میں عبور و جد کرنا رہا ہے اس کا ہر ایک ذرہ شاہد ہے کہ میں بیوقوفی کو کفر اور احساس کمتری کو سب سے بڑا گناہ سمجھتا ہوں اور بھگوانداس میں کامیاب ہوں۔

حالات آہستہ آہستہ بدل رہے ہیں اور برادران وطن میں جو حضرات صاف دماغ اور وطن عزیز کے سچے رہنما اور خادموں ہیں آج ان کی مبارک کوشش بار آور ہو رہی ہیں اور فرقہ پرستی کا زہر کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں ہے کہ یہ ملک اپنے دستور اور وہان کے مطابق ہر ایک شہری کے لئے باعزت مساویانہ زندگی کا حامل ہو گا اور فیصلح معنی میں سیکر اسٹیٹ بن جائے گا تب البتہ وہ وقت آئے گا کہ مسلمان اگر اس مسئلہ میں اپنے بلند کرداری کا ثبوت پیش کرنا چاہیں گے تو اس کی قدر و قیمت بھی ہوگی اور وہ مقصد بھی انشاء اللہ پورا ہو سکے گا جس کی جانب یہاں کے شذرات میں توجہ دلائی گئی ہے۔

مولوی محمد

انہی

جناب منشی عبدالقدیر صاحب

آپ کا اصلی نام سردار بہادر سنگھ ولد سردار بہار سنگھ ولد سردار جیٹ سنگھ تھا۔
 قصبہ فرید آباد ضلع شملہ کی رہنے والے تھے اور مخمر سنگھ زمیندار گھرانے کے فرائض تھے۔

قصبہ فرید آباد کی آبادی مخلوط تھی کہنے میں جس نے ضلع گوردگاہوں کے فرید آباد کو آباد
 کیا تھا اسی نے یہ قصبہ بھی آباد کیا تھا فرید آباد کی ہندی مشہور ہے اور شملہ کی فرید آباد کی
 شہرت اس لئے ہے کہ اس کے ہر گھر میں ایک ایک باد ڈوڈ چھتے تیتوں (بڑی سرخ رنگ
 کی بھڑیا ڈھبوں کے ہیں، کہتے ہیں کسی وقت یہاں دو چنگیں ایسی ہو چکی ہیں جن کی نظیر دنیا میں
 نہیں ملتی۔ ایک جنگ تیتوں اور مودھ کال (بڑی بڑی ٹانگوں کے چوڑے یا ڈھک ٹکڑے)
 میں دو سری جنگ کوڑوں اور بنگلوں میں ہوئی اور ان میں لکھو کھا جیونے اور تیتے کوڑے اور
 بنگلے مارے گئے اور میدان لاشوں سے پٹ گئے یہ جگہیں ہفتوں تک جاری رہیں۔

قصبہ میں ایک اسکول تھا اس کے صدر مدرس ایک فاضل مولوی صاحب تھے
 ان کے مولوی صاحب کی حسن تربیت، طریقہ تعلیم اور شفقت سے بے حد مانوس تھے۔
 ٹیکسٹ بک کمیٹی کے منظور شدہ نصاب تعلیم کے علاوہ مولوی صاحب خلی اور فاضل ہیں
 اکثر طلباء کو قصص الانبیاء کا بھی درس دیا کرتے تھے۔ ان کے شوق سے پڑھتے تھے اور ان کی
 بے حد خدمت کرتے تھے قصبہ کے باشندے بھی ان کی تنظیم و تکریم کرنے تھے اور ان کی خدمت
 کو سہولت کا باعث خیال کرتے تھے۔

ایک دن ایک ذلیل دار صاحب مدرسے میں گئے اور مولوی صاحب کو علیحدہ لے

جا کر اصل بات بتائی اور کہا کہ میں پانچویں جماعت کے طلباء کا امتحان لینا چاہتا ہوں میں ذیل وار ہوں۔ خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ میری ایک اکلوتی لڑکی ہے جسے میں نے نامیت سے پاو ہے اب وہ شادی کے قابل ہو گئی ہے اس کی کھڑائی کی فکر دانگیر ہے۔ باوجود تلاش کے کوئی لڑکا میری مرضی کے مطابق نہیں ملا۔ اب میں نے یہ طے کیا ہے کہ لڑکوں کا امتحان لوں جو سب سے قابل نکلے۔ میں بڑوکل اسی کے ساتھ شادی کر دوں۔ آپ بھی اس کا رخیز میں میری مدد فرمائیں۔

مولوی صاحب نے اس طریقہ انتخاب کو پسند کیا اور امتحان لینے کی اجازت دے دی چنانچہ ذیل وار صاحب نے ایک ایک لڑکے سے مختلف سوال کئے اور ہر ایک کی ذہنی اور فکری قابلیت کا اندازہ لگایا۔ اس آزمائش میں بہادر سنگھ اول آئے بعد اطمینان مولوی صاحب اور ذیل وار صاحب بہادر سنگھ کے والد کے پاس گئے۔ بات پختہ ہو گئی اور چند روز کے بعد بڑی دھوم دھام اور چادر سے ذیل وار صاحب نے اپنی لڑکی بہادر کے ساتھ بیاہ دی۔ چنانچہ ابتدائی رسوم کے بعد لڑکی سسرال میں رہنے لگی۔ کچھ عرصہ بعد بہادر سنگھ اور ان کے منین ساتھیوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ نصیب سے نکل چلو۔ ایک نے طے کیا کہ وہ جوگی بنے گا باقی منین نے تبدیل مذہب کا ارادہ کیا۔ وقت کے وقت قصبہ والوں کو چاروں لڑکوں کی سازش کا علم ہو گیا اور باہم چرچے ہونے لگے کہ کیا کیا جائے دو لڑکے تو اپنے والدین کے قابو چڑھ گئے اور دو نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے مفردین کے تعاقب میں اہل دیہ گھوڑوں پر نکلے مگر کسی کا کھوج نہ لگا۔ جوگی بننے والے کا تو یہ سی نہیں کہ وہ کس پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھا۔ مگر بہادر سنگھ سیدھے مولوی حافظ علی خان صاحب کے پاس وزیر آباد پہنچے اور مشرف باسلام ہو کر ان ہی کے پاس رہنے اور دینیات پڑھنے لگے کیسوں کو ٹیپوں میں تبدیل کر لیا۔ ایک سال کے بعد قصبہ والوں کو ان کا سراغ مل گیا چنانچہ بہت سے اقرباء وزیر آباد آئے اور سمجھا بھگا کہ بہادر سنگھ کو ہمراہ لے گئے اور وہاں ان کی کوئی نگرانی نہ کی

ظاہر ہے بہادر سنگھ کے ساتھ نرم گرم سبھی قسم کا سلوک ہوا ہو گا مگر بہادر سنگھ نے کہا میں تو اسلام قبول کر چکا اب کسی شرط پر لوٹنے کے لئے تیار نہیں ہوں آپ کا جو بیجا ہے کیجئے سب کچھ برداشت کر دل گا۔ اس بات سے دونوں دقت کھانا کھاتے میں ایک کبیرم سا بچا کرنا تھا کیونکہ بہادر سنگھ جو کے کے باہر کھانا کھاتے تھے۔

بہادر سنگھ پر حقانیت غالب آچکی تھی۔ صداقت ان کے دل میں گھر کر چکی تھی۔ ان ہر وقت کے مظاہروں کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ایک روز موقع پا کر پھر وہ کسک گئے اور سیدھے لاہور پہنچ گئے اور کسی مسجد میں مقیم ہو کر دینی تعلیم کے حصول میں منہمک ہو گئے۔ گزارہ کے لئے دو ٹیوشن تلاش کر لئے۔ تقریباً سال بھر کے بعد یہاں بھی ان کو کسی نے پہچان لیا۔ چنانچہ ان کے والد دوبارہ لاہور آکر ان کو فریاد آباد لے گئے اور سخت نگرانی میں رکھا اس دو ڈھائی سال کے عرصہ میں وہ کافی لکھ پڑھ گئے تھے اچھے خالصہ جان اور سوچ سمجھ والے ہو گئے تھے جب لوگ ان کو سمجھاتے تو وہ بدلائل ان کو قائل کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے والد صاحب کے رویہ میں تبدیلی ہو گئی وہ مائل بہ اسلام ہوتے گئے اور عقیدۂ مذہب ہو گئے بہادر سنگھ کو انھوں نے دھیل دے دی کہ جس رنگ میں رہنا چاہو ہو خوش رہو اور شگوانی ترک کر دیجی۔

بہادر سنگھ کے دماغ میں دینی تعلیم کا شوق گھر کر چکا تھا۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتے کہ جو سکے تو میرے قصبہ سے چلا جاؤں چنانچہ موقع پاتے ہی وہ دارالعلوم دیوبند پہنچے اور چند سال میں وہ فارغ التحصیل ہو کر دہلی آ گئے اور پنجپوری میں مقیم ہوئے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ دہلی میں کہاں کہاں تعلیم پائی۔ بہر صورت دہلی میں ان کی بہت قدر ہوئی۔ شمس العلماء مولوی تھیں عرف میں صاحب کے باعث پچانگ حبش خاں میں ان کو ایک مکان کرایہ پر ملا مولوی عبد المجید صاحب مناظر کے مطبع انصاری میں کتب و دنیا کے مصحح ہو گئے۔ آپ کا حیل جوں شمس العلماء مولوی تھیں تھیں احمد صاحب اہل اہل ڈوی۔ مولوی عبدالاب صاحب میر شا جہاں صاحب۔ مولوی طلعت حسین صاحب وغیرہم اور دیگر بزرگوں سے ہو گیا اہل دل کی قابلیت کے جوہر کھلے تو مولوی تھیں احمد صاحب

نے رحیمہ قرآن جیسا مشکل کام سپرد کیا جس کو آپ نے باحسن وجہ انجام دیا یہی رحیمہ عبد میں مولوی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ کہلایا اور انہی کی ذات گرامی کے باعث (مطبع انصاری) اپنی محنت کے اعتبار سے ہندوستان بھر میں مشہور ہوا۔ ۱۸۹۰ء میں مجھے بھی ان سے صرف بہائی کے چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

بہادر سنگھ کو ان سب بزرگوں نے مشورہ دیا کہ اب وہ خود اپنے وطن جائیں اور گھر والوں اور دوستوں کو بند و نصائح کر سب چنانچہ آپ نے ان کی رائے پر عمل کیا اور بغیر اطلاع کے فرید آباد پہنچے تو اہل دیہ نے ان کا خیر مقدم کیا مگر دوسرے ہی روز پھر سب جمع ہوئے اور انہوں نے آپ کے والد صاحب کا بابتکاٹ کر دیا اور یہ الزام لگایا کہ وہ باطن مسلمان ہو گئے ہیں اور یہ کہ انہوں نے بہادر سنگھ کو فراری کے مواقع ہم پہنچائے۔ اس حرکت سے فریب کے دیہات میں بہت چرچے ہوئے اور لوگ آپ کو دیکھنے اور ملنے کے لئے دور دور سے آئے اور مواظظ حسنہ سے فیضیاب ہونے لگے آپ نے اچھی خاصی تبلیغ شروع کر دی۔ مسائل فقہی کرنے والوں اور فتاویٰ حاصل کرنے والوں کا مانتا سا لگ گیا۔ گھروالے اس سے بہت پریشان ہوئے کہ کیا کیا چلتے دفت پردہ میں اذان دینا اور وہیں نماز پڑھنا کوئی بات ہی نہ تھی۔ گھروالے آپ کو بہادر سنگھ کہہ کر پکارا کرتے تھے آپ نے کہا کہ آئندہ انہیں صرف ”محمد“ کہہ کر پکارا کریں اسے ان سب نے اس شرط پر تسلیم کیا کہ وہ گھر پر نماز پڑھا کریں بلکہ قصبہ سے دور ادا کیا کریں اس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے آپ نے ان کی یہ شرط مان لی اور قصبہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک چاہ کے قریب ایک درخت کے نیچے قیام گاہ بنائی اور کافی عرصہ اسی حالت میں گزارا۔

ایک روز کرنا خدا کا کیا ہوا کہ آپ اپنے گھر کے دوان یا کمرے میں کہیں آرام کر رہے تھے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کوئی شے لینے یا کھنے کے لئے برابر کی کوٹھڑی میں جانا چاہتی تھی کہ جیسے ہی وہ پاس سے گزری آپ نے جرات کر کے آٹھل پھوٹ کر روک لیا اس سے قبل منہ بلی مذہب کی بند پردہ نوز میاں سیوی کے لب پر دھرا موشی تھی۔ آپ نے کہا کہ بولنا جان کیوں بند کر رکھا ہے

میں دی ہوں جو چند سال پیشتر تقامیرا تہارا رشتہ قطع ہونے والا نہیں ہے کہو اب تمہاری کیا مرضی ہے۔ اس عقیفہ نے جواب دیا کہ میری کوئی مرضی نہیں۔ مرضی تو آپ کی ہے۔ میں آپ کی ہوجی ہوں۔ ہر حال میں اسی گھر میں رہوں گی اور یہاں سے مر کر ہی نکلوں گی۔ اور آپ کا جو حکم ہوگا اسے بجالاؤں گی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اگر یہی بات ہے تو میں بھی تمہارا ہوجکا ہوں اگر تم اسلام قبول کر لو گی تو ہم میاں بیوی رہ سکتے ہیں اور میں تمہارے اسلام لانے سے اپنے تئیں بہت خوش قسمت سمجھوں گا۔ اہلیہ محترمہ نے رضامندی ظاہر کی تو آپ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے جس نے تمہارے دل میں تبدیلی پیدا کی ہے وہی آئندہ کے لئے بھی کوئی صورت پیدا کر دے گا اسی فکر میں کہ اب کیا کیا جائے آپ دیر پا رہا ایک گاؤں میں وہاں کے نمبردار سے جو نابینا تھا مشورہ کے لئے گئے نمبردار بہت بار سوخا بعد ہر دلیزیر تھا اس نے کہا مولوی صاحب گھبرانے کی بات نہیں خدا سازگار ہے انشاء اللہ جو ہوگا بہتر ہوگا۔ اس کے بعد اس نے آپ کا لاسٹہ کار مرتب کیا اور آپ قصبہ میں واپس آ گئے چند روز بعد دیوالی کا تہوار تھا گھر میں چراغاں ہوا۔ خوب نور شور سے تہوار منایا گیا رات کے آخری حصے میں بچے بعد دیگرے سب گھروالوں پر منڈ غلاب آگئی تو آپ خدا پر بھروسہ کر کے مع اہلیہ محترمہ کے گھر سے نکل کھڑے ہوئے قصبہ کے باہر کھینا صلی پر آپ کو دو گھوڑے تیار کھڑے ملے دونوں میاں بیوی گھوڑوں پر سوار ہو کر دیا کے کنارے پہنچے۔ وہاں دو کشتیاں پہلے سے موجود تھیں دونوں ایک کشتی پر سوار ہو کر دیا پار ہو گئے اور نابینا نمبردار کے مکان پر پہنچے۔ علی الصبح اس گاؤں کی مسجد میں آپ کی اہلیہ مشرف باسلام ہوئیں چٹہ نکاح اور بیابا قبول ہوا اور نمبردار نے اپنے آدمیوں کی معیت میں اس خوش قسمت جوڑے کو دیلی روانہ کر دیا بدگرام یہ تھا کہ دو گھوڑے تو میاں بیوی کے واسطے تھے ہی مگر دیالک راستہ کے دونوں جانب تقریباً دو سو لٹھ بندہ میزار بھی حفاظت کے لئے راستہ کے دونوں طرف اس طرح کھڑے تھے جیسے دائرے کی گندگاہ پر پولیس یا فوج کے جوان کھڑے ہوتے ہیں

جوں جوں ان کے گھوڑے آگے چلتے گئے زمیندار سمٹ سمٹ کر ان کے پیچھے چلتے گئے اور کشتیوں پر سوار ہو کر دونوں کی طرف سے بارانی بن گئے یہی معلوم ہوا کہ کشتیوں کو دینا کے بار اس وقت تک نہیں جانے دیا گیا جب تک کہ میاں بیوی دہلی روانہ نہ ہو گئے۔

صبح گھر والوں نے جب دونوں کو غایب پایا تو کھرا م بچ گیا۔ اہلہ محترمہ کے والد کو بابل ناخوشہ اطلاع دی گئی جو فطرم میں اس جوڑے کو ڈھونڈنے نکلے اور اس کے بعد وہ آج تک واپس نہیں آئے اور نہ ہی وہ اپنی لڑکی اور داماد سے کہیں ملے۔ انا بیڈ وانا لپڈ را جھون دہلی میں مدت مدید رہنے کے بعد جب مولوی محمد صاحب صاحب دلا دہو گئے تو صبح بال بچوں کے فرید آباد تشریف لے گئے مگر اس مرتبہ ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہو چکا تھا۔ پھر اس کے بعد بھی بار بار وطن جانے رہے اور عزیزوں سے ملتے رہے ان کے بڑے بھائی سردار کاہن سنگھ بھی ملنے کے لئے دو مرتبہ دہلی آئے خط و کتابت بھی ہوتی رہی اور تمام محنت مٹ گئے مولوی صاحب موصوف دہلی میں بہت ہی کثیر المشاغل رہتے تھے۔ بھید متقی اور ملنسار تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے جامع المصحف کے دیباچہ میں آپ کے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے :-

ترجمہ کے حق میں یہ ایک فال نیک تھی کہ حسن اتفاق سے مولوی ابو عبد الرحمن محمد صاحب ہاتھ آ گئے اور وہ شروع سے آخر تک میرے شریک بلکہ ایک اعتبار سے شریک قلم

اور مددگار رہے ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھتے۔ بیچ میں میز خالی ہوتی میرے ہاتھوں میں

قرآن مجید اور کبھی میں نے حفظ پراغما دیکھا تو قرآن بھی نہ سہی مولوی محمد صاحب کے گرد ارد

قراجم اور تفاسیر اور کتب سنت میں ایک جیلے یا ایک آیت کا ترجمہ جب الفاظ قرآن سے چھٹا

بولتا اور مولوی محمد صاحب اس کو علم بند کرتے اور پھر مجھ میں اور مولوی صاحب میں بحث

ہوتی اور اختلاف کی صورت میں تراجم اور تفاسیر اور سنت کی طرف رجوع کیا جاتا اس

طرح پر سارے قرآن کا ترجمہ کیا گیا براہ قرآن کا ترجمہ ہے نہ دوسرے ترجموں کی طرح

ترجمے کا ترجمہ اس کا ماخذ قرآن کے الفاظ ہیں نہ کسی مفسر یا مترجم کے۔ پھر ہم دونوں نے ترجمہ پر نظر ثانی کی مولوی محمد صاحب ترجمہ پڑھتے اور میں عبارت کی سلاست اور الفاظ کی نشست کا دھیان رکھتا اور ترجمہ کو الفاظ قرآن سے ملاتا اور پھر ہم میں پہلے کی طرح بحث ہوتی اکثر ایسا ہوا ہے کہ بحث میں رہنمائی بھی ہو جاتی تھی مگر چونکہ دونوں کی نیت بخیر تھی۔ ہم دونوں نے کبھی مناظرے کی حد سے تجاوز نہیں کیا ابھی متفق ہو گئے ابھی

یہ لڑتے اور ابھی ملے۔

مولوی محمد صاحب کا وصال غالباً ۱۹۱۷ء میں اور آپ کی اہلیہ حضرت کا ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا۔ ان کا دس سال پہلے کے بعد دیگرے فوت ہوئے ایک لڑکی خدیجۃ الکبریٰ اور ایک لڑکا سخی علی اللہ تبارک کے دونوں میں ایک سال کے فرق سے یہ بہن بھائی بھی راہی عدم ہو گئے لڑکے کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور باب ہی کی طرح بہت خلیق اور صالح جوان تھا مولوی صاحب مرحوم کے تین وائے اور ایک نواسی پاکستان میں بقید حیات ہیں صاحب اولاد ہیں اور کاروبار کرتے ہیں مولوی محمد مرحوم کے اغراض نے ان کے لڑکے مولوی عبدالرحمن کے نام تین سو سیکھ زمین میں کے اٹھنے کی داخل خارج کرادی تھی جس کی آمدنی وہ کئی سال تک لیتے رہے اب معلوم نہیں انھوں نے کس کے قبضہ میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے وفات پر سب کے سب غمی پسند اور شریف انسان تھے۔

سلسلہ امتیاز ملت بنی عربی صلعم

بنی عربی ملت کا حقد اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے تربیت اور تعلیمات صلعم کے نام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ امتیاز جس میں اخلاق سرور کائنات کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے بہترین و فاضل ماہر لغات و ادبی کا سلام ہو گا۔ خیر القام بھی شامل کر دیا گیا ہے کہ اس میں داخل ہونے کے دین کتاب ہے قیمت پندرہ روپے، خلافت راشدہ ہے، خلافت بنی امیہ ہے

چند نئی کتابیں

اس

(خولیہ احمد فاروقی ایم۔ اے)

پچھلی سہ ماہی کے اردو ادب میں بڑی رنگارنگی اور بولبولی ہے۔ اس میں ناول بھی ہیں افسانے بھی۔ منظومات بھی۔ اور مضامین و مقالات بھی۔ تنقیدات اور سوانح و سیر بھی۔ ارتقا کی وسعت اور پہنائی میں تین پہنیے کی بساط ہی کیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ارتقا کا یہ مسافر تیسرے آہستہ آہستہ گئے بڑھ رہا ہے۔ اس کی رفتار بہت تیز نہ سی لیکن یہ کیا کم ہے کہ اس نے کبھی ایک جگہ قیام نہیں کیا۔ اور کسی راہ گزر کو منزل نہیں بنایا۔

اس زمانہ کی ایک اہم کتاب ^{۱۹۴۹ء} کا بہترین ادب ہے۔ اسے مکتبہ شاہراہ دہلی نے شائع کیا ہے۔ اس کے ترتیب دینے والے غلام ربانی تاباں۔ گویا بال مثل۔ کمال احمد مصطفیٰ اور پرکاش پنڈت ہیں۔ اس کے تین حصے ہیں (۱) مقالات (۲) منظومات (۳) افسانے اور خاکے۔ یہ ^{۱۹۴۹ء} کے ادب کا اچھا انتخاب ہے۔ لیکن بہترین کا اطلاق مشکل ہے۔ اڈیٹروں نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ کہ انہوں نے اردو کے تمام مشہور وسائل و جرائد کی مدق گردانی کی ہے لیکن انتخاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف چند مخصوص رسائل و جرائد کے لکھنے والوں کو انتخاب کیا ہے۔ اور ان ہی کی تخلیقات کو بہترین ادب میں شائع کیا ہے۔ حالانکہ دیگر اہم کمبند انچ میجامی کر د۔ مثال کے طور پر علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر اور نگار کی پچھلی اشاعتوں میں یقیناً ایک آدھ مضمون ضرور اس حیثیت کا ملتا ہے جو اس مغل میں غیر غیر معلوم ہوتا۔ وہ اصل انتخاب کا معاملہ ذوقی و جذباتی بلکہ اصولی اور مقصدی ہے اور اس سے بقول غالب ”دل کا معاملہ“ کھل جاتا ہے۔ اس لئے اچھا

ہونا کہ فاضل اڈیٹر اپنے اصول انتخاب اور معیارِ ادب سے ہمیں آگاہ کر دیتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ ^{۱۹۴۹ء} کے پورے ادب کا جائزہ لیا جاتا اس کی صحیح قدر و قیمت متعین کی جاتی۔ اور مستقبل کے لئے نئی راہیں نکالی جاتیں۔

مقالات کی تعداد بڑھتی ہے۔ لیکن ان میں سے تین قابل ذکر ہیں۔ احتشام حسین صاحب نے حالی کے سیاسی شعور کا تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ حالی رجعت پسند، تنگ نظر اور ابن الوقت نہیں تھے بلکہ فراخ دل۔ وسیع القلب، نئی زندگی کا استقبال کرنے والے اور حقیقت پرست تھے، اور سارے ملک کو جاگیر داری کے نظام سے باہر نکال کر صنعتی دور کے قبول کرنے پر تیار کرنا چاہتے تھے۔ احتشام صاحب کی نظر ادب کے تاریخی پس منظر پر بہت اچھی ہے۔ اور وہ واقعات کی تعبیر کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں۔ یہ بصیرت ان کے اس مضمون میں بھی نظر آتی ہے۔

دوسرا اہم مضمون رام بلاس شرما کا زبان کے متعلق ہے ان کا خیال ہے۔ کہ زبان کے مسئلہ میں سامراجی مداخلت سے بڑا نقصان پہنچا ہے انھوں نے غالباً سب سے پہلے گریسن کے سامراجی مقاصد کو واضح کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ہندی اور اردو کے دو ادبی روایتی اسٹائل ایسی بڑی رکاوٹیں نہیں ہیں جو دور نہ ہو سکیں۔ یہ رکاوٹ انگریزی دور میں پیدا ہوئی۔ اب اسے دور کرنا ہے اس لئے کہ ایک قوم کی ایک ہی وقت میں کئی زبانیں نہیں ہو سکتیں اس مجموعہ کا تیسرا اہم مضمون ممتاز حسین صاحب کا ادب عالیہ کے متعلق ہے انھوں نے ماضی کے ادب کے جانچنے کا جو معیار پیش کیا ہے۔ اس میں چون دچرا کی گنجائش نہیں ہے لیکن عجیب لطیف ہے کہ اس مضمون پر بعض انتہا پسند حلقوں میں بڑی لے دے ہوئی انھوں نے جو معیار پیش کیا ہے وہ یہ ہے۔

”ادب مخصوص قدروں اور خیالات کی تبلیغ کرتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس تبلیغ

کا اثر وقتی ہے یا دیرپا۔ وہ ہمارے خیالات اور جذبات کو متحرک کر کے ایک دیر باعمل کی

تحرک کرنا ہے یا صرف وقتی جوش دلا کر چھوڑ دینا ہے وہ ہمارے احساسات اور نفسیات کی جوابی صلاحیتوں کو چھوڑتا ہے کہ نہیں اس میں اتنی صلاحیت ہے یا نہیں کہ وہ ہماری نفسیات پر اثر انداز ہو کر ہمیں حالات کے بدلنے اور خود اپنے کو بدلنے میں مدد دے سکے اور ہمارے نفسیات کو نئی قدر میں سے بہنو کر کے ایک نئی جذباتی تنظیم بھی کر سکے۔

دراصل ہر اچھے اور دوامی ادب کے جانچنے کا معیار یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے بہتر و بلند تر خیالات سے روشناس کرتا ہے۔ یا نہیں۔ اس میں انسان کے دکھے ہوئے دل کی فرما د اور اعلیٰ ترین مضموں کی پرچھائیں ہے یا نہیں لیکن یہ کام بقول ممتاز صاحب ”چنے اور چنگھاڑنے کا نہیں ہے۔ آگ میں کود کر اسے گلزار بنائے گا ہے۔ اسی وقت شعرا و ادب کی اعلیٰ تخلیق ممکن ہے۔

منظومات کا حصہ کر رہے۔ اس میں نئی روح نئی منویت اور ایک نئی غلیبت تو ہے لیکن اس کا نشتر دل پر نہیں لگتا۔ اس مجموعہ میں مشکل سے ایک آدھ نظم یا غزل ایسی ہوگی جس کو ادبیت کے دربار میں جگہ حاصل ہو سکے۔ یا جس کو شہساز کے بعد لوگ لگنا سکیں اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے شاعروں کے ساز ٹھنڈے ہیں اور محرومی اور ناکامی نے ان کو مجبوراً گلو کی حالت میں مبتلا کر دیا ہے

افسانوں میں کرشن چندر کا افسانہ مہا لکشمی کا پل بہت کامیاب ہے اس افسانہ میں سیر میں کا لطف ہے۔ اس کے ذریعے ہم غریب ہندوستان کے نسوانی طبقہ کی زندگی کا انداز کر سکتے ہیں یعنی ان کی اٹنگوں۔ ان کی آرزوؤں۔ ان کی محرومیوں کا کرشن چندر نے ہر داستان چھڑ ساڑیوں کے ذریعہ بیان کی ہے جو مہا لکشمی کے پل کے بائیں طرف لٹک رہی ہیں۔ خاص کا ذکر کر کے عام کی طرف ذہن کو منتقل کر دینا معمولی بات نہیں ہے کرشن چندر کو فن پر پورا عبور ہے اور کسی جگہ اس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہے۔

عصمت کا کبڈل کو رٹ بھی اسی قسم کا افسانہ ہے لیکن اس میں وہ فنی سچائی اور وہ

دوسرا نہیں ہے جو کہ شریں چند کے افسانہ میں ہے۔ ابراہیم کا افسانہ ”جانور“ معجمی ہے۔ فنی کے اعتبار سے بھی۔ ادب کے اعتبار سے بھی اور مذاق کے اعتبار سے بھی۔
 تیسرے کے اس ادب میں زندگی ہے قوت ہے۔ شدت احساس ہے۔ لیکن ابھی اس صلی ہندوستان کی نمائندگی کرنا ہے جو شہروں کے بجائے دیہاتوں میں نظر آتا ہے۔ محض خارجی اور سطحی علامتوں کی نقل کافی نہیں ہے۔

اس زمانہ میں ایک مختصر سی کتاب ”کارواں“ مکتبہ جامعہ دہلی سے شائع ہوئی ہے یہ حضرت روشن صدیقی کی ایک طویل نظم ہے جو اتنی حسین و جمیل شائع ہوئی ہے کہ دل و نظر دونوں جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ عروس جمیل اور لباس حریر واقعی اسی کو کہتے ہیں۔
 یہ مسئلہ میں لکھی گئی تھی۔ اب پورے دس سال کے بعد سترہ اٹھارہ بند کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ اس نظم میں فلسفی اور شاعر کا مکالمہ ہے اور جو مسائل زیر بحث ہیں۔ وہ یہ کہ زندگی کیا ہے وہ رہ گزر رہے یا منزل۔ رہ گزر رہے تو کیا شاہراہ علم ہے یا شارع عمل یا جادہ عشق! یہ متاع زندگی آخر کیا ہے۔ شاعر نے ایک ایک بت یا اسم کا جائزہ لیا ہے لیکن وہ کسی منزل پر قیام کرنا نہیں چاہتا۔ وہ ہر منزل کو شریک کارواں کر لیتا ہے۔ اسے نہ ساحل کی تلاش ہے اور نہ منزل کی۔ اس لئے کہ

فقور و شبی نہیں۔ تمکین سلطانی نہیں
 شہر یاری، کشور آرائی، جہاں باقی نہیں
 کوئی منزل۔ انتہائے اورج انسانی نہیں
 کہ کب تقدیر آدم ہے۔ فروغ و مکمل

(ص ۲۷)

آخر میں اس نے بتایا ہے کہ خواب آدم بھی عشق ہے اور تعبیر آدم بھی عشق دی ابتدا ہے اور وہی انتہا۔ یہی عشق۔ انسانیت کا احترام سکھاتا ہے۔ اور یہی عشق زندگی کے دگرگشت کا طریح بن سکتا ہے عشق کا بغیر یہ ماضی سے مختلف ہے اور ڈاکٹری کا تے دوغور۔۔۔ خیالت سے متاثر ہے۔ یا ہر حیاتیات کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کے متعلق ہمارا علم نامکمل ہے

ہمارے حواس خمسہ ناقص ہیں۔ اور ہمارے اکوت ان سے بھی زیادہ ناقص۔ اس لئے ہم محض محض کے ذریعہ زندگی کی بلندیوں کو طے نہیں کر سکتے یہ کائنات یوں ہی وجود میں نہیں آگئی ہے۔ اور نہ یہ کوئی حادثہ ہے۔ ارتقا کی داستان میں بہت سے اخلاقی مقاصد پوشیدہ ہیں اور ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا محض اگر ضمیر کی لامنتوں سے نا آشنا ہے تو وہ خیر و شر کے انتخاب میں غلطی کرے گی وہ صلح جوئی۔ عافیت پسندی اور ادنیٰ درجہ کی مفاہمت یا مطابقت پذیری کے لئے مضطرب ہوگی۔ وہ کبھی بغاوت نہیں کر سکتی۔ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ خوب سے خوب تر کی جستجو نہیں کر سکتی۔ اس لئے یہ منزلیں خیر و محبت ہی کی زاد راہ سے طے ہو سکتی ہیں مدلل صاحب کی اس نظم میں جوش۔ ہستی اور غنائی عنصر موجود ہے اور ان خوبیوں نے مل کر اس میں غزل کی سی رنگینی پیدا کر دی ہے اسی زمانہ کی ایک اور اہم کتاب آثار ابو الجہل آزاد ہے جس کو قاضی عبدالغفار صاحب نے نفسیاتی مطالعہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قاضی صاحب کا خیال ہے کہ مولینا ایک غیر معمولی ہستی یعنی جنینس میں اس کو انھوں نے خود مولینا ہی کے مضامین و اقوال کے ذریعہ ثابت کیا ہے لیکن ان مشاغل و مضامین کو نفسیات کی کسوٹی پر نہیں پرکھا۔ اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ انھوں نے مولینا کا ایک بت بنالیا ہے۔ اور وہ اس سوال میں اسی عقیدت کے ساتھ داخل ہوئے ہیں جس عقیدت کے ساتھ ایک چاری مندر میں داخل ہوتا ہے حالانکہ اگر وہ نفسیاتی اصولوں کو کام میں لائے اور ایک ایک قول و عمل کو تنقید کی روشنی میں دیکھتے تو یہی نتیجہ ہی نکلتا کہ مولانا کا بت اتنا بڑا ہے کہ وہ کسی مندر یا سوال میں نہیں آسکتا اور یہ کہ ان کی نمود میں ایک طرح کی غرابت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ جنس انسانی نہیں ہو سکتی۔ مذہب میں۔ ادب میں۔ سیاست میں۔ معاشرت میں نگر و نظر کی عام راہوں میں۔ کسی راہ میں بھی وہ وقت کے فاطوں کا ساتھ نہ دے سکے اور ان کی طبیعت نگر و عمل کے کسی گوشے میں بھی وقت اور موسم کے پیچھے نہ چل سکی۔ مولینا کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے ماحول کو اچھی طرح سمجھا جائے جس ماحول میں ان کی نشو و نما ہوئی۔ اس میں حرم

داحتیاط کم سخن اور کم آمیزی، شرافت اور عالی نسبی کی نشانی سمجھی جاتی تھی اسی لئے مولف کے خطوط میں بھی کوپکی سی سنجیدگی۔ پختہ مزاجی اور گرسکی سی نازک مذاقی اور وضع احتیاط ہے ان میں بارتن کی سی امانیت ہے۔ غالب کی سی سادگی و پکاری نہیں ہے لیکن اگر فور سے دیکھا جائے تو مولانا کے خطوط کا امتیازی وصف یہی ہے کہ وہ غالب سے اس درجہ مختلف ہیں مولانا کے خطوط ان کے ذہن کا دریچہ اور ان کے فکر کی زبان ہیں۔ اس لئے کہ ان کا کلی عیش دماغ کا عیش ہے اور انھوں نے اس دماغ کو دل بنالیا ہے۔

یہ کتاب کتب پبلشر لمیٹڈ بمبئی نے شائع کی ہے اور اسلوب کے اعتبار سے بڑی دلکش ہے اس زمانہ کی ایک اور اہم کتاب مطالعات نیا نہ ہے جس کو نیشنل بک کمپنی دہلی نے شائع کیا ہے اس میں نیاز فتح پوری کے افسانے اور تاریخی اور علمی مقالات شامل ہیں۔ نیاز صاحب ادب کی دنیا میں غیر مودت نہیں ہیں۔ ان کے مضامین اپنے دلچسپ انداز نگارش کی وجہ سے بہت مقبول ہو چکے ہیں اور ان کو ابدی شہرت حاصل ہو چکی ہے نیاز کی نثر میں فرانسیسی ادیبوں کی سی نازک کاری اور نفاست پسندی ہے موزن اور میڈل کی شاعری کو اگر کسی طرح نثر میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔ تو اس کا رنگ وہی ہوگا۔ جو نیاز کی غزلیوں کا ہے۔ نیاز کی شخصیت اس کے طرزِ تحریر میں حلول کر گئی ہے۔ اس میں جسم اور جان کا رشتہ ہے۔ اس لئے ہم ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے ان کے بعض رومانی مضامین میں وہ لطف ہے جو یونانی سنگتراشوں کے محسوس میں ہے اور دوسرے موجودہ لکھنے والوں میں اگر کسی شخص کی شہرت کا ابوالرحمن رفیع محض اسلوب نگارش پر قائم ہے تو وہ نیاز ہے اس کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں۔ نیاز کے قلم میں ایک عجیب بولچلونی ہے اس نے تقریباً ہر موضوع پر لکھا ہے اور جی پر لکھا ہے اس کو اپنا بنالیا ہے۔

براجانت لال انڈیا بیڈ بودھی

احیاء

داستانِ قفس

اس

(جنابِ الم مظفر نگر)

کامپ جاتے ہیں الہی درود و دیوارِ قفس
 بے پردہ بال پڑا ہوں میں دیوارِ قفس
 اشکِ خونیں سے ہر گزارد ہر گز قفس
 جب سے صبا دے دہر میں انکارِ قفس
 زندگی بھر ہمارے ہوش گرفتارِ قفس
 انتہا یاس کی ہے کتنی شگفتہ کہ مجھے
 اس پر قربان ہوئے جاتے ہیں مرغانِ جہن
 ہونے پائیند خرد اور نہ گرفتارِ جنوں
 لے آئے اس کو بہاروں میں کوئی سکوچن
 گلشنِ دہر میں کیا ذکر ہے آزادی کا

کر دہیں لیتا ہے جس دم کوئی بیارِ قفس
 یوں بھی آزاد نہ ہو کوئی گرفتارِ قفس
 میں گرفتارِ جہن ہوں کہ گرفتارِ قفس
 ذرہ ذرہ ہے گلستان کا پرستارِ قفس
 مستقل کیف ہے اک لذتِ قفس
 صبح گلشنِ نظر آتی ہے شبِ قفس
 قابلِ دید ہے یہ گرمی بازارِ قفس
 میں سزاوارِ جہن ہوں یہ سزاوارِ قفس
 دیکھتا رہ گیا حیرت سے گہوارِ قفس
 پردہ ہر رنگ گل میں ہے نہاںِ قفس

اے الم عہدِ اسیری ہو کہ آزادی ہو

سمت آموز ہے ہر حال میں دیدارِ قفس

تبصرہ

حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی | از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب
گیلانی تقطیع کلاں ضخامت چار سو صفحات

دوسرے صفحہ میں ۲۹ سطریں کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد آٹھ روپے بارہ آنے۔ بہت سہ۔
نفیس لکچر می بلاس اسٹریٹ کراچی ۱۔

دوسری صدی ہجری کا نصف اول تاریخ اسلام کا ایک نہایت پُر آشوب زمانہ ہے
یہی زمانہ ہے جب کہ خلافت بنی امیہ اپنی زندگی کی آخری منزل سے گزر رہی تھی اور خلافت
عباسیہ کے نام سے ایک دوسری حکومت عالم ظہور میں آنے والی تھی اس بنیاد پر سیاسی حالت
برقی کہ ممالک محروسہ اسلامیہ میں ظلم و جبر، فتنہ و فساد اور بغاوت و سرکشی کی آگ جگمگ بھڑک رہی
تھی ایک بادشاہ کی دوسری پارٹی کے خلاف ریشہ و انبیاں اور سازشیں روزمرہ کا مشغلہ بن
گیا تھا۔ دین اور شریعت کو ہر پارٹی اپنے سیاسی مقصد کے لئے بے تکلف استعمال کرتی
تھی دوسری جانب عجمیوں کے ساتھ اختلاط و ارتباط کے باعث اسلامی عقائد و افکار سے
متعلق نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے اور وہ مسلمانوں کی عام اخلاقی و ادنیٰ زندگی کو متاثر
کر رہے تھے عرض کر پوری سوسائٹی ایک فکری و علمی انتشار و پراگندگی میں مبتلا تھی اور اس حالت
کی افروختہ کا یہ عالم تھا کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے ارباب صلاح و تقویٰ اور اصحاب علم و دہری
مردم بخود ہو کر رہ گئے تھے امدان بر ایک عام مایوسی اور بددلی چھائی ہوئی تھی یہاں تک کہ ان میں
سے جن جن نے تو اجتماعی زندگی سے تعلق منقطع کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اپنی
شہر و قریبی میں ”مردے از غیب بروں آید کار سے بکند“ کے منتظر تھے ”قدرت نے حضرت

امام ابوحنیفہ قدس اللہ روحہ کی صورت میں ”مردے ازغیب“ پیدا کیا۔ چنانچہ امام اعظم نے قرآن و حدیث کی روشنی میں شریعت اسلام کا مطالعہ نہایت باریک بینی اور دقت نگاہ سے کیا اور فقہ کے مسائل کا حل اسی کی روشنی میں قیاس شرعی کی مدد سے پیدا کر لیا جو لوگ ان گونگوں اور نہایت پیچیدہ مسائل و معاملات کا اندازہ رکھتے تھے اور نہ ان کے طریق حل سے واقف تھے انہوں نے امام عالی مقام کو قیاس اور نہ جانے کیا کچھ کہا لیکن آج تاریخ اسلام کا ہر صفحہ اس حقیقت کی زندہ شہادت ہے کہ امام اعظم فقہ حنفی کے نام سے جو ایک مکمل اور نہایت جامع دستور مرتب فرما گئے ہیں وہ نہ صرف کسی ایک خاص زمانہ یا صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ ہر دور میں ایک ہی قوی و دستور حیات کی حیثیت سے واجب العمل ہے اس فقہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کو فطرتِ انسانی کے واجبات و مطالبات کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کر دیا گیا ہے کہ پورے بڑے بڑے متقین و مدبرین اس پر حیران ہیں امام صاحب نے یہ اہم کام خود تنہا نہیں کیا تھا بلکہ اس مقصد کے لئے آپ نے کو ذمہ میں ایک مستقل مجلس وضع قوانین ”قائمہ کی جس میں اس عہد کے بڑے بڑے محدثین و فقہاء امام صاحب سے تلمذ کا تعلق رکھتے تھے شریک تھے روزانہ صبح سے شام تک اس مجلس میں نئے نئے امور و معاملات پر گفتگو ہوتی تھی ہر ایک آزادی کامل کے ساتھ اپنی رائے پیش کرتا تھا اور پھر سب سے آخر میں حضرت امام اپنی رائے بیان فرماتے تھے اس طرح اجتماعی و انفرادی زندگی سے متعلق ہزاروں مسائل تھے جو بحث و تحقیق کے بعد نکھر نکھر کر مرتب و معدن ہو گئے حضرت امام کا یہ کارنامہ اتنا عظیم الشان ہے کہ دنیا میں جب تک اسلام کا وجود باقی ہے مسلمان کبھی اس کے بارے میں شک و احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے امام اعظم کی زندگی کا یہ کارنامہ اس قدر جلی اور روشن ہے کہ آپ کے حالات و سوانح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں زیادہ تر اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے اگرچہ ساتھ ہی بعض اور حالات و مقامات بھی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً آپ کا تقویٰ و طہارت نہایت

وہابی۔ حکومت سے استغفار۔ قضا کے عہدہ کا قبول نہ کرنا وغیرہ۔ لیکن ان کی حیثیت محض ضمنی ہے اور ان سے حکومت و سیاست میں امام اعظم کی انقلابی جدوجہد پر کوئی روشنی نہیں پڑتی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب صرف ایک بلند پایہ فقیہ و عالم ہی نہیں تھے بلکہ ایک عظیم المرتبت سیاسی مفکر بھی تھے جنہوں نے حکومت جاویدہ کو حکومت عادلہ میں تبدیل کرنے کے لئے ایک طرف سیاسی انقلابی جماعت کی سربراہی کی اور دوسری جانب منصب قضا کو روثق دینے کے لئے امام ابو یوسف ایسے ائمہ کبار پیدا کئے جنہوں نے خلافت میں داخل ہو کر اس کی حیثیت و وضع بدل دی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امام صاحب نے بہت بڑے پیمانہ پر تجارت کی و اس کے ذریعہ جہاں وہ خود امرارِ حیات کا کام سے بے نیاز ہو کر رہے۔ انھوں نے غیر مستطیع علماء کی مدد کی اور سیاسی انقلاب کی حامی جماعت کو مالی قوت بہم پہنچائی یہ تمام واقعات نہایت غیر مرتب طریقہ پر امام صاحب کے تذکرہ دہلی میں کبھر سے ہوتے پڑے تھے لہذا تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کو کہ آپ نے بڑی کد و کاوش اور تلاش و تحقیق کے بعد انھیں حالات و واقعات کو تاریخی طور پر اس طرح مرتب و مہذب کر کے پیش کر دیا ہے کہ امام اعظم کی زندگی کا یہ اہم کارنامہ جواب تک نظروں سے پوشیدہ تھا صاف و شفاف ہو کر سامنے آجاتا ہے اور یہ واضح طور پر محسوس ہونے لگتا ہے کہ جس طرح ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے تخت پر اکبر و جہانگیر کے بعد چانک شاہ جہاں داؤ رنگ زیب عالمگیر ایسے راسخ مسلمان بادشاہوں کا جلوہ نما ہونا حضرت مجدد الف ثانی کے نفوس قدسیہ کا فیضان اثر تھا اسی طرح سفرِ حج ایسے ظالم کے بعد ہارون رشید اور مامون ایسے ”سلاطین“ کا جنہوں نے مسلمانوں کے ”عہدِ زلیخا“ کی تعمیر کی۔ تختِ خلافت پر نمودار ہونا بے شبہ بہت کچھ امام عالی مقام کے سیاسی تدبیر اور آپ کی انقلابی مساعی کا نتیجہ تھا فاضل مصنف نے یہ پوری داستان عجیب و الغاء اور دلچسپ انداز میں لکھی ہے جس کا اندازہ پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے پھر چونکہ مولانا کے قلم سیرِ رقم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اصل موضوع بحث کی حد بندیوں میں محصور نہیں رہتا بلکہ ضمنی مسائل و جنبات کو اپنے دامنِ تحریر میں سمیٹتا ہوا چلتا ہے اس لئے یہ کتاب صرف حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی

زندگی کا مرتق نہیں بلکہ اس میں آخری دور امویہ اور ابتداء خلافت عباسیہ کی تاریخ اور اس عہد کی زندگی نامور شخصیتوں کے حالات و سوانح اور عام معاشرتی و سیاسی احوال و کوائف کا بھی قدرے مفصل تذکرہ آگیا ہے بہر حال یہ کتاب بہت معلومات افزا دلچسپ عبرت انگیز و مفید ہے اور اس لائق ہے کہ ہر مسلمان اور ہر صاحب ذوق اس کا مطالعہ کرے۔

احکام القرآن | از جناب محمد شار اللہ صاحب بی۔ اے تقطیع کلاں ضخامت ۲۴۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت دو روپے۔ پتہ: مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنؤ

اس کتاب میں عقائد عبادات، اخلاق اور معاشرت و معاملات کے عنوانات کے ماتحت پہلے قرآن مجید کی آیات درج کی گئی ہیں اور پھر ان کی تشریح کے بعد کچھ فقہی احکام یا اس حکم کے اسرار و غوامض بیان کئے گئے ہیں زبان آسان اور انداز بیان دلچسپ و عام فہم ہے عام مسلمانوں کو نہ صرف اسے پڑھنا چاہئے بلکہ ایک کابی اپنے پاس رکھنی چاہئے تاکہ ہر حکم متعلق انھیں بروقت یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام کا کون سا حکم قرآن مجید کی کس آیت پر مبنی ہے۔

زندگی کے سائے | از جناب بلال احمد مرحوم تقطیع خود حجم ۲۰۰ صفحات کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد دو روپے۔ پتہ: لاجپت رائے اینڈ سنٹر اردو بازار دہلی۔

یہ کتاب آٹھ افسانوں کا جو سماجی زندگی میں ترقی پسندانہ نقطہ نظر کے حامل ہیں اور جو امریکہ کی مشہور ناول نویس خاقون پرل ایک اور ایلی کے مشہور صاحب قلم انگیز یو سلونے کے لکھے ہوئے ہیں۔ اردو ترجمہ ہے۔ زبان شگفتہ اور ردوں ہے مترجم کا انتقال اٹھارہ برس کی عمر میں ہو گیا جب کہ اسی مرحوم کا خیمہ طفولیت چٹک کر جوانی کا پھول بنا تھا اس عمر میں یہ انداز نگارش اور ترجمہ کی یہ عمدہ صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر مرحوم رہتے تو بے شبہ ادیبوں کی صفِ اول میں جگہ پاتے۔ یہ مجموعہ مترجم کی اس جوانمردی کی یادگار کے طور پر شائع کیا گیا ہے اور امید ہے کہ اہل قلم اس کی قدر کریں گے۔

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی تصوف
اور مباحث تصوف پر جلد اور تحفہ کتاب -

قیمت عام مجلد ہے۔

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات نبوی کا
جامع و مستند ذخیرہ - صفحات ۶۰۰ - تقطیع ۲۲x۹
قیمت عام مجلد ہے۔

ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد میں چھ سو
کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -

قیمت عام مجلد ہے۔

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ
مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند سفر
قیمت عام ہے۔

قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمات
قرون وسطی کے حکماء اسلام کے شاندار علمی کارنامے۔

جلد اول مجلد ہے۔

جلد دوم مجلد ہے۔

وحی الہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر
پہلی تحقیق کتاب جس میں اس مسئلہ پر لیے دل پذیر
انذار میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صفات
کا ایمان از روز نقشاں آکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی
گہرائیوں میں سما جاتا ہے -

جدید ایڈیشن قیمت عام مجلد ہے۔

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت عیسیٰ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور
متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں
ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت عام مجلد ہے۔

اسلام کا اقتصادی نظام - وقت
کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی
کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت عام مجلد ہے۔

مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت عام مجلد ہے۔

مکمل لغات القرآن - مع فہرست الفاظ

لغت قرآن پر یہ مثل کتاب - جلد اول طبع دوم

قیمت عام مجلد ہے۔

جلد ثانی - قیمت عام مجلد ہے۔

جلد ثالث - قیمت عام مجلد ہے۔

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور

مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ایم اے پی ایچ ڈی کی

تحقیق کتاب نظم اسلامیہ کا ترجمہ

قیمت عام مجلد ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا

نظام تعلیم و تربیت

جلد اول اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت عام

جلد ثانی - قیمت عام مجلد ہے۔

منجربہ و مصنفین اردو بازار جامع مسجد

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص خطرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحفظ میں
کامیابی شمولیت سے محنت بخشش کے ایسے علم نویس صاحب کی خدمت میں اداسے اور کتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر
کی جاتی رہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین۔ جو حضرات کہیں روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحفظ میں شامل ہوں گے
ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان
حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد مین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز کتبہ برہان کی بعض
مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ ”برہان“ کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۳۔ معاونین۔ جو حضرات اٹھارہ روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین
میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جن کا سالانہ چندہ چھ روپے ہے
بلا قیست پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احباب۔ نو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احباب میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیست
دیا جائیگا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر
طلباء اور طلباء کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۵ رتاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

قواعد رسالہ برہان (۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان وادب کے معیار پر پورے
اترے برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ٹاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے
وہ فوریہ سے زیادہ ۵ رتاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیست بھیج دیا جائے گا۔
اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں سمجھی جائے گی

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲۰ روپے کے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجا جائیے خریداری نمبر کا حال بہر حال ضروری ہے۔
دو قیمت سالانہ چھ روپے ششماہی تین روپے چار آنے (یعنی حصول ٹاک) فی پرچہ دس آنے ۱۰
(۵) منی آرڈر دیا کرتے وقت کوہن پرانا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مدیر ادارہ: مولانا محمد رفیع صاحب، مدرسہ اسلامیہ، بازار جاس، دہلی۔

مَدَوَّةُ الْمُصَنِّفِينَ دِلِّی کَالِمِی دِیْنِی مَکْهِنَا

چشمگیر جامعہ اسلامیہ
پاکستان

13 DEC 1950

بُرکات

مُرتَبِّع
سَعْدِیَا حَمْدِیَا بَادِی

ندوة المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوة المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے
مفصل فہرست جس سے آپ کو ادارے کے حقوق کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

خلافت مصر تاریخ ملت کا ساتواں حصہ مطبوعہ
سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفات... قیمت مچھلی کا بلیکٹ

فہم قرآن - جدید ایڈیشن جس میں بہت سے
اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو اندر پر
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت چار مچھلی

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیل

بیان - جدید ایڈیشن قیمت چار مچھلی
اخلاق و فلسفہ اخلاق - علم الاخلاق

پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں اور مضامین کی ترتیب

کو زیادہ دل نشیں اور سہل کیا گیا ہے۔
قص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن

حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات
و واقعات تک۔ قیمت چار مچھلی

قص القرآن جلد دوم حضرت یسٰی سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن۔

قیمت چار مچھلی
قص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام

کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان
قیمت چار مچھلی

خلافت عباسیہ جلد دوم تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ، قیمت چار مچھلی

خلافت عباسیہ جلد سوم تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ، قیمت چار مچھلی

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید
ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں۔ قیمت چار مچھلی

سلسلہ تاریخ ملت - مختصر وقت میں تاریخ
اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے یہ سلسلہ نہایت

مفید ہے، اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی
ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھر اہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص

ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشین انداز میں کیا
گیا گیا ہے۔ قیمت پھر مچھلی

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
جدید اضافے ماہدین کے حالات و واقعات کا

دول پذیر بیان۔ قیمت چار مچھلی
خلافت بنی امیہ تاریخ ملت کا تیسرا حصہ،

قیمت چار مچھلی
خلافت ہمسانیہ تاریخ ملت کا چوتھا حصہ،

قیمت چار مچھلی
خلافت عباسیہ جلد اول تاریخ ملت کا

پانچواں حصہ، قیمت چار مچھلی
خلافت عباسیہ جلد دوم تاریخ ملت کا

چھٹا حصہ، قیمت چار مچھلی

پیشانیہ
پندرہویں
1950

بُرہان

جلد سبست پنجم شمارہ ۷۵

دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

- | | | |
|-----|---|------------------------------|
| ۳۲۲ | سید احمد | ۱۔ نظرات |
| ۳۳۰ | حضرت مولانا سیدہ امراض حسن صاحبہ گیلانی | ۲۔ تدوین حدیث |
| ۳۳۲ | مولانا ابوسلمہ بن شافع احمد بن زری اساتذہ علیہ السلام | ۳۔ امام دارقطنی |
| ۳۵۸ | پروفیسر مبارک الدین صاحب ریاضت کلمہ غنائیہ کالج اوربا | ۴۔ مغرب پر مسلمانوں کے احسان |
| ۳۷۷ | سید مشتاق حسین صاحب اظہار پوری | ۵۔ ادبیات |
| | جناب سبیل شاہ جیال پوری | تقریریں برنعت |
| | جناب لاؤڑ صابری | نزل |
| | (س) (دع - د) | آگیا اے مشتق پورنازک مقام |
| ۳۸۰ | | ۶۔ تبصرے |

نَظَرِ

گاؤ خور دن پہ ضرور

برادر محترم مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیولہ روی نے گزشتہ اشاعت میں برہان بابت اکتوبر کے نظرات پر جو تنقید کی ہے اس کے مطالعہ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ بھادر موصوف باوصف اپنے جلالت علم و عمل کے میری طرح ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ذبح بغیر کوہنہ و سنان میں اسلامی شعائر سمجھنے میں اور استدلال میں حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد پیش کرتے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک بھی یہ صرف مباح ہے اور اس بنا پر مسلمان اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں ”اس لئے نہیں کہ انہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اس لئے کہ یہ بعد از وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی اور اس لئے آج ایسا ہونا برادرانِ وطن کی نگاہ میں بے وقعت اور بے معنی ہے“ اور نہ صرف یہ کہ یہ ایک امر مباح ہے بلکہ اگر سازگار اور مناسب حالات میں مسلمان اس کو ترک کر دیں تو اس سے ان کی اخلاقی بلندی کا ثبوت بھی ملے گا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ”علما کا یہ متفقہ فیصلہ اس غرض سے کرانا مقصود ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اخلاقی بلندی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی بات کے ترک کر دینے کا منفعہ اعلان کر دینا چاہئے جس سے برادرانِ وطن کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے“ (صفحہ ۴۳)

اب مجھ میں اور برادر موصوف میں اختلاف صرف اس بات پر ہے کہ میرے نزدیک اس معاملہ میں جو کچھ فیصلہ کرنا ہے وہ ابھی اور فوراً کرنا چاہئے اور بھائی صاحب کی رائے میں اس کو ابھی یوں ہی رہنے دینا چاہئے اور اس کی وجہ آپ کے خیال میں یہ ہے کہ اگر اس وقت گاؤ کشی

رک کی گئی فوج کو ہند اکثریت میں ہونے کے بل بوتہ پر نشہ اقتدار و ہندار سے سرشار میں اور ان کے مقابلہ میں مسلمان شکستہ حال و خستہ ہیں اس بنا پر مسلمانوں کا اس وقت ترک گاؤں کشی کا عہد کرنا کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرے گا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسلمان یہ عہد اور اعلان کو کے برادمان وطن کی نظر میں بے وقت اور ذلیل ہو جائیں گے۔

اگرچہ برادر محترم موجودہ حالات میں ترک گاؤں کشی کو نامناسب بتانے میں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے قلم سے بے ساختہ ایک جملہ ایسا ٹپک پڑا ہے جس کا مطلب منطقی طور پر اس کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ ترک گاؤں کشی عین وقت کے مطابق ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہ عہد اور وقت بھی ہے اور قبل از وقت بھی ہے اب غور کیجئے تو منطقی طور پر اس فقرہ کی شکل یہ ہوگی

(۱) یہ بعد از وقت ہے یعنی قبل از وقت نہیں

(۲) یہ قبل از وقت ہے یعنی بعد از وقت نہیں

نتیجہ یہ ہے کہ قبل از وقت ہے اور نہ بعد از وقت یعنی عین وقت کے مطابق ہے

بہر حال آپ کا مطلب یہ ہے کہ تقسیم ہند سے بہت پہلے جب کہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یکجاگت پائی جاتی تھی وہ وقت ترک گاؤں کشی کے لئے موزوں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ وقت موزوں تھا تو پھر اسے ترک کیوں نہیں کیا گیا اس زمانہ میں تو مسلمانوں کی پوری سیاست علماء کے ہاتھ میں ہی تھی اور جب حکیم محمد اعلیٰ خاں مرحوم نے اس کی تحریک کی تھی تو اس کی مخالفت کن حضرات نے کی تھی؟ اور کیوں؟

دوسری بات آپ یہ کہتے ہیں کہ اب ایسا کرنا نامناسب نہیں تو اس مسئلہ میں خاکسار راقم الحروف اپنا نقطہ نظر پیش کرتا ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہ چند محض طور صرف اپنا نقطہ نظر اور برقی فکر بیان کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہیں ورنہ اس کا مقصد نہ کوئی ایسا ایک الگ عائد قائم کرنا ہے اور نہ برادر محترم سے یا کسی اور سے اس معاملہ میں مداخلت و مداخلت کرنا ہے چنانچہ

میری طرف سے برہان میں اس سلسلہ کی یہ آخری تحریر ہے۔ اب میری موقوفات حسب ذیل ہیں:

۱۔ اس سے قطع نظر کہ موجودہ حالات میں ہندوؤں کی پوزیشن کیا ہے اور مسلمانوں کی کیا۔
 نفس مسئلہ کی حیثیت سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ گادگشی سبب نزاع ہے یا نہیں؟ اگر سبب
 نزاع ہے تو کیا مسلمان اس کی مقاومت کر سکتے ہیں؟ اگر مقاومت نہیں کر سکتے تو کیا اندرون
 احکام اسلام مسلمان اس سبب نزاع کو دفع و ختم کر سکتے ہیں؟۔ پس یہ تین سوالات ہیں جن پر
 غور کرنا ہے یہ ظاہر ہے کہ گادگشی آج سے نہیں ہمیشہ سے سبب نزاع بنی رہی ہے لیکن تقسیم ہند
 سے قبل جو کچھ ہندوؤں اور مسلمانوں کی طاقت متوازن تھی اس نے مسلمان اس کی مقاومت
 کر سکتے تھے تقسیم کے بعد صورت حال یہ ہے کہ اس کا سبب نزاع ہونا تو شدید سے شدید تر
 ہو گیا ہے اور دوسری جانب مسلمانوں میں تاب مقاومت نام کو بھی نہیں رہی ہے۔ اس بنا پر
 اب سوچنا یہ ہو گا کہ مسلمان باختیار خود اس کو ترک کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو شریعت کہتی ہے کہ
 ہاں مسلمان اس کو ترک کر سکتے ہیں۔ پس اب محالہ شریعت کا حکم یہ ہی ہو گا کہ اجتماعی طور پر اس
 کے ترک کر دینے کا اعلان کر دینا چاہئے اس سلسلہ میں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مولانا احتشام
 نے صفحہ ۲۹۸ پر چند مقامات کا نام لے کر یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ”فرقہ پرست ہندوؤں
 نے مسلمانوں کی جان و مال کو نقصان پہنچانے کے لئے عید قرباں کو بیانا بنا کر خون کی ہولی کھیلنا شروع
 سمجھا“ اگر اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض مقامات پر فرقہ پرست ہندوؤں نے ایسا کیا تو کوئی شبہ
 نہیں کہ یہ بالکل سچا اور درست ہے۔ لیکن اگر مطلب یہ ہے کہ گادگشی سرے سے سبب نزاع
 ہی نہیں ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح کی بات دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی انسان بھی کہہ سکتا
 ہے۔ چہ جائیکہ ملک کا ایک نامور عالم اور نہایت باہوش و دانش رہنمائے قوم۔

(۲) گادگشی جب سبب نزاع ہے تو اس کو اس کی اس حیثیت کے پیش نظر ختم کر دینا
 محالہ مفید اور عمدہ نتائج پیدا کرے گا۔ اور ان نتائج کی راہ میں ہندوؤں کا موجودہ پندار اکثریت
 حامل نہیں ہو سکے گا جس کا کہ برادر موصوف کو اندیشہ ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں آپ دیکھتے ہیں کہ

مہاں بیوی میں کسی بات پر سخت جھگڑا ہو جاتا ہے۔ بیوی بر بنائے شرافت و نیک نفسی شوہر کی ہمراہی باتیں سن کر خاموش رہتی ہے اور اس کا کوئی جواب نہیں دیتی تو اگرچہ شوہر بھی طرح جانتا ہے کہ اس کو بیوی پر ہر طرح فوقیت و اقتدار حاصل ہے اور اس کے بلقابل بیوی غریب کے لئے شوہر کے در کے علاوہ کوئی دوسرا در بھی نہیں ہے اور اس بنا پر ممکن ہے کہ بیوی کا جواب نہ کی جس کی زندگی دنیا اسی مجبوری کے باعث ہو۔ لیکن بانیہ بیوی کی خوشی کا اثر طبعی طور پر یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو خود بعد میں اپنے قول و فعل پر مذمت ہوتی ہے اور وہ بیوی سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔

(۳) اور اگر بالفرض اس وقت ترک گاؤں کشی کے اعلان سے ہندوؤں کو یہ خیال ہو گیا کہ مسلمانوں نے ڈر کے مارے ایسا کیا ہے نہ کہ اپنے کسی خاص فرض کے احساس سے تو اداں کو یہ خیال اس وقت تو ہو سکتا تھا جب کہ یہ اعلان مسلم لیگ یا کسی اور جماعت کی طرف سے ہوتا ہے جیسے علماء کو برہمنوں جانتا ہے کہ یہ بہادر دہل اور سرفروشیوں کی جماعت ہے جس کے نزدیک حق کی راہ میں جان دے دینا معمولی بات ہے اور یہ جماعت جب کل جھینڈا سے مرعوب نہیں ہوتی اور نہ ہندو اکثریت کے خیالی بھوت نے اس کے دماغ پر مسلط ہو کر مسلمانوں کے لئے فرقہ دارانہ سیاست کا راستہ دکھایا تو آج وہ ہندوؤں سے کہیں ڈرتے گی۔ اس بنا پر اگر جمیع علماء کی طرف سے یہ اعلان ہوتا تو ہندو لامحالہ اس کا خیر مقدم کرتے اور وہ سمجھتے کہ جمیع نے یہ اعلان ہندو سے ڈر کر نہیں کیا ہے بلکہ وقت کے تقاضے کے مطابق فرض شناسی کے جذبہ سے کیا ہے کون نہیں جانتا کہ جب کل سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کے ہزیمت خوردہ و شکست یافتہ ہونے کے باوجود انگریزوں کو اپنانے کی پالیسی پر عمل کیا تو اس کا خیر مقدم خود انگریزوں نے کیا اور سر سید نے ان کی طرف تعاون و اشتراک کا جو ہاتھ بڑھایا تھا اس کو انھوں نے مضبوط پکڑ لیا کیوں؟ صرف اس لئے کہ انگریز جلتے تھے کہ سر سید وہی بہادر انسان ہے جس نے ”اسباب بغاوت ہند“ لکھ کر پارلیمنٹ میں تہلکہ

ہا دیا تھا اور جو ایک عظیم الشان دربار حکومت سے محض اس بات پر ناراض ہو کر اٹھ آیا تھا کہ اس میں ہندوستانیوں کی کرسی انگریزوں کے برابر نہیں بھی تھی سرسید کی اس بے غرضی اور بے باکی کی وجہ سے انگریزوں کو یقین تھا کہ اب سرسید نے انگریزوں کو اپنانے کی جو ایسی اعتبار کی ہے تو وہ مرعوب و خوف زدہ ہو کر نہیں بلکہ تقاضائے وقت کا صحیح جائزہ لینے کے بعد فرض شناسی کے جذبہ سے کی ہے یہاں اس سے بحث نہیں کہ سرسید کی یہ پالیسی پرہیزگار صحیح تھی یا غلط۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ مسلمانوں کی ہزیمت خوردگی کا مقصد سرسید کی پالیسی کے متعلق انگریزوں کے دل و دماغ پر اچھا اثر پیدا کرنے میں مانع نہیں ہوا۔

(۴) اس سے قطع نظر کہ گارڈ کشی کے عنوان سے اب تک کتنے مسلمانوں کی جانیں جا چکی ہیں اس معاملہ پر اس پہلو سے بھی غور کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت نے مذہبی قومیت کی بنیاد پر تقسیم ہند کا مطالبہ کر کے اور پھر اس مطالبہ کو حاصل کر کے در حقیقت بھارت میں اپنے شہری حق کو خود منسوخ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اگر یہاں کے دستور میں مسلمانوں کو شہری حقوق نہ دئے جاتے تو مسلمانوں کا منہ نہ ہوتا کہ وہ اس کے خلاف احتجاج میں ایک حرف بھی کہہ سکتے لیکن کانگریس کا مسلمانوں پر یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے اس چیز کی ذرا پروا نہ کی اور ملک کے آئین میں مسلمانوں کو بھی ہندوؤں جیسا شہری تسلیم کر لیا، کانگریس کے اس احسان کے جواب میں مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ وہ قومی تشکر و امتنان کے طور پر گارڈ کشی کے ترک کا اعلان کر دیتے۔ اگر دستور کی تکمیل کے فوراً بعد مسلمانوں کی طرف سے محض تشکر و امتنان کے جذبہ سے اس قسم کا اعلان ہوتا تو آپ دیکھتے کہ ایک طرف ہندو۔ راجندر پرشاد اور راج گوپال آچاریہ ایسے شخص کانگریس کو جہاں سب کے خلاف مسلمانوں کے لئے لڑنے میں کتنی تقویت ملتی اور دوسری جانب خود اکثریت کے دل و دماغ پر اس کا کس قدر اچھا اثر ہوتا۔

۵) علاوہ بریں آپ اپنے معاملات و مسائل کا صحیح اور کامیاب حل اسی وقت پیدا کر سکتے ہیں جب کہ آپ اپنا صحیح مقام اور مرتبہ معلوم کر لیں اور اس مقام کے مطابق آپ کو جو کرنا چاہئے وہ

کریں ملک کی تقسیم کے بعد بھارت کے مسلمانوں کی مثال اس فوج کی سی ہے جو کسی محاذ پر اپنے حریف سے شکست کھا چکی ہے ایسی شکست خوردہ فوج کے لئے مندر اور ہٹ میں اسی جگہ پر کھڑا رہنا سزا سر خود کشی کے مرادف ہے۔ اسے لامحالہ پیچھے ہٹنا چاہئے۔ پسپائی کی پالیسی پر عمل کرنا چاہئے اسے حالات کو متوازن کرنے کے لئے اپنے اندر لچک پیدا کرنی چاہئے۔ لیکن یہ لچک، بعد ازاں در یہ پسپائی بزدلی، بددلی اور نامردی کے ساتھ نہیں بلکہ حوصلہ و امید، اور دلولہ و دارملان کے ساتھ محض اس خیال سے ہونی چاہئے کہ اب جب کہ اسباب طبعی کے ماتحت اس فوج کو شکست ہو ہی گئی ہے تو اب اس کے لئے محاذ سے پسپا ہونا بھی ایک طریق جنگ ہے۔ یہ پسپائی صرف اس بنابر اختیار کرنی چاہئے کہ یہ فوج شکست کھا چکی ہے۔ اس رقت اس کا خیال ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ اس پسپائی پر دشمن ہنسے گا۔ اور اس پر کوئی اچھا اثر ہو گا یا نہیں ہو گا۔

بھائی حفظ الرحمن صاحب اگر گستاخی معاف کریں تو میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ آج مسلمانوں کے حالات کے عدم توازن کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک کی تقسیم تک مسلمان بحیثیت مجموعی فرقہ وارانہ سیاست کی زیر قیادت تھے اور اسی قیادت کے ماتحت آج کا مردہ ملک کے دھڑکنے لگے کر اٹھ رہے ہیں لیکن ٹھیک ۵۱ اگست ۱۹۴۷ء کو شب کے بارے بنے یہ قیادت اپنا ستر بوریہ باندھ کر اس ملک سے رخصت ہو گئی اور اس کی جگہ جمعیتہ مللئے ہند نے لے لی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمعیتہ نے یہ سب کچھ اسلامی جمعیت وغیرت اور انسانی شرافت و ہمدردی کے جذبہ سببے قرار ہو کر کیا کیونکہ جمعیتہ کو مسلمانوں نے تقسیم ہند سے قبل خواہ کچھ ہی کہا سنا اور اس کے ساتھ کیسا ہی برا اور ناگوار معاملہ کیا ہو لیکن اس کے باوجود جمعیتہ یہ ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ مسلمان بے بس بے بس ہو کر فتنہ و فساد کی دوزخ میں گھر کر رہ گئے ہوں اور جمعیتہ ان کا تماشہ دیکھتی رہے۔ چنانچہ حفظ الرحمن اور ان کے رفقاء خود بھی اس آگ میں کود پڑے اور مسلمانوں کو اس آگ کی لپٹ سے بچانے کے لئے انہوں نے جس عظیم الشان نفاذ کاری۔ جاں سپاری اور بے باکی و بے خوفی کا مظاہرہ کیا ہے میرے علم و یقین میں وہ مصروف شجاعت و جوانمردی کا ایک بہت بد دشمن باب ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کے

یہاں ان حضرات کے مراتب و مدارج صدیقین و شہداء سے کسی طرح کم نہیں ہیں یہ سب کچھ صحیح اور درست لیکن منطقی اعتبار سے جو بات غلط ہے وہ غلط ہی ہوگی۔ اب جمعیت کی مثال اس ڈاکٹر کی سی ہے جس کے سپرد ایک ایسا مریض ہوا ہے جس کا کیس پہلے سے ایک اور انجمن پر ڈاکٹر نے بگاڑ دیا ہے اور جب مریض کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تو یہ ڈاکٹر مریض کو خدا کے سپرد کر کے کسی اور دوسرے ملک کو سدھوا گیا ہے اب یہ دوسرا ڈاکٹر ازراہ ہمدردی و شرافت اس مریض ناواں کا علاج تو کر رہا ہے لیکن اصلیت اپنے انداز فکر اور طریق علاج کے مطابق اور یہ نہیں دیکھتا کہ پہلے ڈاکٹر نے مریض کے حالات میں کہاں کہاں اور کس کس راہ سے فساد پیدا کر دیا ہے اور ان چیزوں کی رعایت سے اسے کیا کیا کرنا چاہئے جمعیت نے ہندوؤں کے دوش بدوش جنگ آزادی میں حصہ لیا ہے اس لئے وہ نہ ہندوؤں کے سامنے محبوب و شرمسار ہے اور نہ وہ ان سے دب کر کوئی بات کر سکتی ہے لیکن انیسویں صدی کے ہام مسلمانوں کا حال یہ نہیں ہے، بس یہ ہے اصل خرابی کہ قوم کے حالات ”پسپائی“ کے متقاضی ہیں لیکن لیڈر شپ اپنے مخصوص کردار کے باعث اس کے لئے تیار نہیں۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ مسلمان خود بخود گناہ کشی ترک کرنے جا رہے ہیں گذارش یہ ہے کہ جی ہاں! ترک کرنے جا رہے ہیں مگر صرف انہیں مقامات پر جہاں وہ نہیں کر سکتے مغربی بنگال میں گناہ کشی ممنوع نہیں ہے تو اس سال بھی عید قربان کے موقع پر سینکڑوں گائیں قربان ہوئیں پولیس کے انتظامات ہر جگہ معقول تھے اس لئے فساد کہیں نہیں ہوا۔ اب سوچئے کہ اگر ایسے مقام پر مسلمان بطیب خاطر گائے کی قربانی نہ کرنے کا اعلان کر دیتے تو کیا اس سے مسلمانوں کی آن پر بٹہ لگ جاتا اور کیا اس سے فرقہ وارانہ تعلقات کو خوشگوار بنانے میں مدد ملتی؟

اب حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ٹنڈن جی نے ناسک میں برلا کہا ہے کہ ہندوؤں کو گناہ کشی کے خلاف رائے عامہ پیدا کرنی چاہئے۔ ڈالیمیا نے صاف صاف کہا ہے کہ اگر ۲۶ جنوری تک گناہ کشی بند نہیں ہوئی تو میں اپنی زندگی اس کے لئے وقف کر دوں گا۔ اب سمجھ لیجئے کہ ان

سب باتوں کا مطلب کیا ہے؟ تو کیا آپ یہ سب چیزیں ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھتے رہیں گے اور خود کچھ نہیں کریں گے حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ قوم کے لیڈر کا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے فکر میں تبدیلی پیدا کرے اور حقائق کا واقعی جائزہ لے کر اخلاقی جرأت کا ثبوت دے۔ "غور کیجئے صلح مدینہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے نمائندہ کے مطالبہ پر خود اپنے دست مبارک سے "مرہوعلی اللہ" کا لفظ لکھ کر مٹا دیا جس سے بعض صحابہ کو سخت ناگواری ہوئی تو کیا یہ واقعہ اس کا ثبوت نہیں ہے کہ اسلام اپنے حریفوں سے صلح کرنے وقت کس حد تک لچک پیدا کرنے کی اجازت دیتا ہے صحابہ کرام اس کو اپنی توہین یا ذلت سمجھتے تھے لیکن اللہ کا پیغمبر رحن اپنی جگہ مطمئن تھا کہ ایسا کرنا کفار قریش پر اللہ کی رحمت کا تام کر دینا ہے۔ اس کے بعد اگر ان بدبختوں نے شرائط صلح سے روگردانی کی تو پھر اللہ کا قہر ان کو پہنچے گا اور یہ اس کی گرفت سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آؤ میں اتنا اور عرض کر رہا ہوں کہ برادر محترم نے تخیلی اور علی کا فرق بیان فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ خاکسار راقم الحروف صرف ایک تخیلی شخص ہے جس کو علی عباسیہ کا کوئی تجربہ نہیں ہے اور اس کے برخلاف برادر محترم خود اور ان کے رفقاء علی سیاسیات کے مرد میدان ہیں اس لئے اس معاملہ کو جتنے اچھے طریقہ پر درہ سمجھ سکتے ہیں یہ خاکسار نہیں سمجھ سکتا، گزارش یہ ہے کہ مجھ کو کھلم کھلا اپنی اس کوتاہی اور نقص کا اعتراف ہے اور میں واقعی علی سیاسیات کا آدمی نہیں ہوں لیکن با اینہما اس قدر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر علی سیاسیات کا مرواۃ بین اور اس میدان کی شہ سوازی کا عالم یہ ہی ہے جو تقسیم ملک کے فوراً بعد لاکھوں اہل کرموں انسانوں کی انتہائی بربادی اور ہلاکت و تباہی کی شکل میں ہند اور پاکستان میں نظر آیا ادب بھی اس کے اثرات نظر آ رہے ہیں تو یہ شریف اور نیک طلب انسان کو دعا کرنی چاہئے کہ خدا اس کو اس عملی سیاسیات کی شہ سواری سے محروم و نامراد رکھے۔

تدوین حدیث

محاضرہ چہام

(حضرت مولانا سید منظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ و بیات جامعہ عثمانیہ جدید آبادکن)

(۱۱)

علیکم من المحدث ببلکان
فی عمل عمر خاندہ قل اخاف
الناس فی المحدث عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم (تذکرۃ الفقہاء)

لوگوں ہی حدیثوں کو قبول کرو، جو عمر کے زمانے
کی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف منسوب کر کے حدیثوں کے بیان کرنے
پر عمر نے لوگوں کو ڈرایا اور دھمکا یا تھا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ اکثر یعنی بہ کثرت حدیثوں کی روایت سے ممانعت کی صرف یہ توجہ
کہ زیادہ روایت کرنے والوں سے احتیاط کی توقع جیسی کہ چلے ہے نہیں کی جاسکتی تمام حالات
میں تو یہ صحیح ہے مگر مجھ ہی سے آپ سن چکے ہیں کہ صحابہ میں بھی اور صحابہ کے بعد بھی محدثین
میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا جاتا تھا جن کی یادداشت اور حافظہ کی قوت کا تجربہ کیا گیا۔ تجربہ
سے ثابت ہوا کہ دو تین نہیں بلکہ سیکڑوں حدیثیں ان بزرگوں کو اس طریقہ سے یاد تھیں کہ
سال سال بھر کے بعد ان سے دوبارہ بھڑوی حدیثیں پوچھ کر لکھی گئیں اور پہلے کھائے ہوئے
مسودے سے ان کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کی کمی بیشی نہیں پائی گئی۔ آخر جن لوگوں کو اپنی
روایتوں پر اتنا اعتماد ہو جیسا کہ ابو زرہ کے حال میں گذر چکا کہ قسم کھانے والے نے یہ قسم
کھائی کہ ابو زرہ کو ایک لاکھ حدیثیں اگر زبانی یاد نہ ہوں تو میری بیوی کو طلاق پڑ جائے پھر ان ہی
سے دریافت کرنے آیا، جواب میں ابو زرہ نے کہا تھا کہ اطمینان سے تو اپنی بیوی کو اپنے

پاس رکھنا ہر ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان کی کیفیت اور کیا ہو سکتی ہے۔
 میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی روایتوں کے متعلق جن کے اطمینان کی یہ
 حالت ہو، آخران کو کثرتِ روایت سے روکنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یاد رکھنے والوں کو
 جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے، حضرت
 بھی لوگوں سے یہی کہتے تھے کہ جن لوگوں نے میری باتوں کو یاد رکھا ہے، چاہئے کہ وہ
کو دوسروں تک پہنچائیں حافظ بن عبدالباقی نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے ان کا ایک قول
 حدیثوں کی روایت کے متعلق نقل کیا ہے، یعنی قیس بن عباد کہتے تھے۔

سمعت عمر بن الخطاب میں نے عمر بن الخطاب سے سنا کہ جس نے
 بقول من سمع حدیثاً فاداه حدیث سنی اور جو کچھ سنا تھا اسی کو اس نے ادا
 کما سمع فقد سلمہ (صحیح ۱۲۳ ج ۱) کر دیا تو وہ محفوظ ہو گیا (یعنی روایت کی ذمہ داری
 کو اس نے پورا کر دیا)

ظاہر ہے کہ حضرت کے یہ الفاظ عام ہیں، ان لوگوں کو بھی شامل ہیں جن کی روایتوں کی تعداد
 کمیل ہو، اور ان کو بھی جن کی روایتوں کی تعداد کثیر ہو، شرط صرف یہ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ اس نے
 سنا ہو اسی کو اگر وہ بیان کر رہا ہے تو اپنی ذمہ داری اس نے پوری کر دی۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کے متعلق جیسا کہ حافظ ابن عبدالباقی نے
 حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ان لوگوں میں
 علیہ وسلم من یبظر لہ ویخذ عنہ شیئ جاع بیان العلم
 میں جن کی طرف دیکھا جاتا ہے اور ان سے (ہجرت) کو اخذ کیا جاتا ہے۔

اگر یہ ان ہی کا بیان ہے اور نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں، رسول اللہ کے اصحاب کے متعلق
 جس کا یہ خیال ہو اور ان ہی صحابہ کرام کی باتوں کو مسلمانوں کی آئندہ نسلوں میں جو اہمیت حاصل

ہو سکتے تھے اس کا اظہار بار بار مختلف مواقع میں جو بایں الفاظ کرتا ہو کہ۔

انتم معاشرا صحابہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی
تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی
ہو، جب تم ہی لوگ اس میں اختلاف کرو گے تو
جو تمہارے بعد آئے دالے میں وہ بھی باہم مختلف
مختلف من بعدکم میں ۹۸ ج ۲
ہو جائیں گے۔

جو ان ہی صحابوں کو خطاب کر کے یہ پیش گوئی کرتا ہو کہ

انتم اصحاب بدرا وقد اختلفتم
تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابوں
میں ہو جو بدر میں شریک تھے تم ہی جب اختلاف
کر رہے ہو تو تمہارے بعد جو ہیں گے وہ زیادہ
مٹ ازالہ اختلاف ۲
اختلاف کریں گے۔

کیا اسی فاروقی بصیرت سے یہ امر مخفی رہ سکتا تھا کہ ان ہی صحابوں میں خبرِ حادثہ کی شہادت
عام طور پر مشہور و معروف ہو کر عمومیت کا رنگ جب اختیار کر لیں گی تو آئندہ نسلوں میں یہی
رنگ کتنا پختہ اور گہرا ہوتا چلا جائے گا اور دین کے اس حصہ کی تبلیغ میں خاص و دش پیغمبر
نے قصداً جس مصلحت سے اختیار کی تھی اس مصلحت پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

کچھ بھی ہو میرا خیال تو یہی ہے کہ مجتہد دیگر مصلح و دعوہ کے افعال و روایات پر حضرت عمرؓ
کے اصرار کا ایک راز یہ بھی تھا ازالہ اختلاف میں شاہ ولی اللہ نے قرظ دالی روایت جس میں اخلو
الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایتیں رسول اللہ سے کم بیان کرنا،
کی وصیت کو ذرخصت کرنے ہوئے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
یہ فرمائی تھی، اسی روایت کو الدارمی کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے دارمی
کی ایک تشریحی فقرہ جو اس حدیث کے آخر میں انھوں نے لکھا تھا یہ بھی دسج کیا ہے۔

قال ابو محمد (ہو والد ارمی) معاً ابو محمد (یعنی دارمی) ہے کہا کہ میرے خیال میں حضرت

عندی الحدیث عن ایام رسول اللہ ﷺ کے اس قول کا دینی بقول روایت پر اصرار کا مطلب
 صلی اللہ علیہ وسلم لیس یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام کی حقیقت
 السنن و الفرائض ۱۲ سنن اور فرائض کی نہیں

الدارمی کے ابن الغاف کا کیا مطلب ہے و افسوس ہے کہ اس کی تفصیل کا صحیح مقام
 ”تمدین فقہ“ والی کتاب ہو سکتی ہے، تاہم مختصر یہاں بھی اتنا اشارہ نامناسب نہیں ہو گا کہ
 ”البنیات“ میں نے دین کے جن عناصر و حقائق کا نام رکھا ہے اس کی تعریف تو پہلے کر چکا ہوں
 لیکن مصداق قرآنی مطالبات اور ان کے عملی تشکیلات ان کے اہم اجزاء میں مثلاً اقبہم الصلوٰۃ
 میں الصلوٰۃ کا مطالبہ قرآن میں کیا گیا ہے، لیکن ”الصلوٰۃ“ کی عملی شکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے بتائی، میرے نزدیک الدارمی کے مذکورہ بالا الفاظ میں فرائض سے قرآنی مطالبات اور
 سنن سے ان ہی فرائض کی عملی شکلیں مقصود ہیں کچھ یہی نہیں بلکہ عام طور پر حدیثوں میں فرائض
 کے بعد سنن کا لفظ جہاں آیا ہے میں تو اس کا مطلب یہی سمجھتا ہوں مثلاً حضرت ابو موسیٰ جب
 کوفہ کے والی حضرت عمرؓ کی طرف سے مقرر ہو کر آئے تو اس وقت آپ نے تقریر کرتے ہوئے
 یہ جو کوفہ والوں سے فرمایا تھا کہ

لعتفی الیکم عمر بن الخطاب مجھے تم لوگوں کے پاس عمر بن الخطاب نے اس
 ۱ علیکم کتاب ربکم و سنت لئے بھیجا ہے کہ تمہارے رب کی کتاب و قرآن نہیں
 نبیکم ازالہ الغمضۃ ۲ ج ۲ سکھاؤں اور تمہارے رسول کی سنت کی تعلیم دیں

تو کتاب کے بعد سنت کا جو لفظ یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ کتابی اور قرآنی مطالبات کے
 عملی تشکیلات ہی کی طرف اشارہ ہے حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس
 میں ایک شخص نے جب یہ مطالبہ پیش کیا کہ

لا تحذرونا الا بالقرآن قرآن کے سوا ہمارے سامنے اور کچھ نہ بیان کرو۔

تو یہ ”سنن“ نے جن کو پیش کرنے ہوئے آپ نے سمجھایا تھا کہ ان ”سنن“ یا عملی طریقوں

کے بغیر قرآنی احکام کی تعمیل کی صورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ روایت میں ہے کہ جس شخص نے کہا تھا کہ قرآن کے سوا اور کسی چیز کا تذکرہ نہ کیا جائے حضرت عمران نے اس سے کہا کہ میں ابراہیمؑ کے قریب آ جاؤ جب وہ آپ کے پاس آ گیا تو آپ نے اس کو سمجھانا شروع کیا پہلے آپ نے الصلوٰۃ ہی کو لیا جس کا بار بار قرآن میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا ہے پوچھنا شروع کیا۔

اسرائیت لو وکلت عدانت اصحابک
تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نواز رفتار ہیں
الی القرآن اکننت تجد نسیہ
صرف قرآن ہی پر ٹیک لگائیں گے، نو کیا قرآن
صلوٰۃ الظہر اور بعد صلاۃ
میں پاسکتے ہو کہ ظہر کی نماز چار رکعتوں پر اور عصر
العصر اور بعد المغرب ثلاثا
کی بھی چار اور مغرب کی نماز تین رکعتوں پر مشتمل ہے
پھر آپ نے تنبیہ جج کا ذکر کیا اور فرماتے لگے

اسرائیت لو وکلت انت واصحابک
تم سمجھتے ہو کہ تم اور جو تمہارے ہم نواز رفتار ہیں صرف
الی القرآن اکننت تجد الطواف
قرآن ہی پر ٹیک لگائیں گے تو تم قرآن میں پاسکتے
بالبیت سبعاً والطواف بالصفاء
ہو کہ بیت اللہ دیکھ کر کا طواف سات دفعہ کرنا چاہئے
والمرۃ
اور صفاء و مردہ کا طواف بھی سات دفعہ کرنا چاہئے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے جج کے متعلق یہ بھی پوچھا تھا کہ

والموقف بعرفة ورمی الجھار
عرفات میں وقوف (قیام) اور رمی جھار رکے
مسئلہ کو کیا قرآن میں تفصیلاً پاسکتے ہو، شاید عرفات
کی جگہ مزدلفہ کا لفظ ہو کیونکہ عرفات کا ذکر قرآن میں
کیا گیا ہے مترجم،

یا چور کے ہاتھ کاٹنے کا قرآن میں اسلامی حکمرانوں کو جو ذمہ دار بنایا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ
والید من این تقطع امن ھھنا
اور ہاتھ کس طریقہ سے کاٹا جائے کہاں سے یہاں
لو من ھھنا
سے یا وہاں سے۔

راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ نے گئے پر ہاتھ رکھ کر بتایا کہ یہاں سے پھر کہنی پر ہاتھ رکھ کر چھا کر کیا یہاں سے؟ پھر کندھے کے قریب ہاتھ لے گئے اور پوچھا کہ کیا یہاں سے؟

پھر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت اس مسئلے کے تفصیلات میرے پیش نظر نہیں ہیں تفصیلات کے لئے کتاب ”ندوین فقہ“ کا مطالعہ کیجئے، یہاں مجھے الدارمی کے ان الفاظ کی شرح مقصود ہے جن کا حضرت عمرؓ والی روایت کے اندراج کے بعد انھوں نے اضافہ کیا ہے یعنی ”فرائض اور سنن“ کے متعلق اقلال کا یہ حکم حضرت عمرؓ نے نہیں دیا تھا بلکہ صحاح حدیث عن ایام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اس حکم کا تعلق ہے یہ بتانا چاہتا تھا کہ ایسے موقعوں پر مسنون کا لفظ ”فرائض“ کے بعد جب بولا جاتا ہے تو مراد ان سے قرآنی فرائض و مطالبات کی عملی تکلیفیں ہوتی ہیں اور یہی وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کی شاعت میں تو عمومیت ہی مقصود ہے پھر ان کے متعلق ”اقلال“ کا حکم حضرت عمرؓ کیسے دے سکتے تھے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو واقعات پیش آئے با آپ کے سامنے کرنے والے جو کچھ کرنے تھے یا ان ہی دونوں میں بجائے عام امت کے خاص خاص افراد سے جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں یا خاص لوگوں نے آنحضرت کو کچھ کرتے دیکھا تھا ان فرض عہد نبوت کی وہی چیزیں جن کی عمومی اشاعت پیغمبر کی طرف سے مسلمانوں میں نہیں کی گئی تھی جہاں تک میرا خیال ہے الدارمی کے ایام کے لفظ سے بھی مطلب ہے جیسا کہ میں یہی کہتا چلا آ رہا ہوں، امام بخاری نے بھی اس قسم کی حدیثوں کی تفسیر قریب قریب ان ہی الفاظ سے کی ہے انھوں نے بھی اپنی مرتبہ کتاب مجمع سنن بخاری کا یہ نام جو رکھا ہے یعنی ”الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

دایامہ

میں نے پہلے بھی اس کا تذکرہ کہیں کیا ہے ظاہر ہے کہ ”امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دایامہ“ یہ ان ہی حدیثوں کی تو تفسیر ہے جنہیں اپنی کتاب میں امام نے جمع کیا ہے۔ الدارمی اور

بخاری میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایام کے ساتھ ”امور“ کا اضافہ بھی امام بخاری نے کیا ہے اور الدارمی نے صرف ”ایام“ کے عام اور عادی لفظ کو کافی خیال کیا ہے ظاہر یہ ایک قسم کی اصطلاح معلوم ہوئی ہے، گویا خبرِ آحاد کی ایک تعبیر یہ بھی ہے

خلاصہ یہ ہے کہ وہی بات یعنی دین کا بنیاتی حصہ غیر بنیاتی چیزوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائے، دونوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے جو یہ طریقہ فرمایا تھا کہ ایک کی تبلیغ و اشاعت میں عمومیت کا رنگ جس حد تک پیدا ہو سکتا تھا اس کے پیدا کرنے پر پورا زور صرف کر دیا گیا، اور گو پہنچانے کی حد تک پہنچا تو دیا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شعبے کو بھی لیکن اس کو ہر شخص تک پہنچانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے زمانہ میں اس امتیاز کے بانی رکھنے پر زور دیا اور یہی غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان تدبیروں سے تھی، جن کا اقتساب روایتوں میں ان کی طرف کیا گیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی ازالہ الخفا میں حدیثوں کے متعلق حضرت عمرؓ کے خدمات کی تفصیل کرتے ہوئے مجدد دوسرے مصلح کے ان روایات کا ایک مطلب یہ بھی قرار دیا ہے

شاہ صاحب فرماتے ہیں

باستقرار نام معلوم شد کہ غارق اعظم	اجبی طرح چہان میں تلاش و گفتش سے یہ بات
نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ	معلوم ہوئی ہے کہ غارق اعظم کی دقیق نظر حدیث
بہ تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر تعلق	کے دونوں حصوں میں امتیاز پیدا کرنے پر عجیبی
دارد از غیریں مصروف می ساخت	یعنی وہ حد جس سے شرائع کی تبلیغ اور انسانی
	افراد کی تکمیل سے مشغول تھا اس میں مشغول نہ کہ

دوسرے حصہ میں ابھانک سے لوگوں کو روکتے تھے

”تبلیغ شرائع و تکمیل افراد بشر“ کے الفاظ سے جیسا کہ ظاہر ہے قرآنی مطالبات کی عملی تکمیل

ہی کا تعلق ہے گویا الدارمی نے سنن کے لفظ سے جس مقصد کو ادا کیا تھا شاہ صاحب نے

زیادہ واضح الفاظ میں ان ہی کی تعبیر کی ہے اس کے بعد اتمام فرماتے ہیں کہ
 لہذا احادیث شامل جادیت سنن اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل
 زوائد و لباس و عادات کثرت وابت شکل و صورت سے جن حدیثوں کا خلق تھا اور سنن
 می کر و ص ۱۲ ج ۲ از انہ انوار
 حدیث جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس
 و عادات سے تعلق ہے حضرت عمرؓ اس قسم کی حدیثوں
 کو کم بیان کرتے تھے۔

ان روایتوں کو حضرت عمرؓ خود بھی کم بیان کرتے تھے اور دوسروں کو بھی حکم دیتے تھے کہ ان
 کا زیادہ چرچا نہ کریں یعنی وہی اقول روایت کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بھی لکھا ہے کہ
 انہما از علوم تکلیفیہ تشریعیہ نیست چون کہ ان حدیثوں کا شمار ان علوم میں نہیں ہے جن
 تحصیل کہ چوں اہتمام تام بروایت آں کا مکلف لوگوں کو بتا یا گیا ہے اور عام تشریع و
 بکار برد بعض اشیاء از سنن زوائد کی حیثیت ان کی نہیں ہے اس لئے اس کا احضار
 بہ سنن ہدی مشتبہ گردد متناہ کہ زیادہ توجہ ان کے بیان اور اشاعت کی
 طرف کی جانے لگی تو سنن زوائد اور سنن ہدی باہم
 ایک دوسرے کے ساتھ مل کر غلط ہو جائیں گے۔

داری یا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان اقوال کے پیش کرنے سے میری غرض یہی ہے کہ
 اقلال روایت کی جو وجہ میں نے بیان کی ہے، پر میرا کوئی انفرادی خیال نہیں ہے، بلکہ اباء
 نقیض نے دوسرے مصالح و وجوہ کے ساتھ مختلف الفاظ میں مجھ سے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے
 کچھ بھی ہو خیر احادیث والی روایتوں کے متعلق خدمات میں سے ایک خدمت جو یہ تھی یعنی
 عمومیت کی ایسی کیفیت ان میں نہ پیدا ہونے پانے جس کی وجہ سے دین کے بنیاتی حصہ کے
 مطالبوں کی جو قوت ہے کہیں اسی قوت کو لوگ اس میں محسوس نہ کرنے لگیں، جیسے حدیث نبوت

میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بخوانی فرمائی اور گو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قوت ہی کیا لا، لیکن جتنا وقت بھی ملا، جہاں دوسرے فرائض آپ نے ادا کئے وہیں اس کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول رکھی، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آیا تو اپنے عہد خلافت کے ابتدائی سالوں میں ہم ان کو بھی اس مسئلہ کی طرف متوجہ پاتے ہیں، بعد کو کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر آئندہ آ رہا ہے، لیکن اس سے پہلے ان ہی حدیثوں کی وجہ سے قدرتا معلومات میں لوگوں کے اختلاف کی جو کیفیت پیدا ہو گئی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اختلاف کو اختیاری و ارادی مخالفت کے قالب میں ڈھلنے سے جیسے روکا تھا میں چاہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلہ میں جو کارروائیاں کی ہیں پہلے ان کا تذکرہ کروں اس قسم کے مسائل میں بعض چیزوں کے متعلق تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی روایتیں نقل کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کے دونوں پہلوؤں کے جواز اور تصحیح کی آپ نے کوشش کی ہے مثلاً نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ یا رکوع میں نماز سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھائے جائیں، یعنی رفع الیدین کا مشہور خلاف یہ اور اسی قسم کے متعدد مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دونوں طرح کی روایتیں کتابوں میں ملتی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ النہا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان مختلف روایات کو درج کرنے کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ حضرت عمرؓ دونوں پہلوؤں کے جواز کے قائل تھے مثلاً رفع الیدین کے اختلافی روایات کے ذکر کے بعد رفاہ فرماتے ہیں۔

والا وجه عندی ان عمر رای	میرے نزدیک سب سے زیادہ گنتی ہوئی بات یہ ہے
رفع الیدین عند الرکوع والقیۃ	کہ حضرت عمرؓ رکوع میں جلنے اور سر اٹھانے کے
منہ مستحبان فاعل تاسرۃ	وقت ہاتھ اٹھانے یعنی رفع الیدین کو مستحب
و یؤثرک اخیری ازالۃ النہا ص ۷۲	خیال کرنے سے اسی لئے کبھی کرتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے

یہی بات کہ مسئلہ کے دونوں اختلافی پہلو کو حضرت عمر شہناز سمجھتے تھے بسم اللہ کے باوجود بلند دست کے قصے میں درج کرنے کے بعد شاہ صاحب نے بھی اسی واقعہ کو یاد دلایا ہے جس کا تفصیلی ذکر میں پہلے کر چکا ہوں جنی قرآنی الفاظ میں قرأت اور تلفظ کے اختلافات کے پہلے پہلو کو جائز اور کافی ٹھہرانے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں اختلافات کے بعد ثابت کرنے کی جو گنجائش پیدا کی تھی، اسی واقعہ کا ذکر شاہ صاحب نے بھی کیا ہے بسم اللہ والے اختلافی روایات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

الا وجه عندی ان عمر تعلم من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قصۃ مع ہشام بن حکم ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف کلھا کات شاف ۱۲۱
مرے خیال میں لگتی ہوئی بات یہی ہے کہ حضرت عمر نے اس قصہ میں جو ہشام بن حکم کے ساتھ پیش آیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے سب ٹھیک اور شفاف ہے۔

اس کے بعد پھر بسم اللہ کے متعلق حضرت عمرؓ سے نقل کرنے والوں نے مختلف روایتیں جو نقل کی ہیں، سب ہی کی شاہ صاحب نے تصحیح کی ہے اور قرار دیا ہے کہ ان تمام پہلوؤں کو حضرت عمر شہناز سمجھتے تھے اسی نے کہی یہ کرتے تھے کہی وہ کرتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے ایک اور واقعہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے عجیب بات لکھی ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ صرف قرآؤں کے اختلافات ہی کی حد تک نہیں بلکہ قرآنی عبارت کے مطالب کے سمجھنے میں بھی دو مختلف نقاط نظر کی تصحیح کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخی نظیر چھوڑی ہے یہ مسئلہ کافی دلچسپ مگر ذرا تفصیل طلب ہے خلاصہ یہ ہے کہ پانی کے نہٹنے کی صورت میں بجائے وضو کے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے یہ تو خیر اتفاقی مسئلہ ہے لیکن بجائے وضو کے اگر کسی کو غسل کی حاجت ہو، یعنی ناپاک اور جنب ہونے کے بعد کوئی نہانا چاہے اور پانی وقت پر نہ ملے تو بجائے غسل کے تیمم ہی کر کے نماز پڑھنے کے قابل اپنے آپ کو کیا بنا سکتا ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اب تو سارے ائمہ اجتہاد کی طرف سے اس کا جواب اثبات ہی میں دیا جاتا ہے جس سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ نجس جیسے وضو کا قایم مقام بن سکتا ہے اسی طرح غسل کی قایم مقامی کا کام بھی ضرورت کے وقت نجس سے لیا جاسکتا ہے۔

لیکن نجس کے مسئلہ کی جو تاریخ ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اجتہاد اسلام میں بعض لوگ نجس کو صرف وضو ہی کا قایم مقام سمجھتے تھے اور غسل کے مسئلہ میں ان کا خیال تھا کہ لا یتیمہ للجنب وان لم یصل الماء جنب یعنی نہ پاک نہ نجس، نجس نہ کہو نہ خواہ ہینہ بھری شہراً۔
 بولادہ و نہایت چھوٹا اسے پانی نہ ملے۔

کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن مسعود کا یہی خیال تھا، ان دونوں حضرات کے اس خیال کی بنیاد کیا تھی اس وقت اس کی تفصیل میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ شاہ ولی اللہ نے ازالت الخفاء میں اس موقع پر جو ایک عجیب و غریب نکتہ درج کیا ہے صرف اس کا ذکر مقصود ہے جانتے دانے جانتے ہیں کہ اس

مذہب یہ ہے کہ ایک دن کو ذہب ابو موسیٰ اشعری صحابی نے عبداللہ بن مسعود سے یہی مسئلہ پوچھا کہ بجائے غسل کے ناپاک آدمی کیا بغیر وضو نجس نہیں کر سکتا اس پر عبداللہ نے کہا کہ ہاں! نہیں کر سکتا، خواہ پانی ایک ہینہ تک نہ ملے تب ابو موسیٰ نے قرآن کی آیت سورۃ مائدہ والی تلاوت کی جس میں دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اول المستم السماع یعنی گوتم مہر نوں کی فلاح نجات و امائد پھر نہ پاؤ تم پانی، فیتیمو اصحید اطیباً پس تم کو پاک مٹی کے ساتھ جس سے بظاہر یہی سمجھ میں آئے کہ ہم بستی میں ناپاک ہونے کے بعد پانی اگر کسی کو نہ ملے تو نجس کر لے۔ ابن مسعود بجائے اس بات کے کہ آیت کا جواب دیتے کہنے لگے کہ اگر اس کی اجازت دے دی جائے گی تو معمولی سردی اور ٹھنڈک میں بھی لوگ بجائے غسل کے نجس سے کام چلا لیں گے ابو موسیٰ نے کہا کہ اچھا تو تم لوگ تم کو جو ناپسند کرتے ہو اس کی وجہ یہ ہے؟ ابن مسعود نے کہا کہ ہاں؟ تب حضرت ابو موسیٰ نے ابن مسعود کو حضرت عمر اور حضرت عمار کے سفر کا واقعہ یاد دلایا جس میں عمر اور عمار میں اسی مسئلہ پر اختلاف ہوا تھا۔ عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال تھا کہ بجائے غسل کے پانی نہ ملنے کی صورت میں نجس کر کے ناز و بڑھ یعنی چاہے گھر ملک و غیرہ والا نجس تو معلوم تھا لیکن غسل کی جگہ نجس کرنے کی شکل کیا ہونی چاہئے اس کا علم ان کو نہ تھا، قیاس کر کے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۱)

مسئلہ میں مبنی تیم غسل جنابت کا قائم مقام ہو سکتا ہے یا نہیں اس میں ابتداءً اختلاف ایک سفر کے موقع پر حضرت عمرؓ اور حضرت عمار بن ابی اسر عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان پیش آیا اور انہوں نے قرآن کی آیت جو سورہ مائدہ میں ہے اس کو پیش کر کے استدلال کیا کہ ضرورت کے وقت بجائے غسل کے تیم کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو دعویٰ کے ثبوت کے لئے ناکافی قرار دیا، دونوں میں بحث ہوئی، اور ہر ایک اپنے اپنے خیال پر قائم رہا سفر سے واپس ہونے کے بعد مقدمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا ہر ایک نے اپنا خیال اور خیال کی جو مینا دہنی بارگاہ نبوت میں اسے عرض کیا روایت کو لوگوں نے جس طریقہ سے بیان کیا ہے جس کی حاشیہ میں تفصیل کی گئی ہے اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ ہی کے خیال کی تائید کی، صرف غسل واجب تیمم کے متعلق ان کا جوابہ خیال تھا کہ گردیں لوٹ لوٹ کر پورے جسم پر گرد کا اثر پہنچانا چاہئے صرف اس کی ترمیم کر دی گئی کہ وضو دے تیمم کی شکل غسل کے تیمم کے لئے بھی کافی ہے بظاہر چاہئے تو یہی تھا کہ اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ اپنے خیال سے ہٹ کر عمار کے خیال کو مان لیتے لیکن حاشیہ والی روایت میں ابن مسعود نے جواب یہ کہا کہ (باقی آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انہوں نے زمین میں لوٹ لگائی گویا بجائے پانی کے خاک دھول سے انہوں نے غسل کیا۔ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے نصیب پیش آیا تھا وہر ادا کیا، آنحضرت نے عمار سے کہا کہ زمین میں لوٹ لگانے کی ضرورت ذہنی صرف یہ کافی تھا یعنی اشارہ کر کے آپ نے بتا پاکہ وضو و تیمم جیسے کیا جائے پس ہی غسل کے لئے بھی کافی تھا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے عمار ہی کے خیال کی توثیق ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کا خیال اگر صحیح ہوتا تو چاہئے تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمار سے کہتے کہ تم نے جو تیمم کیا وہی غلط تھا ابو موسیٰ نے ابن مسعود کو کہی یاد دہلیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمار کے خیال کی توثیق کی تو اب غسل کا قائم مقام تیمم نہیں ہو سکتا اس خیال کی توثیق ہی کیا باقی رہتی ہے ابن مسعود نے ابو موسیٰ کے اس بیان کو سن کر کہا کہ اے محمدؐ تر عمار لہ نصیح بقول حضرت محمدؐ تم نے نہیں دیکھا کہ عمار کے قول پر حضرت عمرؓ کو اطمینان نہ ہوا،

امام دارقطنی

۱۸

(جناب مولانا ابوسلمہ شیفیع احمد ہنساری استاد مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۲)

کتاب معلول دارقطنی | علم حدیث کے انواع میں سب سے اجل و اشرف اور سخت و مشکل حدیث معلول کا علم ہے یہ وہ دادی غار زار ہے جس میں ہر شخص قدم نہیں رکھ سکتا، ہاں جن کو قدرت کی فیاضی نے بصیرت نامہ، فہم ناقب، حفظ واسع اور معرفت کاملہ سے نوازا ہے وہی اس پر کلام کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس پر کلام کرنے والوں کی تعداد بہت مختصر ہے جیسے ابن الجبار، امام احمد، امام بخاری، یعقوب بن ابی شیبہ، ابو حاتم، ابو زرہ، دارقطنی وغیرہم، طول مجالست کثرت مطالعہ، غیر معمولی یادداشت اور مسلسل مذاکرات سے قدرتی طور پر ایک ملکہ اور نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے سمجھ جاتے ہیں کہ اس حدیث میں علت ہے یا معلول ہے لیکن وہ پوچھتے تو کہہ نہیں سکتے جیسے جوہری کھوٹے سکے کو پرکھ لیتا ہے مگر وجہ نہیں بیان کر سکتا تو اب ابن ہدی کے یہ الہامی علم ہے ابو زرہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ حدیث کو معلول کس دلیل سے کہہ دیتے ہیں انھوں نے کہا میں دلیل کیا بتاؤں؟ تم ایک حدیث معلول کے متعلق نصیحت سوال کرو اور میں اس کی علت بیان کر دوں پھر ابن دارقطنی کے پاس جاؤ اور ان سے اسی حدیث کی معلولیت کا جواب معلوم کرو اس کے بعد ابو حاتم کے پاس جاؤ اور ان سے بھی دریافت کرو اگر قینوں جواب مختلف نہ ہوں تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ علم نظری نہیں بلکہ فیوض الہامی ہنر ہے سائل نے ایسا ہی کیا اور سب کا جواب ایک ہی پایا اس کے بعد انھوں نے اعتراف کیا کہ بے شک یہ علم الہامی ہے۔

لے مقدمہ ابن صلاح

محققین میں علی بن المدینی (م ۲۳۴) کی علل حدیث پر کتاب ہے جو اب تاجید ہے یہ ایک بہت مبسوط اور مفصل کتاب ہے حافظ ابن حجر اصالب میں لکھتے ہیں وقد بین علی بن المدینی اصرہا بیانا مشافیا فی کتابہ العلل محمد بن عبد اللہ بن عمار الموصلی م ۲۴۲ کی بھی رجال و علل پر ایک کتاب ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بڑی کتاب ہے یزید بن محمد لافدی کا بیان ہے کہ موصلی کو علل حدیث موجود حدیث کا فہم تھا۔

امام مسلم بن الحجاج صاحب الصحیح م ۲۶۱ نے بھی علل پر کتاب لکھی ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی کا خیال ہے کہ نقل ما یوجد لہ غلط فی العلل ہے

امام ترمذی م ۲۷۹ کی علل پر دو کتابیں ہیں ایک جامع ترمذی کے ساتھ آخر میں لگی ہوئی ہے اسے علل صغریٰ کہتے ہیں دوسری کتاب کا نام علل کبریٰ ہے متاخرین میں ابن رجب حنبلی م ۷۴۵ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کے متعلق علامہ کوثری کا بیان ہے کہ غریز العلل، جلیل الفوائد، حجم النقول الشارحة، المستغنی عنہ من یعنی بالعلل و مصطلح الحدیث تہ

عبد اللہ بن محمد البغوی م ۲۹۴ کی بھی علل ہے مگر اس کا حال کچھ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ ساجی م ۳۰۷ نے علل پر کتاب لکھی ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی کا بیان ہے کتاب جلیل فی علل الحدیث یدل علی شجرہ فی ہذا الفن

خلال بن داؤد م ۳۱۱ کی کتاب علل پر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کفی حدۃ مجلدات خلل امام احمد کے علم کے جامع اور مرتب و مولف ہیں اس نے یقیناً قابل قدر کتاب ہوگی۔ ابن ابی حاتم م ۳۲۰ کی کتاب نہایت اعلیٰ مگر مختصر ہے تقریباً بیس سو سال پہلے کے کافضل شیخ محمد نصیف رئیس جدہ کی بہت سے مصر میں شائع ہو چکی ہے مگر غلط کرنے کے علاوہ اس کی فہرست بھی نہیں دی گئی ہے جس سے پورا غامضہ حاصل کرنا مشکل ہے۔

انجام النیسابوری م ۳۶۵ نے بھی عل پر کتاب لکھی ہے جو اتنی جزر سے زیادہ پر مشتمل ہے

لیکن عل پر دارقطنی کی کتاب جو نیز لڑا کتاب ہے اس کے مقابلہ میں، نام کتاب میں سندوں سے زیادہ وقت نہیں رکھیں دارقطنی کی عل اس فن کی بہترین تصنیف ہے علامہ جعفی کا خیال ہے کہ عل میں سب سے اعلیٰ کتاب ابن مدینی ابن ابی حاتم اور خلل کی ہے مگر ان سب کی جامع عل دارقطنی ہے اس نے محدثین نے طالب حدیث کے آداب میں شمار کیا ہے کہ عل حدیث میں امام احمد و دارقطنی کی عل پر حاوی ہونا چاہئے تاکہ ضبط و اتقان پیدا ہو علامہ حمیدی الاندلسی م ۸۸۸ صاحب الجمع بین الصحیحین فرماتے ہیں کہ فن حدیث کے شاد کو تین فنوں میں بالخصوص ہمارت حاصل کرنا ضروری ہے عل و ذیات شہیر رجال و ضبط مختلف و مؤلف عل میں بہترین تالیف دارقطنی نے کی اور رجال و ضبط مختلف و مؤلف میں امیر ابن ماکولا قلیل ہے، کی کتاب اعلیٰ و اکمل ہے اور ذیات مشائخ میں، میں خود حدیثی ایک کتاب لکھنی چاہتا ہوں جس کے متعلق امیر ابن ماکولا نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ سنوار اور حروف معجم کے اعتبار سے ترتیب دلوں۔

لیکن انسوس کہ حمیدی بقول بعض اہل علم جمع بین الصحیحین میں ایسے مشنول ہوتے کہ مری کر لٹھے حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے امیر کے مشورہ کو قبول کر لیا ہے اور اسی ترتیب سے تاریخ الاسلام ترتیب دی ہے ادا اب یہ کتاب حیدر آباد میں چھپ چکی ہے۔

بہر حال دارقطنی عل حدیث میں نہایت بلند پایہ رکھتے ہیں ان کے ہم سر کوئی نظر نہیں آتا خود بھی کبھی کبھی حدیث کی علت بیان کرنے کے بعد حدیث نعمت کے جذبہ سے مسرور ہو کر فرماتے اگر اس وقت امام احمد بن حنبل ہوتے تو اس حدیث کی علت کے بارے میں اسنفاہ ابو الفضل بن طاہر کا بیان ہے کہ میں نے سعد بن علی الزجانی سے پوچھا کہ چار حفاظ حدیث

نہ ندیب تہ سند میں اختلاف ہے میں نے ایک اختیار کر لیا ہے اختلاف کی گنجائش ہے ابو سلمہ

ماصر میں ان میں سب سے زیادہ احتشاکوں میں سعد نے پوجا وہ کون چار میں؟ میں نے کہا ابوہریرہ، دارقطنی، مصر میں عبد اللہ بن ابی سہل، ابن مندہ، بنی ہاشم میں حاکم اس پر فضائل جو گئے میں نے اصرار کیا تو کہا اما الدار قطنی فاعلمہما بالعلل۔

دارقطنی اصل میں اسے طرق جمع کرتے ہیں کہ ان کے حافظہ اور وسعت علم پر حیرت ہوتی ہے حافظہ ہی کا بیان ہے واذا اخذت ان تین جراحۃ هذا لام فطاح العلل لفظ مذہش و بطول تعجب اور سچ تو یہ ہے کہ اس میدان کے شہسوار علی بن المدینی کے بقول جب تک سارے طرق جمع نہ کئے جائیں خطہ غلطی واضح نہیں ہو سکتی ہے۔

اس وقت جو نسخہ علی دارقطنی کلمہ ہے وہ برقانی کا نسخہ ہے دارقطنی اپنے خطہ سے اس کو کرائے تھے اور یہ جمع کرنے جانے تھے خطیب بغدادی نے برقانی سے پوچھا اہل کان ابو الحسن بن علی علیہ السلام من حفظ قل نعم وانا الذی جمعتهما وقرئھا الناس من نسختی علی دارقطنی کا نسخہ ہندوستان میں موجود ہے مگر کچھ ناقص ہے، ابھی پورا نسخہ بریلی میں اس کی تین جلدیں ہیں، ثانی، ثالث، فاس، ثانی کا نسخہ قدیم ہے سنکنا بت تقریباً ۸۰۰ ہے خط نسخہ ہے ۳۲۰ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں، جز ثانی کا سنکنا بت تقریباً ۱۲۰۰ ہے خط نسخہ ہے اس میں ۱۲۰۰ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۲۲ سطریں ہیں۔ جز فاس کا سنکنا بت تقریباً ۱۲۰۰ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۲۲ سطریں ہیں۔ انگریزی فہرست مطبوعہ ۱۹۱۳ء مرتبہ مولوی عبد الحمید صاحب مرحوم میں ہے کہ اس کا نسخہ کسی فہرست میں نہیں ہے مگر مجھے اس کے تسلیم کرنے میں تامل ہے، علاوہ ان میں علی کا نسخہ سندھ اور حیدرآباد میں موجود ہے اور ہندوستان سے باہر بھی۔

تأخرین اجازت دیں کہ نوہ پیش کروں۔

در محل عن حدیث مروی عن عائشة استفتت ام حبیبۃ بنت حبش رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فی الامتناع فقال یروہ اللیث بن سعد وشیعان

عبد اللہ بن عمر

بن كثير ومحمد بن اسحق عن الزهرى عن عروة عن عائشة وخالفهم ابراهيم
بن سعيد وسفيان بن عيينة ومحمّد بن راشد فرجوة عن الزهرى عن عمر
عن عائشة واختلف عن يونس بن يزيد خرواه شبيب بن سعد عن يونس
عن الزهرى عن عروة عن عائشة وعن الزهرى عن خيرة عن عائشة وعن
ام حبيبة، وقال الليث بن سعد عن الزهرى عن عبيدة عن ام حبيبة ولم
يذكر عائشة واختلف عن ابن ابي ذئب فرجوة ابو داود الاطياشى عن ابن
ابي ذئب عن الزهرى عن عائشة وقال ابن زينب بنت جحش استقيضت
ووهبهم في قوله زينب، وخالفه معن بن عيسى ويحيى بن عمار وخالد بن
الوليد فرجوة عن ابن ابي ذئب عن الزهرى عن عروة وعن عمة عن عائشة
وقالوا فيه ان ام حبيبة بنت جحش وكذلك رواه النعمان ابن المنذر والبرجد
خص بن غيلان عن الزهرى عن عروة وعن عمة عن عائشة واختلف عن
فرجوة محمد بن كثير ومحمد بن يوسف العرابى عن الادريسي عن الزهرى
عن عروة عن عائشة وخالفهم الوليد بن مسلم ويحيى بن عبد الله الطيالسي
وخالد بن بزير وهشام بن زياد واختلف عند الهيثم بن حميد فرجوة عن
الادريسي عن الزهرى عن عروة وعسرة عن عائشة وقيل عن الادريسي
عن الزهرى عن عائشة ورواه معاوية بن يحيى الصدفي
عن الزهرى عن عروة عن ام حبيبة ولم يذكر عائشة بمناجاة الليث عن
يونس ورواه ابراهيم بن نافع وجعفر بن برقان عن الزهرى مرسل عن النبي
صلى الله عليه وسلم ورواه محمد بن عمر بن حنيفة هذا الحديث عن الزهرى
عن عروة عن ناطقة بنت ابى حنيفة رأتى فيه بلفظ اعرب به وهو قوله ان
دم الحبيص دم اسود ليرق ورواه سهل بن ابي صالح عن الزهرى عن عروة
عن اسماء بنت عيسى انها استقيضت وروى هذا الحديث عن ابي حنيفة

عن عروۃ عن عائشہ وکذا لک سادی عن قتادۃ عن عروۃ عن عائشہ ورواہ
ابو بکر بن عمر بن عن عائشہ وقل ابراہیم الخزاز فی هذا الحدیث
ان الصحیح منہ قول من قل ام حبیب بلا ہاء وان اسمها حبیبة بنت حبش وھی
اخت حبیبة بنت حبش وان من قال فیہ ام حبیبة بنت حبش ادراہب نقد
وہم، والحدیث صحیح من حدیث الزہری عن عروۃ ورواہ حبیب عن ثعلبہ
ان ام حبیبة قل الشیخ وقول ابراہیم الخزاز حدیث صحیح وکان من اعلی الناس
بہذا الشأن:

کنہیات التبع اتمام اللہ کے بعد صحیح بخاری کے ساتھ مطالعے امت نے جس قدر اقتضائے
وجہیں اور تشریح و توضیح سے کام لیا اتنی کسی دوسری کتاب کی خدمت نہیں کی گئی اس
کے ہر پہلو پر باب علم و بصیرت نے دشمنی ڈالی ہے بالغوی نے نفی سے بحث کی ہے
تو نوی نے اعراب پر خامہ فرسائی کی ہے کسی نے ترجمہ اور استنباط مسائل کو عنوان بحث بنایا
تو کسی نے اسماء و ارجاں کو موضوع بحث قرار دیا۔ علامہ علی صاحب کشف الظنون نے تقریباً
۸۷ شرحوں کا نام شمار کر دیا ہے۔

غرض کہ بخاری شریف کے ہر ہر حرف و نقطہ پر بحث کی گئی ہے اور اس کا کوئی گوشہ نشد
نہیں چھوڑا گیا ہے ان میں سے بعض علماء ربانین اسے بھی گزرے جنہوں نے بخاری کے
ادام و محل کو موضوع منتخب کر کے اس میں زبردست حصہ لیا چنانچہ ابو سعید الدمشقی م ۴۱۰
نے صحیحین پر استدراک کیا اسی طرح ابو علی الخسائی البیہقی اپنی تصنیف تقبیلہ الحاصل فی
جزء العلل میں استدراک کیا ہے جو گفتار بیشتر راجع ہے علامہ ابن قیم م ۸۲۴ نے الایمان فیما
وقع فی الجفاری من الادب عام میں مسہد اوی سے بحث کی ہے ابو الفضل محمد بن ابی الحسن
الحافظ الامام م ۳۱۷ نے مروت مسلم شریف کی بحث سے کچھ زائد حدیثوں پر قیام کیا ہے اور اس
کے عل کو بیان کیا ہے، اس کا ایک جزو حافظہ ذہنی نے ملاحظہ کیا ہے، اسی موضوع پر حافظ بغداد
دارقطنی نے بھی دو رسا لکھے ہیں ایک کتاب الامات دوسرا کتاب الشیخ کتاب الامات

ان صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے جو بخاری و مسلم کے شرطوں پر ہیں لیکن صحیحین میں نہیں ہیں
 متبع میں نقد ہے اگل ایک سو دس حدیثیں صحیحین کی ہیں جو دارقطنی نے کلام کیا ہے ۳۲
 حدیثیں کو مستفیض علیہ ہیں اور ۷۰ حدیثیں ایسی ہیں جن میں بخاری منفرد ہیں، دارقطنی کے نقد کی
 نوعیت کیا ہے اور علامہ نے اسے کس نظر سے دیکھا؟ سنئے

نعم ان الدار قطنی متبع علی بخاری
 فی ازید من مائۃ موضع ولم
 یستطیع ان یشکر الا فی اربعین
 بالرجل والامر سال غیر موضع
 ولحد وهو اذ جاء احد کر
 والامام یخطب فلیصل کعبین
 ویقبور فیہما فانہ تکلم فیہ
 فیما یخلق بحال المتن ووجهہ
 ان الدار قطنی ہمیشہ علی القوا
 المحدثۃ عندہم فیما نزلہ من
 القوا عا و شات البخاری ارفع
 من ذلک فانہ ہمیشہ علی اجتہادہ
 وینظر الی خصوص المقام و شہادۃ
 الوجه ان اذ اقام القوا مد بغیر
 الممارس علی حد التدرید للقرآن
 فیما لہ رد بہ التدرید من الشارح

دارقطنی نے اگرچہ امام بخاری کا سو مجر سے زیادہ
 موقع پر نقاب کیا ہے مگر ان سب کا متن اسناد
 کے وصل و ارسال سے ہے لہذا کہ ایک حدیث
 کے متن پر بھی کلام کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے
 اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیصل
 رکعتین ویقبور فیہما۔ اس کی وجہ یہ ہے
 کہ دارقطنی ہمیشہ محدثین کے قواعد کو پیش نظر
 رکھتے ہیں اور اس کے مطابق کلام کرتے
 ہیں اور بخاری کی شان اس سے بہت زیادہ
 بلند و ارفع ہے وہ اپنی بصیرت و اجتہاد کو دلیل
 راہ بناتے ہیں اور قواعد نو و عوام کی خاطر غیر محدود کو
 محدود کرنے کہتے ہیں اور بخاری و مسلم کا مرتبہ
 ان سب سے اونچا ہے اگرچہ ان دونوں میں تنوع
 یا اختلاف ہے

وہما اھل من الکل لجد

اختلاف بسیر بنجھا

امام بخاری پر وار قطنی وغیرہ نے بے شک اعتراضات کئے ہیں لیکن وہ اعتراضات صحت و فضل و کمال کی تلاش کے لئے محض اصطلاحی اور عقلی (کنیکل) ہیں واقعی نہیں ہیں اس لئے وہ اعتراضات طلبہ کے نزدیک ناقابلِ قبول نہیں رہے اور ابن حجر نے مقدمہ میں ان میں سے ایک ایک اعتراض کو رد کر دیا ہے (مضامین سید سلیمان ندوی حصہ اول)

پھر یہی اس نقد کا اثر بخاری پر پڑا کہ یہ محدثین موقوفہ الصحتہ نہ رہیں، صحیحین کی صحت حدیثوں سے علم فقہی نظری حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے لیکن اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ یہ موقوفہ بالصحۃ ہیں اس لئے اس سے علم فقہی نظری حاصل ہوتا ہے اور یہی قول راجح ہے مگر اس میں سے ان چند احادیث کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جن پر بعض اہل نقد جیسے وار قطنی وغیرہ نے کلام کیا ہے کہ یہ صحیح جہور نے نفی بالقبول نہ کی تو موقوفہ بالصحۃ ہو۔

ابن صلاح گفتم علم فقہی نظری واقع	ابن الصلاح نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں جنی
است یا صحیح سند کردہ انداز را این	سند حدیثیں ہیں اس سے علم فقہی نظری حاصل
ہر دو ہندگ بخاری و مسلم، زیرا کہ	ہوتا ہے اس لئے کہ مصمم (راجعاً) غلطی
ظن مصمم خطائی کند و سبقتہ الی	ہو نہیں سکتی اور ان سے پہلے بھی محدثین طاہر مقدس
ذلت محمد بن طاہر المقدسی و ابو نصر	اور ابو نصر عبد الرحیم اسی کے قائل تھے اور یہی کہنا کثیر
عبد الرحیم بن عبد الحلق بن یوسف	کا شمار ہے اور علامہ ابن نجیم نے اہل حدیث و
واختارہ ابن شیر و حکامہ ابن تیمیہ عن	سلف اور بہت سے خواجہ صالح اور اصحاب کا
اہل الحدیث و السلف و الجماعۃ	یہ مسلک نقل کیا ہے لیکن نووی نے کہا ہے کہ ابن
الکثیرۃ من الشافعیہ والحنابلۃ و شافعیہ	کے اس اصول سے محققین اور اکثر علماء نے اختلاف
و الخنفیہ وغیرہم۔ نووی گفتم محققین	کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ غیر متراز حدیث سے ظن ہی

نہ فیض المبارک چہ امین

حاصل ہوتا ہے اور اس قول کی نسبت محققین میں سے زین الدین کی طرف کی ہے۔

لیکن نووی کا کہنا ہے کہ ابن صلاح نے من چند احادیث کو مستثنیٰ کر دیا ہے جس پر بعض اہل نقد جیسے دارقطنی نے کلام کیا ہے۔

تمام حدیثوں کے مجمع ہونے کی بنا پر ابن صلاح نے بخاری و مسلم کے تلقی بالقبول پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے لیکن بعض حدیثیں ایسی ہیں جن کی صحت میں اختلاف ہے اس لئے ابن صلاح نے ان چند احادیث کو جس پر دارقطنی اور ان جیسے کسی محدث مانظ نے کلام کیا ہے مستثنیٰ کیا ہے کچھ نواس کے تلقی بالقبول پر اجماع نہ ہو سکا انتہی اور یہ استثناء بہت خوب ہے۔

و اکثر علماء خلاف کردہ انداز بن الصلاح را و گفته اند کہ لغادہ می کند ظن را چیرے کو متواتر شدہ است و حکایت کرد این را زین الدین از محققین و گفت نووی و مستثنیٰ کردہ است ابن الصلاح حصے چند را کہ تکلم کردند بر آن بعض اہل نقد سمجھو دارقطنیؒ۔

وہی ما اذ جاء ابو عمرو بن الصلاح و خبره من الاجماع علی تلقی هذا الكتاب بالقبول و التسليم لصحة جميع ما فيه و ان هذا المواضع متنازع فی صحتهما فلم يحصل لهما من التلقی ما حصل لمعظم الكتاب و قد اقرض لذلك ابن الصلاح فی قوله الا مواضع یسيرة انتقدھا الدار قطنی و غیرہ و قال فی مقدمۃ شرح مسلم له ما اخذ علیہما یعنی علی البخاری و مسلم و قد جرح فیہ اعتماد فی الحفاظ هو مستثنیٰ مما ذکرنا و لعدم الاجماع علی

لے تک انجام شرح بدیع الزمزم

تلقیہ بالقبول انتقی وهو احتراز
حسن

ومن فوائد هذا القول بان ملحق
به البخاری ومسلم منذ راج
فی قبل ما يقطع لصحته لتنفی
الامة كل واحد من كتابيهما
بالقبول على الوجه الذي فصلناه
من هاهنا فيما سبق سوى حرف
يسيرة تكلم عليهما بعض اهل الفقد
من الحفاظ كالدارقطني وغيره
وهي معروفة عند اهل هذا
الشان والله اعلم

پر حال صحیح بخاری پر دارقطنی کے اعتراضات اور علامہ ابن حجر عسقلانی کے مقدمہ فتح الباری
میں ملاحظہ کیا جائے یہاں بخوف طوالت اس کا خلاصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔
کتاب الالتزامات والتمتع للدارقطنی ثانیاب نقی بعض اہل علم کو تو اسی میں تردد ہے کہ
اس کتاب کا دنیا میں وجود ہے بھی یا نہیں؟ مکتبہ علم وحکمت بہار شریف میں اس کا ایک
جدید المخط نسخہ ہے اور اس پر کام ہو رہا ہے۔

کتاب الضعفاء علم حدیث کے شعبوں میں ایک نہایت اہم شعبہ نقات وضعفاء کی معرفت ہے
کیونکہ صحیح وضعیف حدیث کا امتیاز اسی علم پر منحصر ہے یوں توجیح و تعدیل پر کلام کرنے والوں
کی تعداد شمار سے باہر ہے ابن عدی م ۳۶۵ نے صحابہ سے لے کر اپنے زمانہ تک ایک سو چھ

کا نام اپنی کتاب بالکامل میں شمار کیا ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ فی حقیقت اس پر سب سے پہلے کلام کرنے والے شعبہ بن الحجاج اعلیٰ ہیں پھر اس کے بعد جرح و تعدیل پر کتابیں تصنیف ہونے لگیں اور ادویہ کے احوال مرتب ہونے لگے دوسری صدی ہجری میں جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن سعید القطان م ۱۹۸ اور عبد الرحمن بن ہمدی م ۱۹۱ تھے ان دونوں کی جلالتِ شان کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جس راوی کے مجروح و نقد ہونے پر دونوں متفق ہوں اس کا مجروح و نقد ہونا مسلم اور قطعی سمجھا جاتا اور اگر باغرض کسی راوی کے متعلق ان دونوں کی رائے میں اختلاف ہو جاتا تو پھر دوسرے ذرائع سے کسی ایک کو ترجیح دی جاتی ہے اس کے بعد یحییٰ بن معین م ۲۴۳ اور احمد بن حنبل م ۲۴۱ اور علی بن المدینی م ۲۴۲ اور ان کے تلامذہ یحییٰ بن معین نے توانا اِعتناء کیا کہ ان کے خلاف دیگر لوگوں کی زبانیں کھلیں اور ان کو مطعون کرنے لگے یہاں تک کہ یحییٰ بن حماد خلع مغربی نے یحییٰ بن معین اور علم حدیث پر قریض کی کہتا ہے

اسی الخیر فی الدنیا بقل کثیرہ	دنیا میں ہر قسم کے خبریں کی جو رہی ہے لیکن حدیث
و یقص نقصا و الحدیث بزیل	میں زیادتی جو رہی ہے۔
فلو کان خیرا کان الخیر کلہ	اگر حدیث امور خیر میں سے ہے تو پھر ساری خیرات
ولکن شیطان الحدیث مہل	کو خیر ہونا چاہئے لیکن دانہ یہ ہے کہ حدیث کا
	شیطان سرکش ہے۔

و ان یث حقا فی المحکو غیبہ	اگر جرح و تعدیل، حتیٰ ہے تو پھر غیب کے حکم
و ان یث نزول فالتقصا من شہید	میں ہے اور اگر مجھوٹ ہے تو آیت قصاص کافی ہے

حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین نے ایک طویل قصیدہ میں اس گستاخ شاعر کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں

لے مفتاح السنۃ

الحی ابطال قولك قاصد
ولی من شہود البصوح جود
ہیں تہا ری بانوں کا مدکرنا چاہتا ہوں اور میرے
پاس کافی دلائل ہیں۔

اذا لم یکن خیرا کلام نبینا
لدا یف فان الخیر منک بعید
اگر تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو
خیر نہیں سمجھتے تو بھر خیر تم سے بہت دور ہے
آگے چل کر ابن معین کے حق میں کہتے ہیں۔

وما هو الا واحد من جملة
فلهم فبالحکام شہود
اور ابن معین تو اس جماعت کے ایسے فرد
ہیں کہ ان کا قول قوم کے لئے اسوہ و دلیل ہے

محمد بن معین کے علاوہ میں عباس بن محمد ۲۷۱ اور ابو اسحاق ابراہیم الجعفی ۳۸۰
کی رجال پر کتابیں ہیں اولی الذکر کے متعلق تو حافظ ذہبی کا خیال ہے جلد کبیرین نافع ضعیفی عن
بعض بہذا الشان پھر اس فن پر مستقل تصانیف جوئے لگیں اور ارباب تصنیف کے موجد
کے خصوص و عموم کے لحاظ سے مختلف طریقے رہے کسی نے صرف ثقات یا ضغفار یا مدلسین
پر کتابیں لکھیں اور کسی نے ان میں نیکو صنفوں کو اپنی کتاب کا موضوع قرار دیا پھر بعض نے صرف
کسی خاص کتاب کے رجال پر اور کسی نے عام رجال پر عامہ فرسائی کی اس سلسلہ میں چند
کتابوں کے نام درج کرتا ہوں۔

وہ کتابیں جو جامع بین الثقات و الضغفار ہیں۔

طبقات ابن سعد الصبری م ۲۲۰ اس میں صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے اسامہ ہیں
نام تصانیف میں سب سے زیادہ اہم و اعظم ہے علاوہ سیوطی نے اس کا اختصار بھی کیا ہے
ادب بخاری م ۲۵۱ یہ تین ہمارے ہیں کبیر۔ صغیر۔ و وسط۔ کبیر کی ترتیب حروف بحکم ہے اور ابجد
حرف حسب سے چنے ہو کر لیا ہے اور وسط سنن پر ہے تاریخ بخاری صحیح بخاری ہے جسے کہا
جاتا ہے کہ وہ اوسط ہے مگر مجھے اس کے تسلیم میں تردد ہے مسل بن قاسم کی تاریخ کبیر بڑی
ہے علی بن الدینی م ۲۳۰ کی تاریخ مسلم کی رداۃ الاعتبار اور نسائی کی التمیز اسی قبیل سے ہے

وہ کتابیں جن میں ضعفہ کا ذکر آتا ہے۔

کتاب الضعفہ للنہاری الضعفاء والمترکین للنسائی ابو الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی
 م ۵۹۷ کی کتاب الضعفہ جو ضخیم ہے حافظ ذہبی نے اس پر ذیل لکھا ہے اور مختصر بھی کیا ہے حافظ
 مغلطائی م ۷۲ نے بھی جوزی کی کتاب الضعفہ پر ذیل لکھا ہے۔ عقیلی م ۳۲۲ کی کتاب الضعفہ
 الکبیر ہے جس کا شمار اصول ادراہات کتب میں ہے اس کتاب کو راقم الحروف نے دیکھا ہے
 اس فن کی دوسری اہم کتاب الکامل لابن عدی م ۳۶۵ ہے علامہ کا خیال ہے کہ دھواکمل لکتاب
 فی ذلک واجلہما وعلیہ اعتماد الائمۃ لیکن اس کتاب میں ہر اس شخص کو داخل کر دیا ہے
 جس پر کلام کیا گیا ہے اگرچہ فی نفسہ فقہ ہواور ذہبی نے اسی کی اتباع میں ان الاعتدال میں کی ہے
 مگر حافظ ذہبی نے صحابہ اور ائمہ من کو نہیں لیا ہے انہیں عدی کی الکامل پر ابن الرومیہ م ۷۳۷
 نے ذیل لکھا ہے اور میزان الاعتدال پر علامہ عراقی نے منعم ذیل لکھا ہے دارقطنی سے ان کے
 شاگرد حمزہ السہمی نے جب یہ کہا کہ ضعفہ پر تصنیف کیجئے تو دارقطنی نے کہا یہ کفایت لایزاد علیہ
 یہ معلوم کیا اسباب پیش آئے کہ دارقطنی نے کتاب الضعفہ لکھی چونکہ ابن عدی کی کامل اور
 عقیلی کی کتاب الضعفہ الکبیر نظر سے گزرتی تھی اس لئے ضرور اضافہ کیا ہوگا اور اپنے موضوع
 پر حاح ہوگی حافظ ذہبی کہتے ہیں قال الدارقطنی فی الضعفاء (مواہی الباعثی م ۳۱۲)
 مدلس مغلطاسمع من بعض اصحابہ عن شیخہ تریستہ کہ ضعفہ دھواکثیر الخطاء اس
 سے معلوم ہوتا ہے کہ مفصل دسین ہے اس وقت جتنی رجال پر کتابیں موجود ہیں تقریباً ہر ہر
 راوی پر جرحاً و تعدیلاً ان شاء اللہ تعالیٰ دارقطنی کا کلام ضرور ملے گا۔

امام بغدادی دارقطنی [لیکن ان کی شخصیت مسلم ہونے کے باوجود بہتر مقامات میں ان کا قدم جاوہ
 حق سے ڈگمگا گیا ہے اور ایسی ایسی مسلم برگزیدہ ہستیوں کو اپنے ہدف جرح کا نشانہ بنایا ہے
 کہ جبرت ہوتی ہے اور یہی دل چاہتا ہے کہ کاش آنکھیں ایسا نہ دیکھتی مدبہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ

۱۵۰ م جیسی تقدیر مقدس، مسنی تک پر جرح کر ڈالی ہے اور ان کو ضعیف کہہ دیا ہے العجب العجیب
 نلوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں
 کتاب الضعفاء کا تو مال الگ بہا سخن میں امتا زور لگایا ہے کہ معلوم ہوتا ہے بچہ بھارت کے چھپے
 پڑے ہوئے میں ایک جگہ فرمانے میں

(امام، ابو حنیفہ موسیٰ بن ابی عائشہ سے اور وہ

عبد اللہ بن شداد سے وہ حضرت جابرؓ سے

روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ مقتدی کے لئے امام کی قوفہ

کافی ہے۔

حدثنا علی بن عبد اللہ بن مبشر

حدثنا محمد بن حرب الواسطی ثنا

الاسمعی الا نزارق عن ابی حنیفہ

عن موسیٰ ابن ابی عائشہ

عن عبد اللہ بن شداد عن

جابر قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من

کان لہ امام فقرأۃ الامام

لقراءۃ، لم یسندہ عن موسیٰ

بن ابی عائشہ غیر ابی حنیفہ

والحسن بن عمارؓ وھما

ضعیفان

سری جگہ کہتے ہیں۔

اس حدیث کو موسیٰ بن ابی عائشہ سے سوا

(امام، ابو حنیفہ اور حسن بن عمارہ کے کسی اور

نے مسند نہیں کیا ہے اور وہ دونوں ضعیف ہیں

..... ابو حنیفہ خالد بن علقمہ سے وہ مجدد غیر سے

وہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں

نے وضو اس طرح کیا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو

تین بار دھویا۔ پھر کئی تین بار کی اور تک میں ہائی

حدثنا الحسن بن سعید بن

الحسن بن یوسف اللخدری

قال وجدت فی کتاب جلدی

یوسف اٹھاضی نا ابو حنیفہ

عن خالد بن علقمة عن عبد
خیر بن علی رضی اللہ عنہ انہ
توضا نفعل ید یہ تلتا ومضمض
واستنشق تلتا وغسل وجهہ
تلتا وذر اعیہ تلتا وسمہ براسہ
تلتا وغسل رجلیہ تلتا ثم قال
من احب ان ینظر الی وضوء
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کاملا فلینظر الی هذا، وقال
شعیب هكذا رایت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یوضأ
هكذا، رواه ابو خنیفة عن خالد
بن علقمة قال فیہ وسمہ براسہ
تلتا وخالفہ جماعة من الحفاظ
والثقات منهم زائدة ابن قدامة
وسہیان النورمی وشعبہ وابو
عوانة وشریک وابو الاسمہب
جعفر بن الحارث وھارون
بن مسدد وجعفر بن محمد و
حجاج بن اسامة وابان بن تغلب
وعلی بن صالح بن حبی وحازم

بن بارز و اس کے بعد اپنے چہرے اور دونوں
ہاتھوں کو تین تین بار دھویا پھر اپنے سر کا مسح
تین بار کیا۔ اور اپنے پاؤں کو تین بار دھویا۔ پھر
فرمایا کہ جو چاہتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے وضو رکاع کو دیکھے تو وہ ہمارے اس وضو
کو دیکھے اور شعیب نے کہا کہ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرنے دیکھا
اسی طرح امام، ابو حنیفہ نے خالد بن علقمة
سے اس کو روایت کیا ہے جس میں کہلے کہ
وسمہ براسہ تلتا (یعنی اپنے سر کا مسح تین بار
کیا، لیکن حفاظ و ثقات کی ایک جماعت نے امام
ابو حنیفہ کی اس روایت کی مخالفت کی ہے اسی
حفاظ میں سے زائد بن قدامة، نویری، شعبہ، ابوی
شریک، جعفر بن الحارث، بارز بن سعید جعفر
ابن محمد، حجاج بن اسامة، ابان بن تغلب، علی بن
صالح، حازم بن ابراہیم، حسن بن صالح اور جعفر
بن ابان میں سے ہر ایک نے خالد بن علقمة سے
روایت کرتے ہوئے وسمہ براسہ ذکر (یعنی
اپنے سر کا مسح ایک بار کیا، کہا ہے الایہ کہ حجاج
بن اسامة نے عہد خیر راوی کی جگہ عمر کا نام لیا ہے
مگر اس میں ان کو وہم ہوا۔ حالانکہ جعفر ابو حنیفہ کے

بن ابراہیم وحسن بن صالح
وجعفر الاحمر فرموا عن خالد
بن علقمة قال قالوا لہ وسلم
مررة الا ان جعلنا من منہم
جعل مکان عبد خیر عبد اذا
امر و ہم فیہ ولا نعلم لحد
منہم قال فی حدیثہ انه سمع
راسہ ثلثا غیر ابی حنیفہ و رفع
خلاف ابی حنیفہ فیما روى
لساؤن من روى هذا الحدیث
فقد خالف فی حکم السم فیما
روى عن علی عن النبی صلی
اللہ علیہ وسلم قال ان السنۃ
فی الوضوء سمی الراس و لا یحد

کوئی نیک بھی ایسا راوی نہیں ہے جنہوں نے اپنی
حدیث میں مسیح راسہ ثلثا کہا ہو مگر عجیب بات
ہے کہ اگرچہ ابو حنیفہ نے تمام راویوں کے خلاف
روایت کی ہے لیکن اس کے باوجود خود اپنی روایت
کردہ حدیث کے خلاف مسیح علی الراس بالمرۃ
ہی کی نسبت کے قائل ہیں۔

خیر دارقطنی نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جو کچھ جرح کی ہے اس کا جواب تو شرح ہدایہ
للعلینی بحث فرماؤ خلف الامام وغیرہ میں ملاحظہ کیجئے مگر یہاں ایک اصولی چیز پیش کی جاتی
ہے کہ اگرچہ وہ طویل ہے مگر تمام و کمال نقل کرنے پر میں مجبور ہوں و لئلا نس فیما یعشقون هذا
(باقی آئندہ)

مغرب پر مسلمانوں کے احسان

(پروفیسر فلیپ، کے، جی کی کتاب، دی عربس، کے ایک باب کا ترجمہ)

(مترجم پروفیسر مبارک الدین صاحب رفعت، لکچرر عثمانیہ کالج اورنگ آباد)

مسلم اسپن کے ایک کالج کے باب الداخلہ پر جو کتبہ نصب ہے، اس میں یہ مقبول مقولہ درج ہے ”دنیا کا مدار چار چیزوں پر ہے۔ عالموں کا علم، اکابر کا عدل، عابدوں کا تقویٰ اور جو افراد کی شجاعت،

یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ اس یورپی تحریر میں اسلامی تصورات پیش کئے گئے ہیں ان میں علم و دانش ہی کو پہلا مقام دیا گیا ہے اس میں کھینک نہیں کہ عربی فوجوں نے مغربی دنیا پر اپنی مردانگی کا نہایت گہرا نقش بٹھایا تھا لیکن یہ نقش دیرپا ثابت نہیں ہوا اگرچہ عربوں کا دین یورپی تخیل کو پوری طرح سحر نہ کر سکا، اور عربوں کا تصویر عدل یہاں کم ہی کامیاب رہا، لیکن اسلامی علم و ادب نے مغربی فکر میں مختلف نقاط سے راہ پائی۔ قرون وسطیٰ کے یورپ کے ذہنی ارتقا کی تاریخ میں مسلم اسپن نے ایک نہایت ہی درخشاں باب کا اضافہ کیا ہے اس سے پہلے ہم دیکھ چکے ہیں کہ آٹھویں صدی عیسوی کے وسط اور تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز کے درمیانی زمانے میں عربی بولنے والے ہی ساری دنیا میں تہذیب و تمدن کے مشعل بردار بنے ہوئے تھے۔ عربی زبان ہی وہ واسطہ تھی جس کے ذریعہ قدیم سائنس اور فلسفہ کی نیا ہوتی ان میں اصلانے ہوئے، ان کی اشاعت ہوئی اور ان سے مغربی یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا۔ مسلم اسپن کا سب سے زبردست اور حید عالم اور بدیع منکر علی ابن حزم گنڈا ہے یہ شخصہ میں پیدا ہوا اور اندلس میں فوت ہوا۔ علی ابن حزم کا شمار ایسے دو تین اسلامی مصنفین

میں جو پہلے جن کا ذہن نہایت شاداب اور جن کی تصانیف بے شمار ہیں۔ سوانح نگاروں نے تاریخ، فقہ، حدیث، منطق، شاعری اور متعلقہ موضوعات کی کوئی چار سو کتابیں اس سے منسوب کی ہیں اس کی بانی ماندہ تصانیف میں سب سے گراں قدر تصنیف وہ ہے جس نے ابن خزم کو نقالی دین کے پہلے عالم ہونے کا اعزاز بخشا ہے اس کتاب میں ابن خزم نے فوریت اور انجیل کی داستانوں کے الجھادے دکھائے ہیں اندیہ الجھادے ایسے تھے کہ سولہویں صدی میں منوی تنقید کے پیدا ہونے تک کسی اورد کا ذہن ان کی طرف منتقل نہ ہو سکا تھا۔

سترھویں صدی کے دوران میں مغربی یورپ کی نثر میں جو فرضی قصے کہانیاں اور انجیلی نمائیں رائج رہیں ان میں اور ابتدائی عربی قصوں میں بڑی واضح مشابہتیں پائی جاتی ہیں اور یہ عربی قصے خود بھی ہندو ایرانی قصوں سے لئے گئے تھے۔ کلید و دمنہ کے چمکھٹ قصوں کا ترجمہ فشتالیہ اور لیون کے بادشاہ اٹھاسو وانا (۱۲۵۰ء - ۱۲۸۲ء) کے لئے اسپینی زبان میں کیا گیا تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد ایک نو نصرانی یہودی نے ان قصوں کو وطنی زبان میں منتقل کیا تھا ان قصوں کا فارسی سے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ اس ترجمہ سے فرانسیسی نے استفادہ کیا ہے جس کا خود اس شاعر نے اعتراف کیا ہے ”مقامہ“ مسیح و مقفیٰ نثر میں لکھا جاتا ہے اس میں ہر قسم کی انسانی ندرتوں سے کام لیا جاتا ہے اس سے مقصود ایک سورنا سوار کی ہموں کی داستان کے ذریعہ اخلاقی سبق دینا ہوتا ہے۔ اسپینی زبان کے ایسے ناول جن میں ڈگورڈ اور بد معاشوں کے کردار پیش کئے گئے ہیں ان میں اور مقامہ میں مغربی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یورپی ادب پر عربی زبان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنی طرز و انشاء کا جو اثر ڈالا ہے اسی کی بدولت مغربی تخیل کو سخت ترین ذہنی بندشوں سے رہائی نصیب ہوئی جن میں وہ روایات کے ہاتھوں گرفتار تھا اسپینی ادب کے اعلیٰ مزاج میں عربی نثر کی جھلک صاف نظر آتی ہے چنانچہ سروانتس کی کتاب ڈین کو یک زاٹ کی طرافت اور بد معاشی میں بھی یہی رنگ دکھائی دیتا ہے اس کتاب کا مصنف ایک ہارالجیریا میں گرفتار ہو گیا تھا اور

اس نے اذریہ مزاج یہ مشہور کر دیا تھا کہ اس کتاب کی اصل عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔
عربی زبان جہاں کہیں اور جب کبھی استعمال کی گئی وہاں شعر گوئی کا مذاق بڑے زور و شور
کے ساتھ فروغ پاتا رہا ہے کتنی ماہنامہ ایک سے دوسرے تک ذیلی منتقل ہوتے اور اعلیٰ و ذیلی
ہر ایک سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے الفاظ کے حسن و قبح سے محفوظ ہوتا عربی بولنے والی
قوموں کی خاص خصوصیت ہے اور اس خصوصیت نے اسپین میں بھی اپنے جلو سے دکھانے
میں اندلس کا پہلا اموی حکمران اور اس کے بہت سے جانشین شاعر بن گئے اکثر حکمرانوں نے اپنے
اپنے درباروں میں ملک الشعراء مقرر کر رکھے تھے۔ انھیں وہ سیر و مساحت اور دزد و بزم میں پیشہ
اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اسبیلیہ کو اس پر غرہ تھا کہ یہاں کے اعلیٰ درجے کے شاعروں کی کتنی دوسری
تمام شہروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تھی ایک عرصہ سے غرہ میں بھی مذاق شعری شمع شہر
جو کئی تھی بعد میں بھی شمع غرہ میں اس وقت تک ضیا پاشی کرتی رہی جب تک کہ یہ شہر اسلام
کی پناہ گاہ بنارہا۔

ابن زیدون (متوفی ۱۱۷۷ء) ایک اور بڑا اور مشہور شاعر ہوا ہے۔ اس کا تعلق ملک
عرب گمرانے سے تھا ابتدا میں یہ قرطبہ کی چند سوری (Oliana) حکومت کے عہد کا
معتد تھا اس کے بعد ملقباً فلیط مستکنی کی شاعرہ بیٹھی الوالدہ سے بے محابا عاشقی کی پاداش
میں اپنے عہد سے معزول کیا گیا۔ پھر کئی سال تک قید اور جلا وطنی کے بعد وزیر اعظم محمد بن
الحکم ہرے عہد پر فائز ہوا، اور خود الوزارین، یعنی وزیر سبقت اور وزیر ظلم کے خطاب سے
بھی معزز ہوا۔ حسین و جلیل اور فاضل الوالدہ نے متوفی ۱۱۷۷ء میں وفات پائی۔ اس کے ذاتی
حسن و جمال اور ادبی قابلیت کی بڑی شہرت تھی، اس طرح وہ گویا اسپین کی سنجو تھی۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ اسپین کی عرب عورتوں میں اویب اور شاعری کا خاص ذوق اور خاص فطری
تلقین میں لایا جاتا تھا۔

اسپین کی عربی شاعری نے عربیائی جڑ بند یوں سے ایک جھٹک لایا اور کئی بحر برد

نئی طرز میں ایجاد کیں اور حسنِ فطرت کا تقریباً وہی ادراک حاصل کیا جو جدید شاعری میں پایا جاتا ہے۔ یہ شاعری اپنی چھوٹی چھوٹی رزمیہ نظموں اور عشقیہ غزلوں کے ذریعہ ان روحانی احساسات کا اظہار کرنے لگی جن میں قرونِ وسطیٰ کے سپاہیانہ نظام کے جلوے نہاں تھے۔ نقد و موسیقی نے ہر جگہ شاعری کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑا اور اسے استوار رکھا ہے۔

عام طور پر عربی شاعری اور خاص کر اس کی وہ صنف جو غزل کہلاتی ہے ویسی نصرانیوں کو بہت بھاگتی تھی جن عوامل نے نصرانیوں کو عربی ادب کو اپنانے پر ابھارا ان میں سب سے زیادہ طاقتور عامل یہی غزل کی شاعری تھی عربی تفریحی شاعری کی دو طرزوں کو مشابہت کی مقبول عام طرز *Volcanic* کی صورت میں فردغ حاصل ہوا یہ طرز نصرانی لکھنوں اور میلادیسج کی نظموں میں بہت زیادہ استعمال کی جاتی تھی۔

آٹھویں صدی ہی میں اسپینی زبان میں افلاطونی محبت کی جو باقاعدہ تحریک شروع ہوئی تھی اس پر عربی شاعری کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ گیارہویں صدی کے آخر میں جنوبی فرانس کے اولین پراونس (Provençal) شعرا عشق و محبت کی شعرا سامانیوں کو عجیب و غریب پُرہیز تخیل کے سانچوں میں ڈھالتے بڑے زور شور کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے غزل گو شاعر جنہیں بارہویں صدی میں فردغ حاصل ہوا تھا اپنے ”جنوبی غزل سرا“ (Zajal Singers) معاصروں ہی کے سپرد تھے۔ عربی مثالوں کو ہی اپنے سامنے رکھ کر جنوبی یورپ میں ’مسک ظرافت‘ (cult of Dame) ایک بیک نمودار ہوا۔ ابتدائی یورپی ادب کی سب سے بڑی یادگار ’جان سن ڈی رولینڈ‘ (Chanson de Roland) جو سنہ ۱۱۰۰ء میں لکھی گئی جس طرح ہومر کی نظموں سے تاریخی یونان کے آغاز کا پتہ چلتا ہے، بالکل اسی طرح جان سن ڈی رولینڈ سے بھی ایک نئے تمدن یعنی مغربی یورپ کے تمدن کے آغاز کے آثار و علامات کا سراغ ملتا ہے یہ کتاب اپنی تخلیق کے لحاظ سے ایک ایسے فوجی رابط کی رہنِ منت ہے جو اہل یورپ نے اس زمانہ میں اسلامی

اسپین سے قائم کیا تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں، اسپین میں ابتدائی کیمیت عام تھی اور تمام اسلامی ملکوں کی طرح اس کی بنیاد قرآن پڑھنے اور عربی صرف و نحو اور شاعری کے مطالعہ پر رکھی گئی تھی۔ علیٰ دنیا میں عورتوں کے مراتب ثابت کرتے ہیں کہ اندلس میں ان مقولوں پر کم ہی عمل کیا جاتا تھا جن میں عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کی ممانعت آتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کی اساس و مینات، صرف و نحو، شاعری، لغت، تاریخ اور جغرافیہ تھی۔ کئی بڑے بڑے شہروں میں ایسی درسگاہیں تھیں جنہیں جامعات کہا جاسکتا ہے ان میں قرطبہ، اشبیلیہ، مالقہ اور غرناطہ کی جامعات بہت ہی بلند پایہ تھیں جامعہ قرطبہ میں فقہ اور قانون کے سوا اہلیت، ریاضیات اور طب کے شعبے بھی قائم کئے گئے تھے۔ اس جامعہ میں ہزاروں طالب علم شریک ہوتے تھے اور یہاں کی سندیں ملک کے سب سے زیادہ بیش قیمت قرار عہدوں کی ضمانت سمجھی جاتی تھیں۔ جامعہ قرطبہ کا نصاب تعلیم فقہ، اصول قانون، طب، کیمیا، فلسفہ اور سہیت کے مضامین پر عادی تھا۔ قشتالیہ اور دوسرے ملکوں کے طالب علم اس ادارہ کے بڑے دلدادہ تھے۔

جامعات کے ساتھ ساتھ کتب خانوں کو بھی فروغ حاصل ہوتا گیا۔ قرطبہ کا شاہی کتب خانہ دست کے لحاظ سے بہت بڑا اور علمی ذخیرے کے اعتبار سے سب سے بہتر کتب خانہ تھا۔ بہت سے لوگوں کے پاس جن میں کچھ عورتیں بھی شامل ہیں اپنے خانگی کتب خانے بھی ہوتے تھے۔ سیاسی مجلسیں اور نامک گھروں میں ان کی زندگی کی نمایاں خصوصیات تھیں اسلامی زندگی میں ان چیزوں کو کوئی مقام حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے اسلامی زندگی نے کنٹرول ہی کو حصول علم کا تہا ذریعہ بنادیا تھا۔

جیسا کہ ہم ابتدا کی سیر میں دیکھ چکے ہیں، وہاں کاغذ کی صنعت کافی فروغ پا چکی تھی اسلام نے یورپ پر جو بڑے بڑے احسان کئے ہیں ان میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں ہی نے یورپ کو کاغذ سازی کے فن سے آشنا کرایا۔ اندلس میں بھی مقامی طور

پر کاغذ تیار کیا جاتا تھا اور اسی کی بدولت یہاں بڑی تعداد میں کتابیں جمع ہو گئی تھیں۔ ورنہ کاغذ کی صنعت کے بغیر یہ کبھی ممکن نہ ہوتا۔ مراکش نے کاغذ کی صنعت مشرق سے سکیمی اور بارہویں صدی کے وسط میں یہ صنعت مراکش سے اسپین منتقل ہوئی۔ انگریزی زبان میں اس تاریخی حقیقت کی ایک لسانی شہادت ”ریم“ (Reims) کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ یہ لفظ قدیم فرانسیسی لفظ *Reims* سے لیا گیا ہے فرانسیسی زبان نے یہ لفظ اسپینی زبان کے لفظ *Reima* سے حاصل کیا ہے اور خود اسپینی زبان نے یہ لفظ عربی لفظ ”سیرامہ“ سے مستعار لیا ہے۔ اس لفظ کے معنی عربی میں گھٹری کے ہیں اسپین کے بعد کاغذ سازی کی صنعت سنہ ۱۲۷۰ء کے قریب اسلامی اثر کے نتیجے کے طور پر غالباً صقلیہ سے اطالیہ آئی۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ فرانس میں کاغذ سازی کے کارخانے پہلے پہل نصرانی مجاہدوں کے ذریعہ قائم ہوئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اسپین کا عطیہ ہے۔ ان دونوں ملکوں سے کاغذ سازی کی صنعت پورے یورپ میں پھیل گئی۔ جہاں الرحمن کا ایک مہمدا اپنے گھر پر سرکاری مراسلے لکھ کر ایک خاص دفتر پر ”طبع“ — چھپائی کی اولین صورت — کرنے کے لئے بھیج دیا کرتا تھا اور اس کے بعد یہاں سے حکومت کے مختلف نمائندوں کے نام اس کے نسخہ جاری ہوتے تھے۔

اسپین کی اسلامی سلطنت کی برادری کے بعد فلپ ثانی (۱۵۵۶ء — ۱۵۹۸ء) اور اس کے جانشینوں نے یورپانی ماندہ کتابیں عربی کتب خانوں سے فراہم کیں ان کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی یہی کتابیں کتب خانہ اسکوریاں کی بنیاد بنیں۔ یہ کتب خانہ شہر میڈیڈ سے کچھ دور اب بھی موجود ہے۔ ان کتابوں کے سوا اور دوسری کتابوں کی فراہمی کی داستان بڑی دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ سترھویں صدی کی ابتداء میں مراکش کا ایک سلطان شریف زیدان اپنے مال و متاع کے ساتھ کہیں فرزد ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا کتب خانہ بھی ایک جہاز پر بار کرادیا۔ لیکن اس جہاز کے کپتان کو پوری اجرت پیشگی نہیں ملی تھی۔ اس لئے اس نے

ان کتابوں کو اپنی منزل مقصود پر اتارنے سے انکار کر دیا اور مارسلیز جاتے ہوئے راستے میں یہ بحری قزاقوں کے ہتھے چڑھ گیا ان کتابوں کی تعداد کم بیش تین چار ہزار تھی۔ فلپ سوم کے حکم پر اس مال غنیمت کو اسکورمال کے کتب خانہ میں محفوظ کر دیا گیا اور اس کی بدولت یہ کتب خانہ عربی زبان کے قلمی نسخوں کا ایک بیش بہا خزانہ بن گیا۔

مغربی مسلمانوں نے ادب اور تاریخ کے میدان میں جو کمال دکھائے ہیں ان میں بنی نصر کے دیار کے دو عہدہ دار دوستوں یعنی ابن الخطیب اور ابن خلدون کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ لسان الدین بن الخطیب (۱۳۱۳ء — ۱۳۷۴ء) شام کے ایک عرب خاندان میں پیدا ہوا اس کا خاندان شام سے ہجرت کر کے اندلس میں آباد ہو گیا تھا غرناطہ کے بنی نصر کے ساتویں سلطان یوسف بن الحجاج اور اس کے بیٹے محمد پنجم نے اسے ذوالراستین کا خطاب دیا تھا۔ سنہ ۱۳۷۱ء میں یہ ایک درباری سازش سے جان بچا کر بھاگا اور اس کے تین سال بعد فاس کے مقام پر ایک خانگی جھگڑے میں مارا گیا۔ اس کی موت سے پورے عرب اسپین کا نہ سہی۔ لیکن غرناطہ کا آخری مشہور و معروف مصنف، شاعر اور سیاست دانا سے اٹھ گیا۔ ابن خطیب نے شاعری، تاریخ، جغرافیہ، طب اور فلسفہ پر ساٹھ کتابیں لکھی ہیں ان ساٹھ کتابوں میں سے اس وقت ایک تہائی کتابیں محفوظ رہ گئی ہیں۔ اس کی جو کتابیں زمانے کی دست برد سے بچ رہی ہیں، ان میں سے ہمارے لئے سب سے اہم غرناطہ کی تفصیلی تاریخ ہے۔

عبدالرحمن بن خلدون (۱۳۳۲ء — ۱۴۰۶ء) تونس کے ایک اندلسی خاندان میں پیدا ہوا۔ یہ خاندان اپنا سلسلہ نسب قبیلہ کنذہ سے ملاتا تھا۔ اس خاندان کا بانی نویں صدی میں یمن سے اندلس میں ہجرت کر آیا تھا اس خاندان کے لوگ تیرھویں صدی تک بھی اشبیلیہ میں باقی تھے۔ اپنی خدمت سے موزل ہونے سے پہلے وہ فاس میں کئی بڑی خدمتوں پر فائز رہا ^{۱۳۷۱} میں اس نے غرناطہ کے سلطان محمد سادس کی خدمت اختیار کر لی۔ اس سلطان نے ابن خلدون سے کئی اہم سیاسی کام لئے۔ اس کے بعد وہ اپنے طاقت سرور

ابن الخطیب کے حسد کا شمار ہوا، اور اندلس چھوڑ کر المغرب چلا آیا اور یہاں تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ ابن خلدون کو اپنے مقدمہ (تاریخ) کی بنا پر بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے اس میں ابن خلدون نے پہلی بار تاریخ کے ارتقار کا نظریہ دنیا کے آگے پیش کیا ہے۔ اس نظریے اخلاقی اور روحانی قوتوں کے سوا آب و ہوا اور جزائیہ کے طبعی حقائق بھی پورے وقوف و آگہی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ قومی عروج و زوال کے قوانین کی دریافت اور ان کی تدوین کی سب سے پہلی کوشش ابن خلدون ہی نے کی ہے۔ اس لئے ابن خلدون کو — جیسا کہ خود اس نے دعویٰ کیا ہے فن تاریخ کی ماہیت اور اس کی وسعت کا انکشاف کرنے والا یا کم سے کم عمرانی علوم کا حقیقی بانی کہا جاسکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ابن خلدون سے پہلے تاریخ پر مجموعی حیثیت سے ایسی وسیع اور فلسفیانہ نظر — یورپ والوں کا ذکر ہی کیا — کسی عرب مصنف نے بھی نہیں ڈالی تھی۔ ابن خلدون نے سنہ ۱۴۰۶ء میں وفات پائی۔ دنیا نے اس کے کارنامہ پر حقیقی تنقیدیں اور تبصرے کئے ہیں، ان سب میں اتفاق اسی بات پر کیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا عظیم ترین اور دنیا کا ایک زبردست مفکر تاریخ گذرا ہے۔

عربوں کی جزائیاں تحقیقات کا اثر مغرب پر کم پڑا ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ زمین کے گول ہونے کے قدیم نظریے کو عربوں ہی نے ہمیشہ زندہ رکھا ہے۔ ہم اس سے پہلے ہندوؤں کے اس تصور کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ زمین کے نصف معلوم کرہ کا ایک مرکز ہے جو چاروں سمتوں سے مساوی فاصلہ پر واقع ہے اس کو آئرین (Azim) کہتے ہیں اس آئرینی نظریہ کو ایک لاطینی تصنیف میں جگہ مل گئی جو سنہ ۱۴۱۰ء میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف سے کولمبس نے وہ نظریہ اخذ کیا جس کی رو سے اسے یقین ہو چلا تھا کہ زمین کی شکل ناسپاتی جیسی ہے اور مغربی نصف کرہ میں آئرین کے مقابل ویسا ہی ایک ادنیٰ مرکز واقع ہے۔

مسلمانوں نے سنی جزائیہ اور ریاضیات کے جدید تصورات سے مغربی علوم کے

وچسپ اصطلاح ”صفر“ ہے اگرچہ عربوں نے ”صفر“ ایجاد نہیں کیا، لیکن عربوں ہی نے یورپ کو عربی اعداد کے ساتھ ساتھ ”صفر“ سے بھی روشناس کرایا۔ اور اہل مغرب کو اس مفید ترین حسابی طریقہ کے استعمال کا ڈھنگ سکھا کر روزمرہ کی زندگی میں علی حساب کی سہولتیں مہیا کیں۔ اگر حساب میں ”صفر“ کا استعمال نہ ہوتا تو ہمیں اپنے اعداد کے جوڑنے کے لئے اکائیوں دہائیوں اور سینکڑوں وغیرہ کے خانوں کا ایک جدول تیار کرنا یا گنتارا استعمال کرنا پڑتا۔

غیر مسلم یورپ میں عربی اعداد کی نشر و اشاعت کی رفتار بہت ہی سست رہی جیسا کہ

ادوار بارہویں صدی میں تمام تر ادراک حد تک تیرہویں صدی میں بھی نصرانی یا تو قدیم رومی اعداد اور گنتار سے استعمال کرتے رہے یا جدید عربی اعشاری نظام کو اپنے پرانے نظام سے ملا کر اس سے کام لیتے رہے علی مقاصد میں نئے رموز سے پہلے اطالیہ میں استعمال کئے گئے، پیدل کے لیونارڈو فیباچی نے ۱۲۰۲ء میں ایک کتاب شائع کی جو عربی اعداد کی ترویج و اشاعت بڑی عہد آفریں ثابت ہوئی۔ اس شخص نے ایک مسلمان استاد کی شاگردی کی تھی اور شمالی افریقہ کی سیاحت کر چکا تھا۔ اس کی کھپی ہوئی کتاب نہ صرف عہد آفریں ثابت ہوئی بلکہ اسی کتاب سے پوری ریاضیات کا آغاز ہوتا ہے اگر پرانے اعداد ہی استعمال ہوتے رہتے تو علم حساب نے اب جو اپنی بعض شاخوں میں ترقی کی ہے وہ ہرگز ممکن نہ ہوتی۔ ہم اس دقت اپنے علم حساب کو جس ترقی یافتہ صورت میں دیکھ رہے ہیں وہ تمام تر عربی اعداد اور ”صفر“ ہی کا کرشمہ ہے۔

مغربی مسلمانوں نے نہایت اور ریاضیات کی طرح مطالعہ قدرت کے میدان میں خاص کر خالص اور اطلاقی نباتیات کی تحقیقات سے دنیا کے علم میں بڑا اضافہ کیا ہے۔ انھوں نے کھجور اور حشیش جیسے درختوں اور پودوں کے صنفی اختلاف کے نہایت صحیح مشاہدے کئے۔ انھوں نے پودوں کی تقسیم گردہوں میں کی پہلا گردہ ان پودوں کا قرار دیا جو قلم لگانے سے اگتے ہیں۔ دوسرا گردہ ایسے پودوں کا مانا جو بیج سے اگتے ہیں اور تیسرے گردہ میں ایسے پودے شامل کئے جنہیں وہ خود رو سمجھتے تھے اشبیلیہ کے ابن التوام نے بارہویں صدی کے آخر میں زراعت

پر ایک رسالہ لکھا تھا یہ رسالہ اپنے موضوع پر نہ صرف اہم ترین اسلامی رسالہ مانا جاتا ہے بلکہ سارے قرون وسطیٰ میں اس موضوع پر جتنی بھی کتابیں منظر عام پر آئیں ان سب میں اس رسالہ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ ابن القوام نے اس رسالہ کی تیاری میں کچھ تو قدیم یونانی اور عربی ماخذوں سے خوش بینی کی ہے اور کچھ اسپین کے کاشتکاروں کے عملی تجربوں سے استفادہ کیا ہے اس رسالہ میں پانچ سو پچاسی درختوں اور پچاس سے زیادہ پھلوں کی کاشت کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اس میں قلم لگنے کے نئے مشاہدے بھی پیش کئے گئے ہیں اور زمین اور کھاد کے خواص بیان کئے گئے ہیں ان کے سوا درختوں اور انگوروں کی سیلوں کے امراض کی علامتیں اور ان کے علاج کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں۔

اسپین بلکہ حقیقت میں اسلامی دنیا کا مشہور ترین عطار اور ماہر نباتیات عبداللہ ابن احمد ابن البیطار گذرا ہے اس نے سنہ ۱۲۴۲ء میں بمقام دمشق وفات پائی، عبداللہ ابن البیطار نے ”آسان علاجوں“ پر ایک رسالہ یادگار چھوڑا ہے۔ یہ رسالہ قرون وسطیٰ کے تمام رسالوں میں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

عام طور پر اسپین کے عرب طبیب پیشہ در طبیب تھے انھوں نے طب کا پیشہ اپنی طبی صلاحیتوں کی بنا پر اختیار کیا تھا۔ ابن الخطیب کو ہم ادیب اور مورخ کی حیثیت سے پیش کر چکے ہیں۔ اس کے پاس اور دوسرے بہت سے طبیبوں کی طرح ایک قلمدان وزارت بھی تھا چودھویں صدی کے وسط میں یورپ ”کالی بلا“ یعنی طاعون کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہا تھا اور سلطنت مسیح کو اس عقیدہ نے بالکل ہی لاچار اور بے دست و پا بنا دیا تھا کہ یہ دیار فضلے الہی ہے جس کو کسی طرح روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن غرناطہ کے اسی مسلمان طبیب ہی نے اس زمانے میں تدبیر کی تائید میں ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں حقیقی سائنٹفک تحقیقات کی صدا میں سنائی دی گئی ہے

”جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تدبیر کے امکان کو نہیں مان سکتے کیونکہ یہ احکام الہی کے خلاف ہے، ان

لوگوں کو ہمارا یہ جواب ہے کہ تدبیر کا چودہ تجربات، تحقیقات، انہم وادراک کی شہادت اور قابل اعتماد

حقیقت سے ثابت ہے کہ تمام حقائق زبردست دلیل ہیں۔ تعدی کی صداقت ہر شخص کو سننے والے پر پوری طرح ثابت ہو سکتی ہے جب کہ وہ بد بخت نہ ہو کہ ایک ایسا شخص جو کسی متعدی مرض میں مبتلا مرض کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور رہتا رہتا ہے آخر کار اسی مرض میں خود بھی مبتلا ہو جاتا ہے لیکن ایک ایسا شخص جو متعدی مرض میں مبتلا مرض سے دور رہتا ہے اس مرض سے بالکل محفوظ رہتا ہے، شخص کو سننے والا یہی معلوم کر سکتا ہے کہ متعدی مرض کے جراثیم مرض کے پکڑوں، اس کے کھانے پینے کے برتنوں حد تک کان کے بندوں کے ذریعہ سے بھی دور رہتا دوسروں میں منتقل ہو جاتے ہیں؟

اسلامی فح اسپین کی ابتدائی دو صدیوں میں مشرقی ثقافت کا دیا انداز کی سوزن میں کمانی چڑھاؤ کے ساتھ بہتا رہا۔ اسپین کے عالم طلب علم میں مصر، شام، عراق، ہندوستان کے مآثرات و انہر اور چین تک کا سفر کیا کرتے تھے لیکن گیارہویں صدی اور اس کے بعد کے زمانوں میں جدید کائنات بالکل پلٹ گیا اور بارہویں صدی میں یہ پورے چڑھاؤ کے ساتھ یورپ کی طرف پھیلنے لگا۔ شمالی افریقہ اور اسپین سے اور خاص کر شہر طابطہ جہاں کریوناس کے حیرت انگیز شکل اسکاٹ بے کام کیا تھا، نے عربی طب کو یورپ منتقل کرنے میں نہایت اہم حصہ لیا ہے اسی کی بدولت طب کی تینوں روایتوں یعنی یہودی، نصرانی اور اسلامی روایتیں کو ترجمہ کی صورت میں یکجا ہونے کا موقع ملا، ترجمہ کے اس روپ میں روایتیں آسانی کے ساتھ ایک دوسرے میں گھس ل گئیں ان ترجموں کے سوا ایسے ہی دوسرے ترجموں کے ذریعہ سے بھی عربی زبان کی بہت سی فنی اصطلاحیں یورپی زبانوں میں رائج ہو گئیں۔ مثلاً *مہسود* عربی لفظ جناب جو فارسی لفظ گلاب کا معرب ہے اور اس کے معنی عرقِ گلاب کے ہیں، کی اصطلاح ایک خوشبودار طبی مشروب کے لئے استعمال کی جاتی ہے طبی ضابطے کے مطابق شکر گلابی میں مل کر کے اس میں کوئی دوا لادی جاتی ہے اور اس محلول کو *مہسود* کہتے ہیں جو عربی لفظ جناب سے لیا گیا ہے۔ قرون وسطیٰ کی طبی زبان میں سوڈا *Soda* (یعنی دودھ مراد سوڈا) *Sodanum* کے معنی دوسرے کے علاج کے تھے۔ حقیقت میں یہ عربی لفظ صداع نہ ہے

جس کے معنی شدید درد دوسرے میں عربی تصانیف کی بے شمار کیمیائی اصطلاحیں لاطینی زبان کے ذریعہ یورپی زبانوں میں پھیل گئیں۔ مثلاً الکحول (Alcohol)، الملبک (Alambic) اقلی (Alchemia) اور اٹمی مونی (Antimony) وغیرہ۔

اسپین کے عرب عالموں کا سب سے بڑا کارنامہ تو وہ ہے جو انھوں نے فلسفہ فخر کی اہمیت میں انجام دیا ہے ان لوگوں نے اور ان کے مشرقی ہم مذہبوں نے یونانی فلسفہ کو اپنی جن تصانیف اور تالیفوں کے ذریعہ لاطینی مغرب میں منتقل کیا ہے، اگر اس کو ایک زنجیر سے نمبر کیا جائے تو ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسپین کے عربوں نے اس زنجیر میں آخری اور محکم ترین کڑی کا اضافہ کیا ہے۔ اس علم میں انھوں نے اپنی طرف سے اضافے کئے ہیں اور عقل و ایمان، مذہب اور سائنس کے درمیان مطابقت پیدا کر کے بہت بڑا کام کیا ہے اگرچہ مسلمان مفکرین کے نزدیک ارسطو کا کباحی تھا، افلاطون کا کباحی تھا، مادہ و قرآن کا کباحی تھا لیکن حق کا ایک ہی یونانی نہیں ضروری تھا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تینوں میں مطابقت کیلئے وہ بڑی مستعدی و کوشش ہوئی زمانے میں نصرانی مفکرین کو بھی اسی مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ لیکن ان کی دینیات میں حائد اور امر اور وجہ کی بجا ہو جانے کی وجہ سے ان کا کام اور مشکل ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہیں یونانیوں کا فرد غ دیا ہوا فلسفہ اور عبرانی پیغمبروں کا پروان چڑھایا ہوا دین جدید بھی دو چیزیں قدیم مغرب اور قدیم مشرق کے سب سے بڑے درخت ہیں۔

جدید تصورات کا جو پہلا سیلاب (اس میں زیادہ تر فلسفہ اور طب کے تصورات تھے) یورپ میں اُسٹا ہے، اس سے تاریک زمانہ ختم ہوتا ہے اور علمی دور کی سحر نمودار ہوتی ہے عربی خیالات سے واسطہ پڑنے پر یورپ والوں کے دلوں کو علم و فلسفہ کی تحصیل کے شوق نے گرہا اور قدیم یونانی علوم کی نو آگئی نے اس آتش شوق کو اور بڑھا دیا۔ ان دونوں کے خصل اہل یورپ نے بڑی تیزی اور مستعدی کے ساتھ اپنا آزاد علمی ماحول پیدا کر لیا جس کے خرات سے ہم اب تک مستفید ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

ایک سلسلہ ہیں۔ اپنے بعض رسالوں میں ابن رشد نے ارسطو کی بعض تصانیف کے صرف ہم نئے ہیں اور ان کے مضامین کے خلاصے کئے ہیں۔ مسلم ایضاً بائبلزم اور فرقہ کے مقابلہ میں ابن رشد کا رشتہ نصرانی یورپ سے زیادہ استوار معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح ارسطو کو اہل مغرب نے "استاد" مانا ہے بالکل اسی طرح ابن رشد کو مغرب حکیم کیا ہے۔ حقیقت میں یہ ابن رشد کا ارسطو تھا جس نے فزون و سلی کے یورپی نصرانیوں، اہل کتب اور عالموں کے دلوں میں اضطراب کی لہر دوڑادی۔ بارہویں صدی کے آخر سے لے کر سولہویں صدی کے ختم تک سب سے زیادہ ذی اثر مکتب خیال ابن رشد کا فلسفی تھا۔ تنگ خیال مذہبی رد عمل کے باوجود یہ مکتب خیال سب سے پہلے اسپین کے مسلمانوں ہی میں قائم ہوا اس کے بعد یہودیوں اور آخر میں نصرانی پادریوں میں اس کی تشویر و اشاعت ہوئی۔ ابن رشد عقلیت پسند تھا اس کا دعویٰ تھا کہ مذہب کے لہامی اصول و عقائد کے سوا ہر چیز کو عقل اور دلیل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیے چنانچہ ابن رشد کے اس خیال کی بنیاد پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آزاد خیالی کا بانی اور مذہب کا بہت بڑا دشمن تھا لیکن اس خیال میں کچھ بھی صداقت نہیں۔ ارسطو کے فلسفہ پر جن اگلے مسلمان محققوں نے کام کیا تھا انہوں نے بہت سی غیر مستند کتابوں کو بھی ارسطو کی تصنیف سمجھ لیا تھا ان میں بہت سی اخلاقی کتابیں بھی شامل ہیں۔ ابن رشد کے فلسفہ کا سب سے بڑا کاؤنامہ یہ ہے کہ اس نے دنیا کو مائع اور سائنٹفک اور سطا طالیت کا راستہ دکھایا مذہبی علماء نے اس پر کی تصانیف سے غریب کی نظر میں قابل اعتراض اجزاء کو خارج کیا اور اس کے بچ جانے والے حصے کو ہی تعلیم کے دوسرے اداروں میں اس کی تصانیف نصاب میں شریک کی گئیں۔ ابن رشد نے جس دینی تحریک کی داغ بیل ڈالی تھی وہ اپنے تمام ماسن و معاصی کے ساتھ یورپی فکر میں جدید تجربی سائنس کے ظہور تک ایک ذی حیات حامل کی طرح بہاؤ میں لگتی رہی۔

اس زمانے کے فلسفیوں میں اگر کسی کو ابن رشد کے بعد پہلا دورہ دیا جاسکتا ہے تو وہ اس کا ہم عصر ابراہیم دطس قرطبی یہودی ابن میمون یا ابن میمون ہے جو عیسیٰ ابن میمون کے نام سے مشہور ہے۔ اسے پورے عربی دور کے تمام یہودی فلسفیوں اور طبیبوں میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ یہ مسئلہ میں بمقام قرطبی پیدا ہوا لیکن اس کا فائدہ ان مسلمانوں کی مذہبی تقدیب کی تاب نہ لا کر مسند میں قاہرہ چلا آیا اور یہیں بس گیا۔ بعض سوانح نگاروں نے دعویٰ کیا ہے کہ ابن میمون نے اسپین میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور درپردہ دین موسوی پر قائم رہا لیکن اس دعویٰ پر حال ہی میں نقادوں نے سخت تنقیدیں کی ہیں۔ قاہرہ میں ابن میمون شہرۃ آفاق سلطان صلاح الدین اور اس کے بیٹے ملک الفریز کا درباری طبیب مقرر ہوا۔ سنہ ۱۱۹۴ء میں اس کو قاہرہ کے یہودیوں کا نسب سے بڑا مذہبی عہدہ دیا گیا اس عہدہ پر وہ اپنی وفات تک فائز رہا۔ اس نے مسند ائمہ میں وفات پائی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی میت کو اسی راستہ پر انھوں نے دفن کیا گیا جس پر کسی زمانے میں حضرت موسیٰ آجل چکے تھے اور طبرہ لے جا کر وہاں اسے دفن کیا گیا، اس کی قبر مملکت سے بری اور بالکل سیدھی سادی ہے۔ اس کی زیارت کے لئے اب بھی ہندوؤں اور آریا کرتے ہیں۔ مصر جدید کے ناوار یہودی مرعین اب بھی قاہرہ کے صلوات ربی موسیٰ بن میمون کے مزار خانے میں اس لئے شہر لبریا کیا کرتے ہیں کہ اس مقام کی برکت سے ان کا مرض دور ہو جائے۔ یہودیوں کی ایک مشہور کہادت ہے کہ موسیٰ سے موسیٰ تک موسیٰ کا ہم پلہ کوئی نہیں ہوا اس کہادت سے یہودیوں میں موسیٰ بن میمون کی عظمت اور اس کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

ابن میمون نے ایک حیثیت دان، عالم و فیاض، طبیب اور سب سے بڑھ کر ایک انسان کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ اس نے غنہ کے طریق کی اصلاح کی۔ جو اس کی عظمت و شہرت کو بڑھا دیا اور اس کے لئے ایک ایسی نئی پہلی غذا جو زندگی جس میں بیشتر کامیاب ہیں۔

حفظ صحت کے بارے میں اس کے تصورات بہت بلند تھے طب میں اس کی سب سے مشہور کتاب "الفصول فی الطب" ہے فلسفہ پر اس نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور وہ کتاب ہے جس کا نام "دلالة الحائرين" ہے اس کے منی پریشاں لوگوں کے رہنمائی کے ہیں۔ اس کتاب میں اس نے موسوی شریعت کو اسلامی اور ساطا لیت سے یا اس سے بھی وسیع تر معنی میں عقل اور مذہب کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس نے پیہرہ خواہوں کی تعبیر اس طرح کی ہے گویا یہ کئی طبعی تجربات تھے اس حد تک کم سے کم وہ حکمیاتی فلسفہ کا علم بردار ہے اور یہ فلسفہ اناجیل کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدامت پسند علماء اس سے اس قدر مجروح ہو گئے کہ اس کی کتاب کو "دلالة" کے بجائے "ضلالة" یعنی بھٹکانے والی کہنے لگے۔ اس کتاب میں اور اسی طرح دوسری کتابوں میں جو فلسفیانہ تصورات پیش کئے ہیں وہ ابن رشد کے خیالات سے ملنے جلتے ہیں مگر ابن سیمون نے اس باب میں ابن رشد سے کوئی استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ زیادہ طور پر انھیں فروغ دیا ہے ابن رشد کی طرح وہ بھی یونانی زبان سے ناواقف تھا اور اس کو صرف عربی ترجموں پر تکیہ کرنا پڑا۔ اگرچہ اس نے نظریہ تخلیق کو پیش ضرور کیا ہے لیکن اس پر غور و فکر کرنے میں اس نے خود حصہ نہیں لیا۔ اس زمانے کے ان تمام مفکرین کے پاس جو عربی زبان میں اپنے افکار و خیالات پیش کیا کرتے تھے وہ قسم کے تھے یہودی عقائد کے بنیادی عقاید کی صداقت کا ہے اس کی رد سے خدا کو ہر شے کا خالق تسلیم کیا گیا اور دوسرا نوافلاطونی اور ارسطاطالیسی نظریہ تھا ابن سیمون کا پیش کیا ہوا نظریہ ان دونوں نظریوں سے الگ تھا اس کا یہ نظریہ جوہر کے نظریہ سے مشابہ تھا ایک کتاب کے سہرا میں ان تمام تصانیف عربی زبان میں ہیں، لیکن ان کا رسم خط عبرانی ہے۔ تصنیفیں بہت جلد عبرانی زبان میں اور اس کے بعد جرمنی طور پر لاطینی زبان میں منتقل ہو گئیں۔ ان تصانیف نے اپنے اثرات زیادہ تر یہودیوں اور نصرانیوں پر مرتب کئے ہیں اور یہ اثرات زیادہ تر

مکمل کے اعتبار سے بہت دور رس تھے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر تک اس کی کتابیں یہودی فلسفہ کو غیر یہودی فرقوں میں منتقل کرنے کا زبردست وسیلہ بنی رہیں چنانچہ جدید جدید کے نقادوں نے البرٹس میاگلنس (Albertus Magnus) اور اس کے رقیب ڈینس اسکوتس (Duns Scotus) اور اسپینوزا (Spinoza) حتیٰ کہ کانت (Kant) کی تصانیف میں بھی ابن سینا کی تصانیف کے اثر کا سراغ لگایا ہے۔

اس زمانے کے عارف کامل اور اسلامی تصوف کے روح رواں ایک ہسپانوی عرب محی الدین ابن عربی تھے یہ اشبیلیہ میں پیدا ہوئے اور یہیں انھوں نے اپنی زندگی بسر کی، لیکن سنہ ۱۲۴۰ء میں بقمقام دمشق وفات پائی، جہاں ان کا مقبرہ اب بھی موجود ہے انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں حضرت محمدؐ کے سفر معراج اور سیر افلاک کے واقعہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہتے ہیں کہ ڈانٹے نے اپنے شکار طریقہ خداوندی کی تباہی میں اسی تصنیف سے استفادہ کیا ہے۔

نیرہویں صدی کے آخر تک عربی سائنس اور عربی فلسفہ دونوں یورپ مستقل ہو چکے تھے۔ وہ ذہنی راستہ جو اظہار کی پہانگوں سے شروع ہو کر کوہ پرینیز میں ہے ہو کر گندنا کھاب پراؤنس (Pyrenees) اور الپائن کے قدروں میں سے مل کھاتا لودین، جرمنی، وسطی یورپ اور رودبار انگلستان کو پار کر کے انگلستان کی پہاڑیوں تک پہنچ گیا تھا، سرزمین فرانس میں مارسیلز، تولوز، نابونے اورمانٹ پلییر عربی فلسفہ کے مرکز بن گئے تھے، مغربی فرانس میں کلونی کا خطہ جہاں کی خانقاہ میں کئی اسپینی برائے ہب معقم تھے بارہویں صدی میں علوم و فنون کی نشر و اشاعت کا مرکز بن گیا تھا پیر نامی یہاں کے ایک پادری نے سنگتہ میں اسلام کے خلاف کئی رسالے شائع کرنے کے سوا افریقہ کا سب سے پہلا وطنی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔ لورین یا لوتھارنجیا (Lutheran) میں عربی سائنس کی ترویج دسویں صدی میں ہوئی تھی اس کی بدولت یہ سارا علاقہ

میں جسکی دوسریوں تک سائنٹفک تحقیق کا مرکز بنا رہا۔ عربی علوم و فنون کی زدیج کے لئے بیاج۔ گورنر۔ کولون اور دوسرے لوگ تاراجی شہروں نے نہایت ہی زرخیز زمین خریدی تھی۔ اورین سے عربی علوم و فنون کی شعاعیں جرمنی کے دوسرے علاقوں میں بھی پھیلنے لگیں۔ اورین کے باشندوں اور یہاں کے تعلیم پائے ہوئے لوگوں نے اس روشنی کو فارس و افغانستان میں منتقل کیا اسپینی عربی علوم و فنون سارے مغربی یورپ کی رگ پے ہیں ہر ایت کر گئے اور ان علوم و فنون کو یورپ میں منتقل کرنے کے لئے اسپین واسطے کی جو خدمت انجام دینا چلا آ رہا تھا، اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔

نقشہ مہری

تمام عربی مہسوں، کتابخانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کیلئے بے مثل تحفہ ادبیات علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ بانی تہی گئی، عظیم المرتبہ تفسیر مختلف مکتوبوں کے اعتبار سے اپنی نظر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر تیار کیا تھی اور ملک میں اس کا ایک علمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔ الحمد للہ کہ۔ سیاہا سال کی عرق زریہ کوششوں کے بعد ہم آج اس قابل ہیں کہ عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جائے گا اعلان کر سکیں اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں چھپ چکی ہیں جو کاغذ دیگر سامان طباعت و کتابت کی گرانی کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

جلد ۱۲۲ تا ۲۹۰ سات روپے، جلد ثانی سات روپے
جلد رابع پانچ روپے، جلد خامس سات روپے، جلد ششم آٹھ روپے

جلد ثالث زیر طبع

مکتبہ برہمان اردو بازار جامع مسجد دہلی

ادبیات

نعت

ترجیح رہے بد مشوق حسین صاحب اظہارِ آدمی بر رفت جناب نشی جذبہ ہادی علیہ السلام
دو جہاں سے ہو رہا لگر ہو جہاں مصطفیٰؐ ہو اگر ہو لا مکان محسن مکان مصطفیٰؐ
ہو اگر عرش بریں ہو آستیاں مصطفیٰؐ ہو اگر روح الامیں ہو باسپہاں مصطفیٰؐ
بزرگ نہیں کہنے کسی سے عاشقِ مصطفیٰؐ
ہوں اگر بالغ نظر میری بلاغت ہے کہینز فرق کرنا دو زبانوں میں گم ہے اور چیز
صاحبِ کلیں ہو لایا ہے مجھے اپنا عزیز کیا کہوں نراں اٹھا کر ہو نہیں سکتی عزیز
یہ زبانِ اللہ کی ہے یہ یا زبانِ مصطفیٰؐ
غریب دریا گھاسی ہوں میں از سر تا قدم فکر بھی ہے پر شش محشر کی جھ کو دم دم
لیکن اب ترد امن کا کچھ رہا مجھ کو نہ غم اب مراد امن نہیں ہے دامنِ جنت کم
آپری ہے اس پر ناکِ آستیاں مصطفیٰؐ
ذکرِ میلادِ مبارک میں ہو کوئی نغہ زہا ہو کوئی مصروفِ نعت پاک ختمِ الانبیا
اور ہو لب پر کسی کے نغہ صلل علی عیدِ میلادِ نبی کی بزم ہے آراستہ
آج ہونا چاہتے اندھ سارِ شان مصطفیٰؐ
پہلے سب مخلوق سے انسان کو اشراف کیا اور کرشنا کار کا سر پر تلج احسا
پھر بنایا اس نے ہم کو عاشقِ خیر الورا اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا گرمِ اللہ کا
بن گیا خود پیشوا۔ نے عاشقانِ مصطفیٰؐ

ایک رفعت ایک شان منزلت و نعل میں تھی جلوۂ قدرت وہی انوارِ رحمت بھی وہی
اور پھر شوقِ زیارت میں مری وارفتگی سادگی تو دیکھتے میری جبین کی جھلک گئی
عرشِ اعظم کو سمجھ کر آستانِ مصطفیٰؐ

عشق ہو دلیں تو کوئی بھی نہیں منزل کی شوق ہو رہی تو پھر کیا ہے منزلِ خطر کی
ہے وہی دنیا میں رہ کر کامیاب زندگی آفریں ہمت براس کی رحمت حق کہہ اٹھی
لے لیا گر پڑے جس نے آستانِ مصطفیٰؐ

عاشق و معشوق میں جب بیگانگی ہو بھی تو پھر کس طرح ہوا امتِ ساری بھی
اور صورت تو کوئی فرقِ مراتب کی نہ تھی بندگی کی شان سے تفریق پیدا ہو گئی
ورنہ ہو جانا خدا پر بھی گناہِ مصطفیٰؐ

عشق کی ہر وقت نکلے دلیں رہتی ہر کھٹک عشق نے کر دی یہ پیدا ان کی رنگ گم میں سک
عشق کی ہر بات میں ان کی نایاب سے جھلک عشق میں ڈبے ہوئے میں سرکے کر پاؤں تک
عشق کی تصویر میں سب عاشقانِ مصطفیٰؐ

گرچہ جیدِ مصطفیٰؐ نے اس کی رکھی ہے بنا اولیں معبد ہے دنیا میں یہی اللہ کا
سجدہ گاہ عاشقان سے کہہ کو نسبت کیا ہم دکھا دیں گے تمہیں کہہ ادھر آنا ہوا
جس طرف سجدہ کریں گے شقائقِ مصطفیٰؐ

کس طرح پھر ہو سکے بیت المقدس ہمتیں کہہ بھی جب اس کا ہم رتبہ نہیں ہے بامعین
کیا کہوں ایسا نہیں کوئی بھی بالائے زمیں میں تو کہتا ہوں خدا کا عرشِ اعظم بھی نہیں
جس قدر بھاری ہے سنگِ آستانِ مصطفیٰؐ

کہنے والے اپنے منہ سے چاہے کچھ بھی کہیں لیکن اب اسمیں ذرا بھی شک نہیں لہر میں
ماتے کی بات ہے یہ سب اسی کو مان لیں آخر انساں ہے عصبانیہ سب ملاں کہتے ہیں
ہو نہیں سکتا بیانِ غرور شانِ مصطفیٰؐ

عزل

(جناب سبقتل شاہ جہا پوری)

منہ کے اب کوئی ناکام تنہا مجھ کو
دعوتِ تہا پھر تہا ہے وہ جلوہ یکتا مجھ کو
ایک عالم ہے کجیرت سے ہر کتا مجھ کو
تیرے جلوؤں نے بنایا ہے تماشا مجھ کو
پھر سرِ طور کوئی بن ہے کیا جلوہ گن
لے چلا آج کدھر ذوقِ تماشا مجھ کو
بجودی کا ہو وہ عالم کہ تو ہی تو ہو مہکلا
سو تمناؤں کی ہے ایک تنہا مجھ کو
ہاتھ آیا جو دمِ باس نہارا دامن
مل گیا جس پر محبت کا کنارہ مجھ کو
دیکھنے کیا ہو مرے جوشِ طلبِ کائنات
آنکھیں کھلا تہا ہے ہر نقشِ کینہ مجھ کو
میں تجھے تجھ سے بھی نزدیک نظر آتا مگر
تو نے اسے دوستِ صداقت ہی نہ کیا مجھ کو
غلطی ٹک خدہ کاش مرے دل میں ہے
ایک تنہے کا بھی کافی ہے سہارا مجھ کو
مجر عالم میں جدھر آگ کینیں تھیں سب
دگ گناہی نظر آیا سفیدِ ماتم مجھ کو

اُگیا اسے عشق پھر نازک مقام

(شاعر انقلاب جناب انور صابری)

ہر قدمِ حسین وفا کا اہتمام
ہر نظرِ پابندِ آداب و سلام
حسنِ پھر کرنے لگا ہے احرام
اُگب اے عشق پھر نازک مقام
اب ہے میری سمتِ معرکہ کرم
دیمہ کو فرجیاں بادہِ سبھام
اب ہے دوشِ آرزوئے دید پر
گیسوتے شبِ رنگِ سرگرمِ خواہم
اب نہیں میں دامِ زلف و تیغِ خیزند
اب ہے میرے ساتھ دوڑتی وشتام
اب میں ہوں روبروِ حیاتِ جاوید
اب مرے قبضہ میں ہے عمرِ دوام
اب نہیں دینارِ ہمنِ اضطراب
اب ہے مستحکم زمانہ کا نظام
اب ہے ہر جانِ خوشی میرے لئے
اب ہوا مجھ پر عیشِ دنیا و ام
ہے یہی انور کمالِ عاشقی
بات اُن کی ہے مرادِ نگِ کلام

تبصرے

خاص نمبر

رہنمائے تعلیم انسانیت نمبر ۱ القیطع کلاں ضخامت ۲۷۲ صفحات طباعت و کتابت بہتر قیمت دو روپیہ۔ پتہ ۱۔ دفتر سالہ رہنمائے تعلیم ترہا بیرم خاں دہلی۔

سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ صاحب اردو زبان کے بہت پرانے اور مخلص خادم ہیں ماسنامہ "رہنمائے تعلیم" کے ذریعہ وہ ایک عرصہ دراز سے بلا تفریق مذہب و ملت ملک کی تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں بحیثیت انسان کے موصوف جن اخلاق و اوصاف اور کمالات و فضائل کے حامل ہیں ان کا اندازہ کرنے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ اگرچہ آپ ان خانوں خراب لوگوں میں سے ہیں جن کو فرقہ پرستی کے جنون نے اپنا وطن اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر پنجاب سے دہلی آنے پر مجبور کیا لیکن اس کے باوجود کیا مجال کہ مقررہ حصہ کے آئینہ شرافت و کمال انسانی پر ہلکا سا ایک بال بھی آیا ہو زبان سے بے نقضی اور انصاف کا نام لینے والے کم نہیں لیکن ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں جو دراصل اپنے عمل اور طور طریق سے بھی انسانیت و شرافت کے اعلیٰ انداز کے حامل ہوں اور کوئی شبہ نہیں کہ سردار صاحب انہیں چند خاص قسم کے افراد میں سے ہیں اسی بنا پر آپ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں میں مقبول و محبوب ہیں اور سب آپ کی عزت کرتے ہیں کہ سالہ رہنمائے تعلیم لاہور کا بہت پرانا ماسنامہ ہے سردار صاحب نے ترک وطن کے بعد دہلی میں رہائش اختیار کرتے ہی اس دہلی سے شائع کرنا شروع کر دیا تقاضا پر تبصرہ نمبر اسی کا خاص نمبر ہے جس میں ہر فرقہ اور ہر ملت کے اپنے اپنے درجہ کے لیڈروں، ادیبوں، شاعروں، مردوں

اور عورتوں نے حصہ لیا ہے اور عیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس ملک میں انسانیت و آدمیت کا وقار دوبارہ قائم کرنے کے لئے اپنے افکار و محسوسات کو قلمبند کیا ہے سردار صاحب کا خلوص اس ضخیم رسالہ میں مختلف شکل و صورت میں جگہ جگہ نمایاں ہے ہند اور پاکستان کے ہر اس شخص کو جسے احیائے انسانیت کے فرض سے دلچسپی اور اس کا ذوق ہے کم از کم ایک مرتبہ اس نمبر کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

الحسنات آخرت نمبر | تقطیع ۳۰ ۳۱ صفحہ ۱۰۸ طبعات و کتابت و خوش

قیمت خاص نمبر ایک روپیہ رسالہ کا عام سالانہ چندہ پیر

الحسنات جماعت اسلامی کا ایک پندرہ روزہ رسالہ ہے جو انڈین یونین میں اس جماعت کے مرکز رام پور سے شائع ہوتا ہے، الحسنات کے مضامین بچوں، بچیوں و عورتوں کے ذہنی اور دماغی قالب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کئے جاتے ہیں چنانچہ آخرت نمبر کے مضامین بھی اسی معیار کے مطابق ترتیب دئے گئے ہیں زیر نظر نمبر میں آخرت سے متعلق اچھے خاصے مفید اور نتیجہ خیز مضمون جمع کر دئے گئے ہیں، مولانا سید ابوالحسن علی کا مضمون ”اُس پار“ مولانا ابواللیث ندوی کا مضمون ”زندگی پر عقیدہ آخرت کا اثر“ مولوی جلیل احسن صاحب ندوی کا مضمون ”قیامت کیوں ہوگی“ خاص طور پر لہین مطالعہ میں بچوں اور عورتوں کے علاوہ عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہیں عقیدہ آخرت کو دل کی گہرائیوں میں جانے کے لئے دوسرے انسانوں اور قصوں نے علاوہ نعیم صدیقی صاحب کا ایک افسانہ ”لیڈر قاضی کے سامنے“ بھی شریک اشاعت کیا گیا ہے، سید حامد علی صاحب کی نظم ”خدا ظالم نہیں ہے“ بھی آخرت نمبر کے مقصد کو پوری پوری تقویت پہنچاتی ہے، مجموعی اعتبار سے پورا نمبر سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کے قابل ہے۔ (۱۵)

جدید سائل

نوائے ادب | مرتبہ جناب ظہیر الدین مدنی صاحب تقطیع متوسط ضخامت ۱۰۸ صفحہ

کتابت طباعت بہتر سالانہ چھپنے میں دوپہ ہفتہ ۱۔ انجمن اسلام ۹۲ ہارینی روڈ ممبئی۔
 نوائے ادب ممبئی کی انجمن اسلام اور لیسرچ انسٹیٹیوٹ کا سہ ماہی رسالہ ہے جو
 جنوری ۱۹۸۲ء سے نکلتا شروع ہوا ہے اب تک اس کے تین نمبر نظر سے گزرے ہیں اور
 اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نمبر میں اردو ادب و شعر سے متعلق محققانہ، سنجیدہ اور تنقیدی
 مقالات شائع ہوئے ہیں جن کے پیش نظر بے تکلف کہا جاسکتا ہے کہ تقسیم ملک کے بعد
 ”سہ ماہی اردو“ کے دہلی سے کراچی منتقل ہو جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کو اس
 رسالہ نے پُر کر دیا ہے علاوہ معیاری مقالات کے نوائے ادب نے ایک مفید جدت
 یہی ہے کہ اس کی ہر اشاعت میں ”مقالہ نما“ کے عنوان سے ہند اور پاکستان کے تمام
 قابل ذکر سالوں کے مضامین و مقالات کا خلاصہ مختلف عنوانات کے ماتحت حروف
 تہجی کی ترتیب سے درج کیا جاتا ہے جس کو پڑھ کر ایک شخص بہت تھوڑے وقت میں
 کیا طور پر دو طوں ملکوں کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا حال معلوم کر سکتا ہے خوش قسمتی
 سے ممبئی میں اس وقت اردو زبان کے نامور ادیبوں، محققوں اور نقادوں کا اچھا
 اجتماع ہے اور وہ سب انجمن سے وابستہ معلوم ہوتے ہیں اس لئے امید ہے کہ یہ
 رسالہ اپنے مقاصد کی تکمیل با حسن وجہ کرے گا اور اب ذوق کو اس رسالہ کی بہر نفع
 حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

کمرن ایڈیٹر جناب محمد عبدالغنی صاحب غزنی لفظی متوسط ضخامت ۵۲ صفحات
 کتابت طباعت بہتر۔ سالانہ چندہ پانچ روپے۔

یہ رسالہ ستمبر ۱۹۸۲ء سے گیا سے نکلتا شروع ہوا ہے اس میں دلچسپ افسانے
 تنقیدیں، غزلیں اور ہلکے پھلکے مقالات و مضامین سب کچھ ہوتے ہیں ہر مضمون اور
 افسانہ میں کسی نہ کسی انادبی مقصد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے عربی اور آج کل کی بہ نام ترقی
 پسندی سے اس کا دامن پاک ہے علاوہ ادبی اور علمی خدمت کے بہار کی ایک بڑی علمی

برادری کی اخلاقی اور عملی اصلاح بھی اس رسالہ کا ایک مقصد ہے موجودہ اردو دشمن ماحول میں اربابِ کربن کی ہمت و عزیمت لائقِ مدح و تحسین و آفریں ہے امید ہے کہ قارئینِ کرام اور اس رسالہ کی بھی قدر کریں گے۔

اشارہ | اڈیٹر قیوم خضر صاحب تقطیع متوسط منہاجت ۵۵ صفحات کتابت و طباعت بہتر سالانہ چندہ چھوڑ دیتے۔ پتہ:- گوتم بدھ روڈ (گیا بہار)

یہ ایک ادبی ماہنامہ ہے جو اگلی چند ماہ سے گلیات سے شائع ہونا شروع ہوا ہے یہ بھی سنجیدہ و متین مضامین و مقالات کے علاوہ اچھے افسانوں، نظموں اور غزلوں کا ماحول ہوتا ہے پہلے نمبر میں ڈاکٹر محمود صاحب وزیر مواصلات صوبہ بہار اور نپٹ سندھیل کے مقالات ”بھارت کا کلچر کیا ہونا چاہئے“ اور ”اسلام کا سماجی سنگٹھن“ خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہیں صوبہ بہار کے ان حوصلہ مند نوجوانوں کی کوششیں جو وہ اردو کے تحفظ و بقا اور اس کی ترقی و اشاعت کے لئے کر رہے ہیں بہر نوع حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں

یہ شرب | تقطیع ۲۲۱۸ صفحات ۱۲۰ پتہ:- مکتبہ شرب ۱۰-۱۱ دی مال لاہور کتابت طباعت بہتر قیمت زیر نظر نمبر بابت نومبر و دسمبر ۱۹۷۷ء ایک روپیہ، سالانہ چندہ ۷ روپیہ یہ ایک دو ماہی رسالہ ہے جو جنوری ۱۹۷۷ء سے ماہنامہ ہونے والا ہے ملک

کی تقسیم کے بعد سے جماعت اسلامی کی لٹریچر سرگرمیوں میں جو زبردست اضافہ ہوا ہے شرب اس کا زندہ ثبوت ہے اور اسے بے تکلف اس جماعت کی ثقافتی اور ادبی خصوصیتوں کا ترجمان کہا جاسکتا ہے دوسرے شماروں کی طرح زیر نظر نمبر کے مضامین بھی سلیقے اور وسعتِ نظر سے ترتیب دئے گئے ہیں رسالہ کے مدیر اعلیٰ ابو صلح صاحب اصلاحی نے ”اپنی باتیں“ جس انداز سے کہی ہیں وہ ان کی صلاحیتِ کار کی پوری طرح غمازی کرتی ہیں مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کا مضمون ”میرا بچپن“ اور مشہور یورپین فلسفی برٹریڈ رسل کی کتاب *History of Philosophy* کے دیباچہ کا ترجمہ مغربی

نظریات پر ایک نظر" اس شمارے کے لائن مطالعہ مضامین ہیں، مقالات کے علاوہ رسالے کا حصہ نظم بھی کافی دلچسپ اور سبق آموز ہے بلکہ غور کیا جائے تو اسی حصے کو دیکھ کر معلوم ہو سکتا ہے کہ بشرب محض ادبی اور تاریخی رسالہ ہی نہیں بلکہ جماعت اسلامی کی نظریاتی کا خصوصی ترجمان بھی ہے ماہر انداز کی نظم "آگینے" کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

نیرے ساتھ اے مجلس دستور ساز
جہل بھی ہے اور غلط کاری بھی ہے
اور خود شاعر کے قلم سے نکلا ہوا یہ نوٹ بھی جس میں اس شعر کی تشریح اس طرح کی گئی
ہے، "پاکستان کی مجلس دستور ساز جس نے سرتاپا غیر اسلامی دستور مرتب کیا اور پھر اس پر کہ اسے اسلامی سمجھو نظم اس شعر پر ختم کی گئی ہے۔"

داد دے اے ملک اس پتھیل کی
لیگ قومی بھی ہے سرکاری بھی ہے
بشرب کے افسانے اور خاکے ان حضرات کو خاص طور پر پڑھنے چاہئیں جو اس جماعت کے نقشبند اور خشک مزاجی کے شاکی رہتے ہیں۔

(ع)

قصص القرآن - جلد چہارم - حضرت علیؓ

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان - دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

قیمت سیر - جلد میٹر
اسلام کا اقتصادی نظام - دقت

کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے - چوتھا ایڈیشن

قیمت للکڑ - جلد چھ
مسلمانوں کا عروج و زوال -

جدید ایڈیشن قیمت للکڑ - جلد صفر
مکمل لغات القرآن - معہ فہرست الفاظ

غنت قرآن پر مبنی کتاب - جلد اول طبع دوم
قیمت للکڑ - جلد صفر

جلد ثانی - قیمت للکڑ - جلد صفر
جلد ثالث - قیمت للکڑ - جلد صفر

مسلمانوں کا نظم مملکت - مصر کے مشہور
شعفا کٹر حسن ابراہیم حسن ایم لے بی ایچ ڈی کی

نازک کتاب انظم الاسلامیہ کا ترجمہ
قیمت للکڑ - جلد صفر

ہندوستان میں مسلمانوں کا
نظام تعلیم و تربیت

راول ایچ موصی میں باطل جدید کتاب قیمت للکڑ
جلد ثانی - قیمت للکڑ - جلد صفر

قرآن اور تصوف - حقیقی اسلامی تصوف

اور مباحث تصوف پر جدید اور محققانہ کتاب -
قیمت عام جلد ستہ

ترجمان السنہ - جلد اول - ارشادات نبوی کا
جامع و مستند ذخیرہ - صفحات ۶۰۰ تقطیع ۱۹x۲۲

قیمت ملہ - جلد یکہ
ترجمان السنہ - جلد دوم - اس جلد میں چھ سو

کے قریب حدیثیں آگئی ہیں -
قیمت لکڑ - جلد لکڑ

تحفۃ النظر یعنی غلامہ سفر نامہ ابن بطوطہ
معہ تنقید و تحقیق از مترجم و نقشبند سفر

قیمت ستہ
قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطی کے مکمل اسلام کے شاندار علمی کارنامے -
جلد اول جلد چار

جلد دوم جلد پچیس
وحی الہی

مسند وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر
پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر لیے دل پذیر

انذار میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی خدمات
کا ایمان انور نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی

گہرائیوں میں سما جاتا ہے -
جدید ایڈیشن قیمت عام جلد پچیس

فیہر مدقہ المصنفین اردو بازار جامع مسجد مدنی

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

نمبر درستی

ایک شخص خاص جو مخصوص خدمت کم سے کم پانچ سو روپے پر یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحنین میں شامل ہو جائے گا۔ ان پانچ سو روپے سے مراد ان کے ایسے علم و فن کا صاحب کی خدمت میں اداسے اور کتبہ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی ہیں گی اور کارکنان ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۱۔ تحنین۔ جو حضرات پہلے سو روپے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ تحنین میں شامل ہوں گے ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطہ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ فاضل ہوگا۔ اداسے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز کتبہ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" کسی معاوضہ کے بغیر پیش کیا جائے گا۔

۲۔ معاونین۔ جو حضرات اٹھارہ سو روپے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور سالہ برہان اداسے کا سالانہ چندہ چھ سو روپے ہے بلایت پیش کیا جائے گا۔

۳۔ احباب۔ جو نو سو روپے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احباب میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلایت دیا جائیگا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات ادارہ نصف قیمت پر دی جائیں گی۔ یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلباء کے لئے ہے۔

(۱) برہان ہر انگریزی مہینہ کی ۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

قواعد رسالہ برہان

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ٹوک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ پہنچے وہ زبان سے زیادہ ۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں ہرچہ دوبارہ بلایت بکھرا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابل اعتنا نہیں کی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے اگر آئندہ کے ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے خریداری کے حکام بہر حال ضروری ہے۔ دہائی سالانہ چندہ کے مستثنائی میں سو روپے پانچ سو روپے (مع حصول ٹاک) کی ہرچہ دس گئے۔ ۱۷ مئی ۱۹۷۱ء کو دوا کرتے وقت کوہن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

محکم دلائل سے مزین و متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

